عرفان
حصہ دوم
حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے خدا نورِ محمد ﷺ کو درخشاں کر دے نورِ عرفان سے دنیا میں چراغاں کر دے
سینہ سینا ہو ہر اک آنکھ ہو بینا جس سے خامہ مثلِ یدِ بیضا مرا تاباں کر دے

عرفان

حصہ دوم

مصنف
حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی علیہ الرحمۃ

مصنف : حضرت فقیر نور محمد سروری قادریؒ

کمپوزنگ : حافظ غلام رسول

اشاعت : اکتوبر 2009ء

پرنٹرز : شناخت پریس، لاہور

قیمت : -/275 روپے

فہرست مضامین

حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی علیہ الرحمۃ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

تعارف

حضرت قبلہ والدم بزرگوار صاحب مصنف کتاب عرفان کا اسمِ گرامی فقیر نور محمد صاحب سروری قادریؒ ہے۔ آپ کی پیدائش صوبہ سرحد ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک غیر معروف اور دور افتادہ قصبہ کلاچی کے اندر ۱۳۰۳ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام حاجی گل محمد صاحبؒ ہے جو نہایت متقی، زاہد، عابد اور پرہیز گار بزرگ ہوئے ہیں۔ انہیں چار دفعہ حجِ بیت اللہ شریف اور بغداد شریف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ علمِ دین میں پورے عالمِ باعمل تھے اور فقیر صاحبؒ کی نسبت انہیں کامل حسنِ ظن اور پورا یقین تھا کہ ظاہر باطن صاحبِ کمال نکلیں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہیں کئی دفعہ خواب کے اندر اور چند کامل بزرگوں کی زبانی بشارتیں اور اشارتیں مل چکی تھیں۔ چونکہ عرفان کے پہلے حصے میں راقم الحروف کے بھائی نے حضرت قبلہ فقیر صاحبؒ کے حالاتِ زندگی پوری تفصیل سے دیئے ہیں لہٰذا انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقیر صاحبؒ قبلہ نے کتاب عرفان لکھ کر خلقِ خدا پر اور خصوصاً طالبانِ مولا پر بڑا بھاری احسان فرمایا ہے اور تشنگانِ آبِ زلالِ زندگی کے لیے گویا چشمۂ آبِ حیات مہیا فرمایا ہے۔ بے شمار خوابیدہ اور غافل قلوب اس کے مطالعہ سے بیدار ہو گئے ہیں اور بہ کثرت گمراہانِ بادیۂ ضلالت اسے مشعلِ راہ بنا کر طریقت کے راہِ مستقیم کے راہوار ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ علمِ تصوف اور روحانیت میں اس قسم کی معرکہ آرا، جامع، دلچسپ، معقول، مدلل اور معیاری کتاب نہ آج تک کسی نے لکھی ہے اور نہ لکھ سکے گا۔ کتاب عرفان محض آپؒ کے روشن دل اور بیدار دماغ سے نکلے ہوئے اور پھوٹے ہوئے بالکل اچھوتے، نئے، نادر اور نایاب معارف اور اسرار کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے اہلِ مطالعہ کے دل میں اپنے خالق اور مالک کی طلب اور تلاش کا ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی لیلائے حجلۂ لاہوت کا مجنوں اور دیوانہ بنا دیتا ہے اور

اتنے تک بے قرار اور بے آرام رکھتا ہے کہ اُسے اپنے محبوبِ ازلی سے ملا دیتا ہے۔ اس کتاب میں قبلہ فقیر صاحبؒ نے تین باتیں ایسی نادر اور نرالی ظاہر کی ہیں جو آج تک کسی اہلِ قلم سے نہیں ظاہر ہو سکیں۔ ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ آپؒ نے اس کتاب میں یورپ کے جدید علم روحانی یعنی سپرچولزم پر قلم اٹھایا ہے جس سے آج تک تمام اہلِ مشرق بالکل غافل اور بے خبر ہیں اور اس علم کے پوشیدہ راز اور مخفی بھید کو پوری طرح بے نقاب اور طشت از بام کر دیا ہے اور اہلِ مشرق کو اس سے پہلی دفعہ روشناس کرایا ہے۔ دوم اس علم کے ذریعے جو اسلامی اور قرآنی حقائق اور پیغمبروں کے دور از عقل معجزات اور خوارق عادات کو عقل اور نقل سے ثابت کیا ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ جنہیں تمام سلیمُ العقل، منصف مزاج اصحاب اپنے مطالعہ گاہوں میں پڑھ کر دلی داد دیں گے۔ تیسرے آپ نے اس کتاب میں قرآن کریم کی آیتوں اور سورتوں کی معنی المعنی اور تفسیر التفاسیر بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کر کے ایک ایسا قابلِ فخر کام کیا ہے کہ جس نے قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور جس نے قرآن کریم پر اعتراض کرنے والوں اور بے جا اور ناروا تاویل کرنے والوں کو لاجواب کر دیا ہے۔ اور اب انشاءاللہ قرآنِ کریم کے کسی منکر اور معترض کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکے گی کہ قرآن مجید ایک بے ربط کلام یا دور از عقل اور بعید از قیاس خوارق عادات کا مجموعہ اور بے لذت اور بے کیف قصوں اور کہانیوں کا مرقع ہے۔
نیز قبلہ فقیر صاحبؒ نے اس کتاب کو محض ناظرین کی دلچسپی اور ازدیادِ یقین کی خاطر اپنے عینی مشاہدات اور دیدہ تجربات سے اور بھی دلچسپ اور مرغوبِ خاطر بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت سے لے کر اللہ تعالیٰ کی معرفت، مشاہدے، قرب، وصال اور بقا کے تمام مراتب اور مدارج کو ایسی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو کسی جگہ شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ غرض دنیائے تصوف اور روحانیت میں ''عرفان'' ایک بے مثل اور بے نظیر کتاب ہے اور انشاءاللہ قیامت تک ''عرفان'' گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کے لیے مشعلِ راہ بنی رہے گی اور مستسقیانِ بحرِ ظلماتِ طریقت کے لیے چشمۂ آبِ حیات کا کام دے گی۔ اس کے علاوہ فقیر صاحبؒ قبلہ نے چند اور کتابیں بھی لکھی ہیں جو خاص اور عام لوگوں میں بہت مقبول ہوئی ہیں اور جن کے مطالعہ سے ہزاروں لوگ مستفید اور مستفیض

ہوئے ہیں۔ ان میں ایک کتاب حق نماء ہے جو حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو صاحبؒ کی نہایت نادر و نایاب کتاب نور الہدیٰ فارسی کا اردو ترجمہ مع شرح ہے۔ دوم مخزن الاسرار و سلطان الاوراد، وردو وظائف اور بزرگانِ دین کے حالات میں ہے۔ سوم نور الہدیٰ فارسی بھی طبع فرما کر شائع کی ہے۔ چہارم کتاب عرفان کو دو حصوں میں شائع کیا۔ یہ کتابیں شریعت اور طریقت میں اس زمانے کی بہترین اور مفید ترین تصانیف ہیں۔ آخر میں حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استدعا ہے کہ ان کتب کو جملہ گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کے لیے مشعلِ راہ، تمام بے بصران کور باطن اور محرومانِ دیدۂ یقین کے لیے نورِ نگاہ اور سالکانِ راہ طریقت کے لیے خضرِ راہ بنائے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنo وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ o

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید — نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ این فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید

احقر
غلام سرور خاں سروری
فرزند قبلہ فقیر صاحبؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

امّا بعد! مصنف تصنیف کتاب ''عرفان'' فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ کتاب کے پہلے حصّے میں ہم اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت سے لے کر ذکر اذکار اور تصورات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب، مشاہدے اور وصال کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہونے کے طور طریقے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم یہاں ''عرفان'' کے اس دوسرے حصّے میں اللہ تعالیٰ کی غیبی لطیف مخلوقات اور باطنی موکلات یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات اور تسخیرات کے آسان اور مجرب طور طریقے بیان کرتے ہیں کہ ان جنود اللہ اور حزب اللہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور مقدس کلام یعنی ورد وظائف اور قرآنی آیات کے عملیات اور دعوات کے ذریعے کس طرح حاضر کر کے مطیع اور منقاد کیا جاتا ہے اور ان سے کیوں کر عالمِ امر میں کام اور استخدام لیا جاتا ہے۔ ''عرفان'' کا پہلا حصہ فقر و سلوک اور تصوف کا گویا علمی حصّہ ہے اور یہ دوسرا عملی حصّہ ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اول سب جیکٹو (SUBJECTIVE) اور انٹلکچول (INTELLECTUAL) پارٹ ہے۔ اور دوسرا ابجیکٹو (OBJECTIVE) اور پریکٹیکل پارٹ (PRACTICAL PART) ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں جس وقت اللہ تعالیٰ انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کو اپنی مخلوقات کی ہدایت اور تبلیغ پر مامور فرماتا ہے تو انہیں اور ان کے پیروؤں کو ظاہری اور باطنی اور مادی و روحانی اسلحہ اور ہتھیاروں سے مسلّح کیا جاتا ہے تا کہ ان ہتھیاروں کے ذریعے وہ اہلِ باطل یعنی کافروں، منافقوں، مشرکوں اور فاسقوں و فاجروں کا مقابلہ کر سکیں جو اللہ تعالیٰ کے نور کو دنیا سے مٹانا اور بجھانا چاہتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ:

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (الصف ۶۱ : ۸)۔ ''کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کامل اور مکمل کرنے والا ہے۔ اگرچہ کافروں کو یہ بات بری اور ناگوار گزرے۔''

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اہلِ حق کے اس نوری مشن کو مٹانے اور اس میں روڑے اٹکانے کے لیے شیطان اپنے باطن کے ظلماتی اور ناری جنود ابلیس کو لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ لیکن نورِ حق کے سامنے ظلمتِ باطل کی کیا مجال ہے کہ قائم اور برقرار رہ سکے۔ بلکہ حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (بنی اسرآئیل ۱۷ : ۸۱)۔ ترجمہ: کہہ دے اے میرے نبی! کہ اب نورِ حق آ گیا ہے اور ظلمتِ باطل بھاگ گئی ہے۔ تحقیق باطل کی ظلمت آفتابِ حق کے سامنے سے بھاگنے اور ٹلنے والی چیز ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

جنودِ ابلیس اور حزب الشیطان کے مقابلے میں ہمیشہ جنود اللہ اور حزب اللہ مقابل اور صف آرا رہتے ہیں اور ہمیشہ اہلِ حق حزب اللہ کی فتح ہوتی ہے اور وہ اہلِ باطن حزب الشیطان کا مغز توڑ کر انہیں تہس نہس کر دیتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط (الانبیاء ۲۱ : ۱۸)۔ ترجمہ: ''بلکہ پھینکتے ہیں ہم حق کو باطل کے اوپر۔ پس وہ توڑ دیتا ہے اس کا سر، وہ فوراً مٹ جاتا ہے۔'' سو ہر زمانے میں اہلِ حق ایمان داروں اور اہلِ باطل بے دینوں کے درمیان مقابلے اور مقاتلے ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان ظاہری مقاتلوں اور مادی مجاہدوں کے حالات اور کارناموں سے مذہبی، تاریخی اور آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں اور ہر شخص ان سے واقف اور آگاہ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان ایک غیبی باطنی لڑائی اور روحانی جنگ بھی جاری رہتی ہے۔ جس سے ظاہر بین مادی عقل والے بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں۔ کیوں کہ یہ باطنی مقاتلہ اور مقابلہ ظاہری عقل اور مادی حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہے۔ اور ہم یہاں پر ان غیبی اور باطنی لطیف مخلوق کے وجود کو ہر دو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کریں گے۔ اور اہلِ باطن جنود الشیطان کے مقابلے میں ان کے باطنی جنگی کارنامے بیان کریں

گے۔اور دیدہ تجربات اور عینی مشاہدات سے اس پر روشنی ڈالیں گے۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں پیغمبر خدا ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی امداد کے لیے کافروں سے جنگ و جدال کے وقت آسمان سے ملائکہ یعنی فرشتوں کے نازل ہونے اور مسلمانوں کے دوش بدوش کافروں سے لڑنے کے حالات اور واقعات بہت جگہ مذکور ہیں۔اس کے علاوہ اور غیبی لطیف غیر مرئی مخلوق بھی اسلام کے تبلیغی مشن اور جنگی کارناموں میں شریک حصہ دار اور اہلِ باطل سے برسرِ پیکار رہی۔جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (المدثر ۷۴: ۳۱)۔ ''اور تیرے رب کے غیبی لشکروں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پوری طرح جانتا ہے۔'' اور ان تمام غیبی لطیف مخلوق یعنی جِن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات اور تسخیرات اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور اس کے مقدس کلام سے کی جاتی ہے۔آج اس موجودہ زمانے میں قرآنِ کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جسے صحیح طور پر آسمانی کتاب اور اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام کہا جاسکتا ہے۔جو آج تک اپنے اصلی طور پر اور صحیح صورت میں بغیر کسی تحریف اور تصریف کے ہمارے پاس موجود ہے اور جس کے نزول اور تلاوت میں وہ غیر مخلوق نور مستور ہے کہ اگر اس کا نور سنگین پہاڑ پر نازل ہوتو پہاڑ مارے خوف کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔قولہٗ تعالیٰ: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط (الحشر ۵۹: ۲۱)۔سو قرآن کی یہ ایک ازلی فطری اور قدرتی صفت اور خاصیت ہے کہ جس وقت وہ پاک اور طیب وجود اور طاہر زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کی تلاوت سے ایسا نور پیدا ہوتا ہے کہ جس کی شمعِ جمال پر تمام ظاہری و باطنی مخلوقات خصوصاً جِن، ملائکہ اور ارواح پروانوں کی طرح گرتی ہیں اور اس کے امر اور حکم کی تعمیل کے لیے دوڑتی ہیں اور سرِ تسلیم خم کرتی ہیں۔قولہٗ تعالیٰ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط (الجاثیہ ۴۵: ۱۳)۔ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے مسخر کردیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں اور زمین کے اندر ہے تمام اسی کے ذریعے۔''

حضرت علامہ اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تُو بر نخلِ کلیمے بے محابا شعلہ مے ریزی   تُو بر شمعِ یتیمے صورتِ پروانہ مے آئی

اگر قرآن اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق و قدیم نوری کلام ہے تو اس کا نزول اور تخاطب کل

کائنات کی ہر قسم کی مخلوقات کیا جمادات، نباتات، حیوانات، انسانوں، جنات، ملائکہ اور ارواح کی طرف ہے اور ہر چیز میں اس کا کلام، حکم اور امر جاری و ساری ہے۔اور ہر شے اس کے امر اور حکم کے مطیع اور منقاد ہے۔سو اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام کے نور سے عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کی ہر چیز کی حاضرات اور تسخیرات کی جاسکتی ہے جسے علمِ دعوت کہتے ہیں۔جس کے ذریعے عالمِ غیب کی لطیف مخلوقات مثلاً جِن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات کرکے ان سے تمام مشکل مہمات میں امداد لی جاتی ہے۔غرض علمِ دعوات اور روحانیات کی حاضرات و تسخیرات کا علم مسلمانوں کا اصلی قدیم ورثہ اور پرانا ترکہ ہے۔اور یہی وہ قدیم روحانی اسلحہ اور باطنی ہتھیار ہے جس کے ذریعے مسلمانوں نے تمام دنیا کو تھوڑے عرصے میں مسخر اور زیرِ نگیں کرلیا تھا۔آج دنیا میں مسلمان صرف اس لیے محکوم و مغلوب اور ذلیل و خوار ہیں کہ وہ اپنے اصلی دینی دولت اور اپنے روحانی ہتھیار کھو بیٹھے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران ۳: ۱۳۹)۔

ترجمہ: ''اے مومنو ناامید مت ہو اور نہ غم کرو تم ہی دنیا میں سربلند اور غالب رہو گے بشرطیکہ تمہارے اندر نورِ ایمان ہو۔'' اور تمہارے پاس باطنی ایمانی طاقت ہو۔جب تک مسلمانوں میں نورِ ایمان، باطنی قوت اور روحانی طاقت رہی اور مسلمان بادشاہوں کی پشت پر روحانی لوگ یعنی اولیاء اللہ رہے مسلمان ہر میدان میں اور ہر ملک میں کفار کے مقابلے میں غالب رہے۔یہاں تک کہ شیرِ اسلام تمام بیشۂ دنیا پر چھا گیا اور تمام مادی حکومتیں اور ظاہری سلطنتیں عام جانوروں کی طرح ہر جگہ شیرِ اسلام سے لرزہ براندام رہیں۔افسوس مسلمان اپنے اصلی موروثی فن اور علم سے بالکل تہی دست ہوگئے ہیں۔عموماً تمام عالمِ اسلام میں مسلمانوں کی کوئی ایسی انجمن یا سوسائٹی نہیں جو اصلی معنوں میں صوفی اور روحانی کہلانے کی مستحق ہو۔جو علمِ روحانیت کے ہر دو علمی اور عملی پہلوؤں پر ترقی کرکے تجربے اور مشاہدے حاصل کرتی ہو۔ہاں نام کے لباسی دکاندار رسمی اور رواجی صوفی بے شمار ہیں جنہیں تصوف اور روحانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔بس خالی ''پدرم سلطان بود'' کے بل بوتے پر اور اپنے باپ دادا کی قبروں پر روضے بنا کر اور سجادگی کا جال بچھا کر مرغانِ سادہ لوح کی طرح احمق مریدوں کو خالی طفل تسلیوں میں پھنسائے رکھتے ہیں اور ان کے مال جان اور

ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ برخلاف اس کے یورپ کے لوگ جو ہر طرح سے بیدار اور منظّم ہیں ان کے ہاں ہر قسم کے علوم و فنون کے باقاعدہ ادارے، خاص انجمنیں اور منظّم سوسائٹیاں ہیں اور جملہ امرا اور اکابرِ قوم ہر مفید فن اور کارآمد علم کی ترقی اور توسیع میں کوشاں ہیں اور ان علوم اور فنون کے عاملین اور ماہرین کی امداد کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حکومت بھی ایسے برگزیدہ اور چیدہ اشخاص کی ہر طرح سے پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس نے مغرب کو بامِ عروج کے فلک الافلاک پر پہنچا دیا ہے اور اسی ہمدردی، تنظیم اور اتحاد میں ان کی ترقی اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔

افسوس کہ ہماری قوم میں اگر کوئی باکمال شخص پیدا ہو جائے تو قوم کا ہر فرد اس سے الٹا حسد کرتا ہے اور سب لوگ اس کی دشمنی اور عداوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے کام اور مشن میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے موروثی علمِ روحانیت کو اپنائیں۔ باقاعدہ انجمنیں اور سوسائٹیاں قائم کریں اور اس کے لیے ہر قسم کا لٹریچر مہیا کریں۔ حتیٰ کہ اس علم کے حصول کے لیے اگر غیر ممالک میں بھی جانا پڑے تو اپنے چیدہ اور قابل اشخاص کو وہاں بھیج کر اس علم کو عملی طور پر حاصل کر کے اسے اپنے ملک میں شائع کریں۔ [1]

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: اُطْلِبُوْ االْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ۔ ترجمہ: ”طلب کرو علم اگرچہ اس کی طلب میں چین تک جانا پڑے۔“ اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ فَاطْلُبُھَا وَلَوْ کَانَ عِنْدَ الْکَافِرِ۔ ترجمہ: ”حکمت مومنوں کی گم شدہ متاع ہے پس اسے تلاش کر کے حاصل کرو۔ اگرچہ کسی کافر کے پاس سے ہی ملے۔“ اگر مسلمانوں نے اس طرف قدم اٹھایا تو انشاء اللہ وہ تھوڑے عرصے میں جن، شیاطین اور سفلی ارواح تو کیا پاک نوری مخلوق یعنی مومن جن، ملائکہ، اور مومن انسان اولیاء اللہ اور انبیا کی مقدس ارواح کی حاضرات کر کے ان سے ایسے حیرت انگیز کام لیں گے جن سے دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کر لیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا یعنی شہزادی بلقیس کو اپنا زیرِ فرمان بنانا چاہا تو انہوں نے کس طرح اس سے اپنا روحانی لوہا منوایا اور اپنی باطنی بادشاہی اور غیبی لشکر کا یقین

[1] اب پاکستان میں بھی یہ علم پھیلانے کے ادارے کھل گئے ہیں (سائنسی خطوط پر)

دلا کر اسے اپنا مرید، معتقد اور آخر میں مسلمان بنا لیا۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنا ایک حکم نامہ ایک غیبی مؤکل ہُد ہُد کے ہاتھ ایسی حالت میں اس کی طرف پہنچایا جب کہ وہ اپنے دارُالخلافہ شہر سبا کے اندر سو رہی تھی اور ارد گرد ایسے سخت پہرے لگے ہوئے تھے کہ کسی پرندے کا بھی وہاں گذرنے کا امکان نہ تھا۔ خط کا مختصر مضمون یہ تھا: اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ (النمل ۲۷: ۳۰۔۳۱)۔ ترجمہ: ”یہ خط خدا کے پیغمبر سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم کے نام کی طاقت سے بادشاہی حاصل ہے جس کا مقابلہ کرنا مادی طاقت والے بادشاہوں کا کام نہیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم مجھ پر اپنی برتری اور بہتری کا خیال ترک کر کے میرے پاس مطیعِ فرمان اور مسلمان بن کر آ جاؤ۔“ ملکہ بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کا یہ عجیب و غریب خط پاتے ہی اپنے امیروں اور وزیروں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ میرے پاس سلیمان پیغمبر کی طرف سے ”کتابِ کریم“ بڑی عزت اور شان والا خط موصول ہوا ہے جس کے ذریعے انہوں نے ہم کو دینِ اسلام کی طرف دعوت دی ہے۔ اب تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔ خط والے کی باطنی طاقت اور روحانی عظمت اس خط اور اس کے غیبی طور پر پہنچنے کی عجیب و غریب نوعیت سے نمایاں تھی۔ کیوں کہ وہ ایک معمولی خط نہ تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ چنانچہ دربار میں اس معاملے پر خوب بحث و تمحیص ہوئی اور مختلف آراء دی گئیں۔ اس زمانے میں یمن کے علاقہ سبا میں ملکہ بلقیس کی بڑی وسیع اور عظیم الشان سلطنت تھی۔ وہ لوگ سورج دیوتا کی پرستش کیا کرتے تھے۔ آخر دربار کے امرا اور وزرا نے متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ نَحْنُ اُولُوْا قُوَّۃٍ وَّ اُولُوْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ۵ وَّالْاَمْرُ اِلَیْکِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ ۝ (النمل ۲۷: ۳۳)۔ یعنی ”ہمارے پاس بڑی زبردست فوجی طاقت ہے جس کے ذریعے اطرافِ عالم میں لوگوں کے دلوں کے اندر ہمارا خوف و ہراس چھایا ہوا ہے۔ اے ہماری ملکہ! حکومت کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہے۔ اب تو خود سوچ سمجھ کر اپنا آخری فیصلہ ظاہر کر کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“ چنانچہ ملکہ بلقیس نے اپنی رائے یوں ظاہر کی اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْآ اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً ۚ وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ۝ (النمل ۲۷: ۳۴)۔ چنانچہ اپنی اس

رائے میں ملکہ نے جنگ وجدال اور خوں ریزی سے یہ کہتے ہوئے پہلو تہی کیا کہ "ہمیشہ سے دنیاوی بادشاہوں کا یہ وطیرہ اور طریقہ چلا آیا ہے کہ جب انہیں اپنے مخالف فریق پر فتح اور غلبہ حاصل ہوجاتا ہے تو وہ ان کے ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اسے جذبۂ انتقام میں تاخت وتاراج اور تہ وبالا کردیتے ہیں۔" یعنی جنگ کا نتیجہ بنی نوع انسان کی تباہی اور بربادی کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ساتھ یہ بھی کہا: وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ o (النمل ۲۷: ۳۵)۔ یعنی میں سلمان علیہ السلام کو کچھ تحفے تحائف بھیج کر راضی کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کیونکہ اکثر دنیا کے حریص بادشاہ ان باتوں سے خوش اور مطمئن ہوجایا کرتے ہیں۔ لیکن میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ پیغمبر آخر کس بات کے خواہاں ہوتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ o اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ o (النمل ۲۷: ۳۶۔۳۷)۔ ترجمہ: "جب سلیمان علیہ السلام کے پاس بلقیس کے قاصد تحفے تحائف لے کر پہنچے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ مجھے اپنے مال کا لالچ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو باطنی دولت مجھے بخشی ہے وہ دنیا کی تمام مادی دولت سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ تم ہی ہو جو اس قسم کے مادی تحائف سے خوش ہوتے ہو۔ اپنے یہ تحفے واپس لے جاؤ۔ اگر تمہاری ملکہ مسلمان اور مطیع فرمان ہوکر میرے پاس آتی ہے تو فبہا۔ ورنہ میں ایسے ظاہری اور باطنی لشکر کے ساتھ تمہارے ملک پر چڑھ آؤں گا کہ جس کے مقابلے کی تاب تمہیں ہرگز نہ ہوگی، اور میں تمہیں ذلیل اور خوار کرکے اس ملک سے نکال دوں گا۔" چنانچہ جب قاصدوں اور ایلچیوں نے واپس آکر اپنی ملکہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ظاہری اور باطنی سلطنت اور پیغمبری شان وشوکت کا حال سنایا تو بلقیس پر آپ کی نبوت اور صداقت کھل گئی اور مزید تحقیقات اور اطمینانِ خاطر کے لیے خود بہ نفسِ نفیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زیارت اور ملاقات کے لیے روانہ ہوگئی۔ کیوں کہ ملکہ بلقیس نے خیال کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس اس قسم کی کوئی غیر مرئی غیبی طاقت موجود ہے جو آنکھوں سے اوجھل کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر ظاہری اسباب کے

بطور اپورٹس (APPORTS) ایک دم میں پہنچا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنا خط اسی غیبی مرئی طاقت سے مجھ تک پہنچا دیا تھا۔ سو اگر سلیمان علیہ السلام کوئی بڑی بھاری چیز بھی اس طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑا کر لے جاسکتا ہے تب تو وہ ہمارے خزانوں اور سامانِ حرب پر آسانی سے قبضہ کرسکتا ہے۔ پس ایسے زبردست روحانی طاقت والے پیغمبر کا مقابلہ کرنا ہماری مادی طاقت سے بالاتر ہے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً ملکہ بلقیس کے سنہری تخت کو جو کئی سومن وزنی تھا اپنے پاس اٹھا کر لانے کا بندوبست کیا تھا اور ملکہ بلقیس ابھی راستے ہی میں تھی کہ آپ نے اپنے مؤکلوں اور مصاحبوں کو حاضر کرکے ان سے دریافت کیا کہ یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّکُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ o (النمل ۲۷: ۳۸)۔ ترجمہ: حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: اے میرے دانشمند اور ہنرمند مصاحبو! تم میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کے تخت کو اٹھا کر اس کے یہاں مسلمان اور مطیع فرمان ہوکر پہنچنے سے پہلے میرے سامنے پیش کردے۔

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِکَ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ o (النمل ۲۷: ۳۹)۔ ترجمہ: "ان مصاحبوں میں سے ایک عفریت نامی جن سردار تھا اس نے کہا پیشتر اس کے کہ آپ اپنی جائے نشست سے اٹھ کھڑے ہوں میں وہ تخت لاکر حاضر کردوں گا اور مجھے اس قدر طاقت حاصل ہے اور میں اس بات کا بھی ضامن ہوں کہ میں اس تخت کے زروجواہر میں کسی چیز کی خیانت نہ کروں گا۔" قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ ط (النمل ۲۷: ۴۰)۔ ترجمہ: "اس کے بعد آپ کے ایک مصاحب (آصف برخیا) جس کے پاس آسمانی کتاب کی دعوت کا علم تھا، کہا کہ میں طرفۃ العین یعنی آنکھ جھپکنے کے اندر وہ تخت حاضر کردوں گا۔" الغرض وہ تخت طرفۃ العین میں آپ کے پاس حاضر کردیا گیا۔ آپ نے اس تخت کو اپنے پاس اس قدر سرعت سے حاضر ہوتے دیکھ کر فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ قف لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ط (النمل ۲۷: ۴۰)۔ یعنی "یہ میرے رب کا محض فضل ہے جو اس نے مجھے یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ مجھے آزمائے کہ آیا میں اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں۔"

غرض جب وہ تخت آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا: نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ٥ (النمل ۲۷ : ۴۱)۔ یعنی اس کے جواہرات وغیرہ اتار کر اس کی ہئیت ذرا تبدیل کر دو کیوں کہ ملکہ بلقیس ہماری روحانی طاقت آزمانے آ رہی ہے۔ ہم اس کی مادی عقل کا امتحان لیتے ہیں کہ آیا وہ اپنے تخت کو بھی جس پر وہ اتنی مدت بیٹھتی رہی ہے پہچان سکتی ہے یا نہیں۔ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ط قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ج وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ٥ (النمل ۲۷ : ۴۲)۔ ترجمہ: ''پس جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی اور اپنے تخت کے قریب لائی گئی تو بلقیس کے مصاحبوں میں سے ایک نے تخت کو دیکھ کر بلقیس سے کہا یہ تو آپ کے تخت ہی کی طرح ہے۔ بلقیس نے متحیر ہو کر جواب دیا بلکہ یہ تو ہو بہو وہی نظر آتا ہے۔ بعدۂ بلقیس سلیمان علیہ السلام کی روحانی طاقت کو مانتے ہوئے اور آپؑ کی فوق الفطرت پیغمبرانہ قوت کو تسلیم کرتے ہوئے کہنے لگی کہ ہمیں پہلے بھی اس بات کا علم تھا کہ سلیمانؑ واقعی خدا کا پیغمبر ہے اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی روحانی غیبی طاقت ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔''

دوسری آزمائش حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی یوں کی کہ آپ کے مصاحب اسے ایک محل میں فروکش کرنے کے لیے لے گئے۔ جب ملکہ اس محل کے صحن میں پہنچی تو اس کا فرش ایسے صاف و شفاف بلّورِ لرزاں کا بنا ہوا تھا کہ بالکل پانی کا ایک حوض معلوم ہوتا تھا۔ جب بلقیس اس فرش پر سے گذرنے لگی تو اس نے اسے پانی کا حوض سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کھینچ لیا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب اس کے عقل کی کوتاہی پر ہنس پڑے اور وہ کھسیانی سی ہوئی۔ چنانچہ قرآن کریم نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے:

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ج فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ط قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ط قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (النمل ۲۷ : ۴۴)۔ ملکہ بلقیس اپنی مادی عقل کی کوتاہی اور پیغمبروں کی عقلِ کُل کے کمال کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگی کہ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ (النمل ۲۷ : ۴۴) یعنی میں نے سلیمان علیہ السلام کا امتحان لینے سے اپنی نفس پر ظلم کیا

ہے۔ کیوں کہ مجھے خود شرمندہ ہونا پڑا۔ اور اب میں آپ کے ہاتھ پر اسلام لا کر اپنے رب العالمین پر ایمان لائی ہوں کہ بے شک وہ اپنے واحد پاک خدا کا سچا پیغمبر ہے۔

افسوس ہمارے زمانے کے نیچر مزاج علما نے اس قسم کی خوارق عادت اور قرآنی حقائق کی بہت ناروا تاویلیں کی ہیں اور انہیں اپنے مادی خام خیالات کے ساتھ تطبیق دینے کے لیے توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن ہم ان مادہ پرست اندھے علما کو ان کے جدِّ امجد یورپین مادہ پرست علما کے آج کل کے نظریات، عینی مشاہدات اور دیدہ تجربات کے ذریعے تمام قرآنی خوارق عادات اور معجزات ثابت کر کے دکھائیں گے۔ جن کے علوم اور فنون کے یہ لوگ خوشہ چین ہیں۔ سو ہم نے سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس کا قصہ آیاتِ قرآنی سے مفصل اسی غرض کے لیے بیان کر دیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تمام پیغمبروں میں سے فنِ تسخیراتِ جنات میں بے مثل اور یکتائے روزگار ہوئے ہیں۔ آپؑ نے جس طرح جنات کو مسخر اور قید کیا تھا آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی کر سکے گا۔ چنانچہ آپؑ کی یہ استدعا اس بات پر شاہد ہے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥ (صٓ ۳۸ : ۳۵)۔ یعنی ''آپؑ نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت اور حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ تو بے شک بہت بخشنے والا ہے۔'' عاملین اسم یَا وَهَّابُ کا عمل اس قسم کی تسخیر کے لیے کیا کرتے ہیں اور واقعی اس سے تسخیر کا زبردست عمل جاری ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کسی عامل کامل کی نگرانی اور اجازت سے یہ عمل کیا جائے۔ حضرت سرورِ کائنات ﷺ کا رات کے وقت ایک جنّ کو پکڑ لینا اور بہ لحاظ حضرت سلیمان علیہ السلام اسے رہا کر دینا۔ یہ احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بات یہ ہے کہ آج کل یورپین سپر چولسٹس اپنے حلقوں میں جن شیاطین اور سفلی ارواح کی حاضرات کر کے ان سے بہت قسم کے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک علم اپورٹس (APPORTS) کا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے حلقوں کے اندر جن ارواح (SPIRITS) کو حاضر کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے وہ بعینہٖ اسی طرح دور کی چیزیں منگواتے ہیں جس طرح سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کا تخت منگوایا تھا۔ چنانچہ یورپین سپر چولسٹس

کے نزدیک (APPORTS) ایک بہت معمولی بات ہے۔ یعنی ارواح بہت دور کی چیزیں اٹھا کر بند کمروں کی اندر لا کر پیش کر دیتی ہیں اور اندر سے بعض چیزیں اٹھا کر باہر لے جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ یورپ کے سپر چولسٹس کے پاس اپورٹس کا نہایت معمولی قسم کا عمل ہے۔ جس کے مقابلے سلیمان علیہ السلام کے اپورٹس (APPORTS) کا مظاہرہ نہایت حیرت انگیز تھا کہ کئی سومن کے تخت کو طرفۃ العین میں سینکڑوں میل کی مسافت سے لا کر پیش کر دیا گیا اور اس حیرت انگیز کارنامے سے ملکہ بلقیس کو اور اس کی لاکھوں مشرک آفتاب پرست رعایا کو موحد اور مسلمان بنالیا۔

مسلمان اگر خوابِ غفلت سے اٹھ کر اپنے موروثی علمِ روحانیت کو اپنائیں اور شیرِ اسلام اگر اپنے دینی دانتوں اور روحانی ناخنوں سے مسلح ہو جائے تو دنیا و آخرت ہر دو کی بادشاہت اور سلطنت اس کے قدم چومے گی۔ لیکن افسوس کہ شیرِ اسلام اپنے فطرتی ہتھیاروں سے محروم کر دیا گیا ہے اور وہ یورپ کے مادی گدھوں کے مقابلے میں مادی طاقت کی دولتیاں چلا رہا ہے۔ بھلا شیر اپنے نرم بے ناخن پنجوں سے گدھے کے سخت آہنی سموں کا مقابلہ کرنے میں سوائے اپنا سر پھوڑنے کے اور کیا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی دوراندیش اور دانش مند حکومتیں ابتدا سے لے کر آج تک شیرِ اسلام کو اپنے دینی دانتوں اور روحانی ناخنوں سے محروم کر کے بے دست و پا بناتے چلے آئے ہیں اور جب کبھی دیکھتے ہیں کہ یہ شیر تقاضائے فطرت سے پھر نئے دانت اور ناخن نکالنے لگ گیا ہے، ان کے سیاسی پاسبان اور پولیٹیکل نگران ان کے نئے روحانی دانت اور ناخن اپنے مضبوط زنبوروں اور زبردست ہتھوڑوں سے جلدی توڑ مروڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

اہلِ یورپ کا سیاسی فہم اور فراست اور پولیٹکل دور بینی داد دینے کے قابل ہے۔ انکی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں کو اپنی اصلی دینی سپرٹ اور روحانی ہتھیاروں سے عاری اور محروم رکھا جائے۔ انہیں کامل یقین ہے کہ اگر شیرِ اسلام پھر اپنے دینی دانت اور روحانی ناخن حاصل کر چکا تو پھر ہم مادی حیوان کہیں کے نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر مسلمان اپنے خدا کے سچے خادم بن گئے اور انکا خدا ان کے ساتھ ہو گیا تو وہ قادر قدیر ذات ابابیل پرندوں سے ہوائی جہازوں اور ان کی کنکریوں

سے ایٹم بموں کا کام لینے لگ جائے گا۔ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ مسلمانوں کے خدا نے نمرود مردود کے زبردست جرار لشکر کو ناچیز مچھروں سے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ فرعون کے لاکھوں فوجیوں کی تیز تلواروں اور چمک دار نیزوں اور ہامان کے زبردست ساز و سامان اور تدبیروں کے مقابلے میں ایک اسرائیلی درویش موسیٰ علیہ السلام کے عصائے چوبیں نے کیا کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے اور کس طرح ایک زبردست بادشاہ کو اپنے لاؤ لشکر سمیت آب و گل کے اندر تہس نہس کر دیا تھا۔ غرض مسلمانوں کی آسمانی طاقت کی ہیبت آج تک ان کے دلوں پر چھائی ہوئی ہے اور شیرِ اسلام کی خوفناک اور مہیب گرج ان کے دماغوں میں آج تک گونج رہی ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ سے مسلمانوں سے ان کی دینی دولت اور روحانی ہتھیار چھین لینے کے درپے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے اس خیال کی تائید میں ایک چھوٹا سا واقعہ بطور مشتے نمونہ از خروارے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شاید مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کی فکر کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ مرحوم محمد علی پاشا والئ مصر کے زمانے میں مصر کے طالب علم مغربی علوم و فنون سیکھنے کی خاطر فرانس جایا کرتے تھے اور ان کے ہمراہ چند شیخ یعنی مذہبی رہنما اور روحانی پیشوا بھی بھیج دیئے جاتے تھے جو انہیں ساتھ ساتھ دین کی تعلیم اور روحانی تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ تاکہ مصری طالب علم مغربی تعلیم سے متاثر ہو کر الحاد اور دہریت کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔ ایک دفعہ فرانس میں ایک اخبار کے نامہ نگار نے صبح ایسے وقت پر جب کہ ہر جگہ برف پڑی ہوئی تھی ایک مصری طالب علم کو وضو کے لیے پانی کی تلاش میں پھرتے دیکھا کہ وہ برف کو توڑ توڑ کر وضو کر رہا ہے۔ وہ یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چنانچہ اس نے دوسرے روز فرانس کے ایک اخبار میں اس قسم کا ایک مضمون لکھ مارا کہ ''مصری نوجوانوں کے جذبۂ دین کی یہ حالت رہی تو عنقریب مصر تمام یورپ کو غلام بنالے گا۔ ایسے عزم کی نظیر اور استقلال کی مثال یورپ میں نہیں مل سکتی۔ یہ وہ عزائم ہیں جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتے ہیں اور ملکوں کو زیروزبر کر دیتے ہیں۔'' اس کے بعد مصری طلبہ کے ہمراہ مذہبی پیشوا اور روحانی رہنماؤں کے بھیجنے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

غور وفکر کا مقام ہے کہ یورپین لوگ مسلمانوں کی مذہبی سپرٹ اور روحانی قوت سے کس قدر خائف اور ہراساں ہے کہ دن رات ہمارے مذہبی اعمال اور روحانی احوال پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ کیونکہ مذہبی جذبہ اور روحانی جوش ہی وہ اصلی جوہر ہے جو مسلمانوں کو ترقی کی معراج پر پہنچانے والا ہے۔ مغرب خود تو مدتوں سے دنیوی حرص و آز میں اپنا روحانی حاسہ اور مذہبی سپرٹ کھو چکا ہے۔ اس کے سینے کی انگیٹھی میں مذہبی آگ کی آخری چنگاری بھی بجھ چکی ہے اور صرف برائے نام رسمی رواجی طور پر مذہب کی راکھ ہی پڑی ہوئی ہے۔ جو کبھی کبھار گرجوں کے اندر پادریوں کے خشک وعظ کی پھونکوں اور آرگن باجوں کی چوں چوں سے اڑتی ہوئی اور دیکھنے والی آنکھ کو الٹا اندھا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے بر خلاف مسلمانوں کی غفلت اور مخالف ہتھکنڈوں سے اگرچہ مسلمانوں کے سینوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ چکی ہیں۔ لیکن ان کے قلوب کے کوئلوں میں ایمان کی آخری چنگاری ابھی تک دبی پڑی ہے کہ جب کبھی اسے علمائے عاملین کے پند ونصائح یا فقرائے کاملین کی موافق ہوا کا جھونکا پہنچتا ہے وہ چنگاری فوراً بھڑک اٹھتی ہے اور ان کے سینے کی انگیٹھیاں گرم اور دلوں کے آتش دان روشن ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان اگرچہ سیاسی صورت میں مدت سے محکوم اور مغلوب اور اقتصادی طور پر مفلس اور مفلوک ہو گیا ہے لیکن جب بھی اس کے سامنے اسلام کے نام پر کٹ مرنے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ناموس پر جانِ عزیز کی بازی لگانے کا سوال آیا ہے تو مسلمان نوجوان سر سے کفن باندھ کر میدانِ امتحان میں بے تامل کود پڑا ہے اور سینہ تان کر گولیوں کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے اور خوشی سے جامِ شہادت نوش کر لیا ہے۔

اسلام کے اصلی مذہبی پیشوا اور حقیقی روحانی رہنما اپنے پاک ہاتھوں سے دین اور روحانیت کے ایسے محکم اشجارِ طیبہ مسلمانوں کے دلوں میں لگا گئے ہیں کہ تیرہ سو سال سے ابلیس خبیث مع اپنے ظاہری و باطنی جنود و شیاطین الانس و الجن اپنے طرح طرح کے ہتھیاروں اور اوزاروں سے اسے دن رات کاٹ رہے ہیں اور کاٹتے کاٹتے ان کے بازو تھک گئے ہیں اور ان کے اوزار کند ہو گئے ہیں۔ اس سے گو ان کی ٹہنیاں کٹ گئی ہیں، پتے جھڑ گئے ہیں، نہ پھل رہے ہیں نہ پھول لیکن آفرین ہے اسلام کے اس مبارک شجرِ طوبیٰ پر

کہ ابھی تک اس کا پاک تنا اور مبارک جڑ مسلمانوں کے دلوں کی زمین کے اندر بدستور قائم اور برقرار ہے اور اس گئے گذرے زمانے میں بھی دنیا کا کوئی مذہب اور ملت اپنے ظاہری اعمال و افعال اور باطنی احوال میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی شعائر اور دینی احکام پسِ پشت ڈال دیئے ہیں اور اخلاقی طور پر بہت گر گئے۔ ہیں اس لیے دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئے ہیں۔ کافروں اور مشرکوں نے ان کے اچھے اسلامی محاسن اور دینی محامد اپنا لیے ہیں۔ اس لیے مسلمان ان کافروں اور بے دینوں کے ہاتھوں محکوم ومغلوب ہو گئے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کا اخلاق شہرۂ آفاق تھا اور دنیا کی تمام قومیں ان کی بلندیٔ اخلاق کو دیکھ کر عش عش کرتی اور رشک کھاتی تھیں۔ دور کیوں جائیں ان انگریزوں کے ابتدائی دورِ حکومت میں مسلمانوں کے کردار اس قدر اعلیٰ تھے کہ وہ مخالفین اور دشمنانِ دین سے بھی خراجِ تحسین حاصل کرتے تھے۔ مسلمان شخصی اور ذاتی مفاد کے لیے بھی تو بھولے سے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ بلکہ جس معاملے میں سچائی سے تمام قوم اور ملت کے نقصان کا احتمال ہوتا وہاں بھی راستی کا دامن نہیں چھوڑتے تھے اور قرآن کریم کی مفصلۂ ذیل ہدایات پر عمل پیرا تھے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (النسآء ۴: ۱۳۵)۔ ترجمہ: ”اے ایمان والو! انصاف پر قائم اور اللہ کے لیے حق کی گواہی دینے والے رہو خواہ وہ تمہیں اپنے اور اپنے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑے۔“ قولہ تعالیٰ: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المآئدۃ ۵: ۸)۔ ترجمہ: ”اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے معاملے میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ بلکہ ہر حال میں انصاف پر قائم رہو۔ یہ بات تقویٰ کے بہت قریب ہے۔“

انگریزی عملداری کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے ایک قصبہ کاندھلہ میں ایک جگہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہوا کہ یہ ہندوؤں کا مندر ہے یا مسلمانوں کی مسجد۔ انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے تخلیے میں پوچھا کہ ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے

ہوں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا ہمارے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔ اس کے بعد ہندوؤں سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے اور بڑا اہم مذہبی معاملہ ہے۔ لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ایسے ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ شاید وہ اس معاملے میں بھی صداقت سے گریز نہیں کریں گے اور یہ بزرگ مفتی الٰہی بخش صاحبؒ (شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) تھے۔ مجسٹریٹ نے ان کے پاس چپڑاسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا۔ انہوں نے چپڑاسی سے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہیں دیکھوں گا۔ مجسٹریٹ نے کہلا بھیجا کہ آپ میرا منہ نہ دیکھیں لیکن تشریف لے آئیں معاملہ بڑا اہم ہے اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ بزرگ تشریف لے آئے اور پیٹھ پھیر کر عدالت میں کھڑے ہو گئے۔ معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا اور کہا گیا کہ آپ کا اس معاملہ کے بارے میں کیا علم ہے۔ کمرۂ عدالت ہندوؤں اور مسلمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور تمام لوگوں کی نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں اور سب ہمہ تن گوش تھے۔ اس پاک باز بزرگ نے یوں زبان کھولی:

''صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے۔ مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' عدالت نے فیصلہ دے دیا اور جگہ ہندوؤں کو مل گئی۔ مسلمان ایک قومی مقدمہ ہار گئے۔ لیکن اسلام نے اخلاقی فتح پائی۔ صداقت اور اسلامی بلند اخلاق کے مظاہرے نے چند گز زمین کھو کر بہت سے غیر مسلمانوں کے ضمیر جیت لیے۔ بہت سے ہندو اسی روز آپؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے اور دور دور اسلام کی بلندیٔ اخلاق کا ڈنکا بج گیا۔

ضمیر کے علاوہ مسلمانوں میں علم و فضل اور دین و دانش بھی ایک مقدس اور قیمتی متاع سمجھی جاتی تھی۔ جس کو کسی قیمت پر بھی غیروں کے ہاتھ فروخت کرنا گناہِ عظیم خیال کیا جاتا تھا۔ ہماری قوم کے سابق علمائے عامل تو اسے اللہ تعالیٰ کا ایک بے بہا قیمتی عطیہ اور قومی امانت سمجھتے تھے۔ خصوصاً کفر، شرک اور فسق و فجور کی بلاواسطہ اور بالواسطہ تقویت اور اعانت میں اس کو صرف کرنا اور کافر حاکم کے نظام میں آلۂ کار بن کر اسے استعمال کرنا بڑی قومی خیانت اور ایمان فروشی خیال کرتے تھے۔ اسی طرز کے نیک سیرت اور پاک طینت بزرگ مولانا عبدالرحیم صاحب رام پوری تھے (۱۲۳۴ھ)۔ روہیل کھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر

ہاکنسن نے ان کو بریلی کالج کی درس و تدریس کے لیے ڈھائی سو روپیہ ماہوار مشاہرہ کی پیش کش کی۔ جو ۱۸۵۷ء سے پہلے آج کے ہزار بارہ سو روپے ماہوار کی حیثیت رکھتا تھا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ تھوڑی ہی مدت میں اس مشاہرہ میں ترقی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ انہوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے۔ ہاکنسن نے کہا میں تو اس وظیفے سے پچاس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں۔ اتنی بڑی رقم کے مقابلے میں ریاست کی یہ حقیر سی رقم کیا وقعت رکھتی ہے۔ انہوں نے اس کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا درخت ہے۔ جس کے بیر بہت لذیذ اور مجھے مرغوب ہیں۔ بریلی میں وہ بیر کھانے کو نہیں ملیں گے۔ ظاہر بین انگریز اب بھی انکے دل کی بات کو نہ پا سکا۔ اس نے کہا رام پور سے بیر لے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے اور آپ بریلی میں بیٹھے بھی اپنے گھر کے بیر کھا سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا ایک بات اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ میرے طالب علم جو رام پور میں مجھ سے درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہو جائے گا اور میں ان کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گا۔ انگریز کا دماغ اب بھی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے کہا میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں۔ وہ بریلی میں آپ سے تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کرتے رہیں۔ آخر اس باعمل اور متقی عالم نے اپنے ترکش کا آخری تیر ایسا چھوڑا جس کا کوئی جواب انگریز کے پاس نہ رہا۔ مولانا نے فرمایا: آپ کی باتیں سب بجا سہی لیکن تعلیم پر اجرت لے کر میں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ اس وقت ہندوستان کے مادی فاتح نے ایک پاک باز عالم کے اخلاق اور روحانی ہتھیار کے ایک ہی ضرب کے سامنے اپنی شکست تسلیم کر لی اور یوں ایک سچے مسلمان عالم نے ایک غیر مذہب عالم کے دل پر اسلام کی بلندیٔ اخلاق کا سکہ بٹھا دیا اور اسلام کے نام کو چار چاند لگا دیئے۔

اس اخلاقی بلندی اور اعلیٰ کردار کا مقابلہ ہمارے اس آخری زمانے کی دانش فروشی سے کیجیے کہ ہمارے بڑے بڑے علامۂ زمان اور چیچ العلما نے اپنی علمی لیاقت اور ذہانت کو نیلام پر چڑھا رکھا ہے کہ جو زیادہ بولی دے گا اسی کے ہاتھ فروخت کر دیں گے۔ اگر کوئی اسلامی ادارہ سو (۱۰۰) دے رہا ہے اور کسی نصرانی، یہودی، ہندو اور سکھ ادارے نے ایک سو پانچ (۱۰۵) لگا دیئے۔ بس اسی کے ہاتھ بک جائیں گے۔ مناسبتِ موضوع اور ذوقِ طبع کی بھی

کوئی شرط نہیں۔ محکمۂ تعلیم کا آدمی ترقی پر پولیس اور محکمہ صیغہ سی آئی ڈی یا کسی غیر مسلم سیاسی فوجی محکمے کی طرف بطیبِ خاطر منتقل ہوسکتا ہے۔ ایک مسلمان شاعر جس کی ولولہ انگیز اسلامی نظمیں مسلمان نوجوانوں کے سینوں میں اسلامی حمیت اور قومی جذبات کا طوفان برپا کردیتی ہیں۔ بہ آسانی ممکن ہے کہ کل وہ اسی روانی کے ساتھ فوجی بھرتی کے لیے نظمیں لکھنے لگے اور اس کی نظمیں مسلم نوجوانوں کو طاغوت کے جھنڈے تلے لڑنے اور جان دینے کے لیے میدانِ جنگ میں پہنچادیں۔

آج اسلام اور دین اس لیے خوار اور بے وقعت نظر آتا ہے کہ علمائے سُوء یعنی بے عمل علما اس کے علم بردار اور مبلغ بنے ہوئے ہیں۔ جن کی نیت صاف نہیں ہے اور دنیوی طمع ولالچ اور سیاسی علو اقتدار ان کا مطلوب اور مقصود ہے۔ ان کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ گو وہ اپنی تقریروں کو مبالغہ آمیز، دلچسپ قصوں، کہانیوں اور دل آویز نغموں سے دل کش بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی کشش اور دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر ان کی غرض وغایت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی اشاعت وتبلیغ ہوتی تو وہ ضرور خالق اور مخلوق ہر دو کی نظروں میں مقبول ومنظور ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ مردانِ خدا یعنی اولیاء اللہ کی دنیا میں اور بعد ازمرگ بھی عزت اور توقیر قائم رہتی ہے۔ ان کی خاک چومی جاتی ہے اور ان کے مزاروں پر لوگ پروانوں کی طرح گرتے ہیں۔ اور ان کی تصانیف اور ملفوظات کا قیامت تک اثر ہوتا ہے۔ اور لوگ اسے سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انبیائے مرسلین اور اولیائے کاملین کے پاس علم کا مغز اور مخ ہوتا ہے اور علمائے بے عمل کے پاس علم کا محض خشک بے لذت چھلکا ہوتا ہے۔ اس لیے سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ علمِ روحانیت اور تصوف کا ایک شعبہ ہونا چاہیے اور اس کے لیے اصلی روحانی علما اور کامل فقرا کی خدمات حاصل ہونی چاہئیں۔ ظاہری علمِ شریعت اور کسبی علمِ روایت تو ظاہری علما سے کسی طور پر حاصل ہوجاتا ہے۔ لیکن علمِ تصدیق اور علمِ ہدایت کتابوں کے کاغذی دفینوں اور ظاہری کسبی عاملوں کی زبانی تقریروں سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ علمائے عاملین اور فقرائے کاملین کے سینوں سے سینوں میں بطورِ نظر وتوجہ منتقل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے مرسلین اور اولیائے کاملین کو نہ صرف زبانی باتیں، قصے کہانیاں اور قیل و

قال ہی عطا کیا تھا بلکہ انہیں نورِ نبوت والہام، روحانی طاقت، معجزات وکرامات اور علمِ تسخیر و دعوات سے بھی آراستہ وپیراستہ فرمایا تھا۔ اور انہیں علمِ تسخیرات اور حاضرات کے ذریعے جن، ملائکہ اور ارواح پر حکومت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ انبیا اور اولیا خالی اہلِ قیل وقال و اہلِ شنید نہیں ہوتے بلکہ صاحبِ حال اور دید، اہلِ رسید اور اہلِ یافت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس توریت کی صرف خالی روایتی تختیاں نہیں تھیں جنہیں وہ زبانی طور پر بنی اسرائیل کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے جنہیں وہ سن کر ہدایت پاتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (بنی اسرآئیل ۱۷ : ۱۰۱) یعنی نو قسم کے باطنی علوم اور روحانی طاقتیں بھی انہیں عطا فرمائی تھیں۔ جن میں سے ایک عصا اور دوم یدِ بیضا دو مشہور نوری ہتھیار تھے۔ جنہیں موسیٰ علیہ السلام وقتاً فوقتاً گمراہ خلقت کی ہدایت اور بدخواہ مخالفین یعنی کفار اور مشرکین کی تباہی اور ہلاکت کے نازک موقعوں پر استعمال کیا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا اصلی سرمایہ اور آپ کی نبوت کے نوری نیزے، باطنی تلواریں اور روحانی تیر وکمان قدرت کے یہی غیبی سامان اور ہتھیار تھے جن کے ذریعے فرعون اور اس کی جرار فوج کو آپ کی عصائے چوبی کی ایک ضرب نے دریائے نیل کی خوفناک لہروں کے حوالے آب وگل میں تہس نہس کر ڈالا۔ انہی باطنی ہتھیاروں کے بل بوتے پر آپ نے قارون جیسے زبردست سرمایہ دار کو قعرِ مذلّت میں گرا کر برباد کردیا۔ سامری کے سحرِ گوسالہ سازی کا ستیاناس کردیا۔ انہی کی بدولت من وسلویٰ آسمان سے نازل ہوتے تھے۔ خشک پتھروں اور جامد چٹانوں سے پانی کے چشمے ابل پڑتے تھے۔ کڑکڑاتی دھوپ میں سایہ کرنے کے لیے بادل ساتھ ساتھ چلتے۔ اور اسی طرح کے بہتیرے قدرت کے کرشمے آپ کے ہاتھ پر نمودار ہوتے۔ جنہیں دیکھ کر بنی اسرائیل جیسی جاہل، گمراہ اور سرکش قوم ایمان لائے ہوئے تھی۔ توریت کے خالی کاغذی انبار تو بعد کے یہودی علما کے پاس بھی موجود تھے۔ اگر انہی کی بدولت وہ وارثِ انبیا تھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآنِ کریم میں كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ (الجمعۃ ۶۲ : ۵) کے خطاب پر عتاب سے کیوں خطاب فرما کر انہیں ایسے گدھوں سے تشبیہہ دی ہے جن کی پیٹھ پر خالی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ غرض انبیا علیہم السلام کی وراثت صرف کاغذی، روایتی اور زبانی کسبی علم نہیں بلکہ وہ باطنی نوری حضوری علم

اور روحانی طاقت ہے جو انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کو بلا واسطہ وہبی طور پر اللہ تعالیٰ سے عطا ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ○ (الکھف ۱۸ : ۶۵)۔ یعنی ہم نے انہیں اپنی طرف سے بے واسطہ باطنی علم عطا کیا تھا۔ یہی وہ اصلی وراثت ہے جو انبیا علیہم السلام کے حقیقی وارثوں اور جانشینوں یعنی علمائے عاملین اور فقرائے کاملین اور صدیقین و صالحین کی طرف منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔ ظاہری کسبی علم کی مثال چراغ کی سی ہے جو تیل، بتی وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ لیکن باطنی علوم اور روحانی طاقت اور نوری حضوری کمالات کی مثال اس برقی رو کی سی ہے کہ ایک پاور ہاؤس سے روشنی، آواز اور برقی طاقت ہزاروں گھروں کے اندر صرف بٹن دبانے سے ایک دم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ باطنی علم اور روحانی طاقت توجہ اور نگاہ سے بلا واسطہ ایک دم میں ایک مرشدِ کامل کے سینے سے ہزار ہا طالبوں کے سینوں کے اندر طرفۃ العین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جامی صاحبؒ نے اسی علم کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

جامی کہ فیض از دو سہ پیمانہ در و یافت ترسم کہ شیخِ شہر نیا بد بصد چلہ

اور مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

آں چہ بہ تبریز یافت یک نظر از شمسِ دینؒ طعنہ زند بردہ و تسخرہ کند بر چلہ

(یعنی جو باطنی فیوضات اور روحانی برکات ہم نے اپنے پیر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کی ایک نظر اور توجہ سے پائیں وہ دس دن کے اعتکاف اور چالیس دن کے چلّوں پر طعنے اور مسخرے کرتے ہیں۔) سو جب کسی کامل انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ہدایت پر مامور فرماتا ہے تو اسے اپنی قدرت کے غیبی نوری خزانوں پر مطلع فرما کر بلا واسطہ اپنے پاس سے باطنی علوم اور روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے اور اسے اپنی طرف سے جن، ملائکہ اور ارواح پر باطنی حکومت عطا فرماتا ہے۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی باطنی سلطنت کا حال پہلے بیان کیا گیا ہے۔ سو جس طرح ظاہری بادشاہ کے پاس ظاہری سلطنت اور حکومت چلانے کے لیے سونے، چاندی اور زر و جواہر کے خزانوں کی ضرورت ہوتی ہے جن سے زندگی کے جملہ لوازمات خریدے جاتے ہیں۔ جب بادشاہ اور حاکمِ وقت کے پاس اس قسم کا خزانہ بافراط جمع ہو جاتا ہے اور وہ دارالضرب کا مالک ہو جاتا ہے اور اپنے علاقے میں اس

کے نام کا سکّہ رائج ہو جاتا ہے تو طوعاً و کرہاً ایک جہان اس کا تابعِ فرمان ملازم، نوکر، خادم اور تابع دار بن جاتا ہے۔ اور تمام لوگ اپنے پیٹ کی خاطر اس کے خدمتگار اور ملازم بننے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ سوا سے دو قسم کے ملازم اور نوکر رکھنے پڑتے ہیں: ایک سول لائن کے ملازم اور نوکر ہوتے ہیں جن سے ہر قسم کے ملکی اور انتظامی کاروبار میں مدد لی جاتی ہے، دوم ملٹری اور فوجی مد کے سپاہی اور عسکری نوکر ہوتے ہیں جن سے ملک اور حکومت کے دشمنوں اور مخالفوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ بعینہٖ جب کسی کامل انسان مثلاً کسی ولی یا نبی کو اللہ تعالیٰ باطنی بادشاہی عطا فرماتا ہے تو اسے نیک اعمال، ذکر فکر اور دعوت کی باطنی دولت یعنی روحانی زر و جواہر کے باطنی لطیف غیبی خزانے عنایت فرماتا ہے۔ یعنی کامل انسان کے نیک اعمال، طاعت، عبادت، ذکر، فکر، تلاوت اور دعوت وغیرہ سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی غیبی لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ، اور ارواح کی غذا اور خوراک ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ (فاطر ۳۵ : ۱۰)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں پاک کلمات (کے انوار) اور اعمالِ صالح (کے انوار) اس کی طرف بلند ہوتے ہیں۔

نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کی تلاوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ فرشتوں اور ملائکہ کی غذا ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آں حضرت صلعم نے فرمایا: اِذَا مَرَرۡتُمۡ بِرِيَاضِ الۡجَنَّةِ فَارۡتَعُوۡا فِيۡهَا ۔ ''جب کبھی تمہارا باغِ جنت کی جانب گذر ہو تو اس میں چرنے لگ جایا کرو''۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا حضرت! وہ جنت کا باغ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا حَلۡقَةُ الذِّكۡرِ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حلقے۔ سو معلوم ہو گیا کہ مؤمنوں کے باطنی نفوس، قلوب اور ارواح کی غذا بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر کا نور ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ؕ (الرعد ۱۳ : ۲۸)۔ یعنی محض اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب سیر ہوتے ہیں اور انہیں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ نہیں دیکھتے کہ بھوک اور پیاس سے انسان پریشان خاطر اور بے قرار ہوتا ہے۔ اور جب اسے کھانا پینا مل جاتا ہے تو وہ ہر طرح سے خاطر جمع اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ نیز ارشادِ ربّانی ہے کہ وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲۴)۔ جو ہمارے ذکر سے اعراض اور کنارہ کرتا ہے اس کی معیشت اور روزی

تنگ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر، فکر اور تلاوت وغیرہ چونکہ باطنی غذا اور اس کا حصول روحانی معیشت اور روزی ہے لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض اور کنارہ کرے گا اس کی روزی ضرور تنگ ہو جائے گی۔ ورنہ ویسے ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر سے اعراض اور کنارہ کرنے والے دنیا دار اور مالدار لوگ دیکھے جاتے ہیں اور ان کی ظاہری روزی اور معیشت کشادہ اور فراخ ہوا کرتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض اور کنارہ کرنے سے دنیا کی ظاہری تنگی لاحق ہوتی تو دنیا میں اللہ اللہ کرنے والے ہی دولت مند اور آسودہ حال نظر آتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل لوگ دنیا میں مفلس نظر آتے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے کلامِ حق نظام میں سخت اشکال پیدا ہوتا ہے۔

دیگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی رزق کا قرآن مجید میں دو مختلف جگہ ذکر فرمایا ہے: وَمَامِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھود ۱۱:۶) ۔یعنی نہیں ہے کوئی جانور روئے زمین پر مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جنہیں بلا امتیاز حیوان کہا گیا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ (الذّٰریٰت ۵۱:۲۲) ۔یعنی تم اہلِ ایمان انسانوں کا رزق آسمان میں ہے اور یہ وہ نوری حضوری آسمانی رزق ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے کہ بہشت میں تمہیں ملا کرے گا۔ اس باطنی رزق کو اس واسطے آسمانی رزق کہا گیا ہے کہ وہ کلماتِ طیّبات اور اعمالِ صالحات کی صورت میں آسمان کی طرف نوری صورت میں چڑھتا ہے اور وہاں اہلِ آسمان ملائکہ اور ارواح کی غذا بنتا ہے۔ ان مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے ایک سلیم العقل مصنف مزاج آدمی ان دو قسم کے ظاہری اور باطنی طعام اور غذا کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور ذہن نشین کر سکتا ہے۔ جب کبھی اہلِ زمین اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر، طاعت، عبادت اور نیک اعمال کی ادائیگی میں سست، کاہل اور غافل ہو جاتے ہیں اور ان کے نیک اعمال کا نور آسمان کی طرف نہیں چڑھتا تو اہلِ آسمان میں قحط رونما ہو جاتا ہے۔ اور وہ صفیں اور پرے بنا کر بطور نمازِ استسقاء دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ اہلِ زمین کو ذکر، فکر، نیکی اور عبادت کی توفیق دے تا کہ ان کی عبادت اور نیکی کا نور آسمان پر برسے اور ہماری غذا بنے۔ علاوہ اس کے روزمرہ صدقِ دل سے اللہ اللہ کرنے والوں کو بخوبی معلوم

ہو سکتا ہے کہ کس طرح اللہ اللہ کرنے سے دل کو باطنی غذا پہنچتی ہے اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے نور سے معمور اور سیراب ہوتے ہیں۔ یہ بات تو عام طور پر اللہ اللہ کرنے والے بھی معلوم کر لیتے ہیں کہ انسان جس روز حسبِ معمول اللہ تعالیٰ کے ذکر کا وظیفہ ادا کرتا ہے تو اس روز دل بے وجہ خوش و خرم اور بے واسطہ ہشاش بشاش رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ظاہری حواس بھی روشن اور منور ہوتے ہیں۔ دل میں صبر و سکون اور ایک گونہ اطمینان رہتا ہے۔ اگر گھر میں ظاہری طور پر کچھ نقدی اور مال نہ بھی ہو تب بھی دل ایسا مطمئن ہوتا ہے گویا سب کچھ موجود ہے اور کسی قسم کی پریشانی اور بے قراری لاحق نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے برخلاف جس روز انسان کے اپنے روزمرہ کے وظائف، عبادات اور ذکر و فکر کا ناغہ ہو جاتا ہے اس روز طبیعت بے وجہ پریشان، دل پژمردہ اور زندگی بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ دل کو ایک قسم کی تنگی اور پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مال اور دولت کے ہوتے ہوئے دل میں حرص اور بے صبری آ جاتی ہے۔ دنیا کی تمام فضا بے مزہ اور بے رونق معلوم ہوتی ہے۔ دل کمزور اور طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے۔ یہ بات عام ذکر فکر کرنے والوں کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خواص جن کے ذکر فکر اور عبادت میں کمال درجے کا صدق اور اخلاص ہوتا ہے اور ان کے ذکر، فکر اور عبادت سے بہ کثرت نور پیدا ہوتا ہے وہ اس باطنی غذا کو ظاہری اور مادی غذا کی طرح معلوم اور محسوس کرتے ہیں اور ان کے بطنِ باطن کو اس طرح ذکر فکر سے پُری اور سیری معلوم ہوتی ہے جس طرح وہ ظاہر غذا سے سیر اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ذکر سے بہ افراط نور پیدا ہوتا ہے اور وہ نور ان کی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ جنات، ملائکہ اور ارواح کو اپنے پاس آتے اور اپنی مخصوص باطنی غذا پاتے دیکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی مومن قرآن پڑھنے والا اہلِ دعوت کسی اہلِ قبر کے پاس سے گذرتا ہے تو اہلِ قبر روحانی اس کے قرآن کی بُو پا کر اپنی قبر سے اس طرح سر نکال کر جھانکتا ہے اور ثواب، فاتحہ اور تلاوتِ قرآن پاک کی آرزو اور التجا کرتا ہے۔ جس طرح چڑیا کا بچہ اپنی ماں کی آواز سن کر اپنے گھونسلے سے سر نکال کر چوں چوں کرتا ہے اور دانہ دنکا لینے کے لیے منہ پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے۔

اس فقیر کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ یہ فقیر اپنے والد صاحب کے ہمراہ سفر پر جا رہا

تھا۔ ان دنوں ہمارے وطن میں موٹر لاریوں کا رواج نہیں تھا۔ ہم اپنے شہر کلاچی سے ڈیرہ اسماعیل خاں کی طرف اونٹوں پر جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ والد صاحب اگلے اونٹ پر کجاوے میں سوار تھے اور میں پچھلے اونٹ پر کجاوے میں اونگھ رہا تھا۔ میں نے اس غنودگی کی حالت میں دیکھا کہ والد صاحب کجاوے سے اتر پڑے ہیں۔ ان کے پاس چادر میں کچھ شیرینی ہے۔ سڑک کے قریب کچھ لوگ جمع بیٹھے ہیں۔ مجھے کچھ تعجب سا ہوا کہ اس اندھیری رات میں سڑک کے کنارے یہ لوگ کہاں سے آ گئے ہیں اور والد صاحب کو ان کے درمیان شیرینی تقسیم کرنے کی کیا سوجھی ہے۔ اس حالتِ حیرت میں میری آنکھ کھلی اور میں نے دیکھا کہ ہمارے اونٹ ایک گورستان آبا شہید کے پاس سے گذر رہے ہیں جو کلاچی اور ڈیرہ کے درمیان واقع ہے۔ اور والد صاحب اس وقت ہاتھ اُٹھائے فاتحہ وغیرہ پڑھ کر ان اہلِ قبور کو بخش رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ سڑک کے کنارے جو لوگ مجھے بیٹھے نظر آئے وہ اس گورستان کے اہلِ قبور روحانی لوگ تھے اور والد صاحب جو شیرینی ان کے درمیان تقسیم کرتے نظر آ رہے تھے وہ اس فاتحہ اور کلام کی باطنی غذائی صورت تھی جو اس وقت مجھے خواب میں نظر آ رہی تھی۔ غرض اس قسم کے واقعات اور مشاہدات بے شمار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، تلاوت، عبادت، صدقات، اور خیرات وغیرہ کا نور جن، ملائکہ اور ارواح کی غذا بن جاتا ہے اور وہ اس غذا سے بہت خوش اور محظوظ ہوتے ہیں۔ اور غذا پہنچانے والے کے ہر طرح سے مُمدّ، معاون، مددگار ملازم اور خدمت گار بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ باطن میں اس کے نوری لنگر کے وظیفہ خوار ہوتے ہیں۔

سو اہلِ دعوت کامل سالک کو جب باطنی حکومت حاصل ہوتی ہے تو اس کے ارد گرد چار قسم کے لطیف غیبی مؤکلات بطور چوکیدار اور معاون و مددگار لگے رہتے ہیں: اوّل مسلمان جن، دوم ملائکہ اور فرشتے مؤکلات، سوم ارواحِ شہداء، چہارم ارواح پاک طیبہ انبیا و اولیاء اللہ۔

انسان کے اندر مختلف باطنی لطیف جیسے مغز در مغز اور پوست بر پوست واقع ہیں۔ جیسا کہ دودھ کے اندر مکھن اور مکھن کے اندر گھی ہوتا ہے۔ اور انسان کے اس خام بیضۂ عنصری کے اندر نفس کا ناسوتی لطیفہ اس طرح زندہ ہوتا ہے جس طرح انڈے کے اندر بچہ نمودار ہوتا ہے۔ لطیفۂ قلب میں لطیفۂ روح اور پھر لطیفۂ سرّ وغیرہ سات لطائف پیدا ہوتے ہیں

اور یہ لطائف اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، تلاوت، عبادت، اطاعت، نیک اعمال اور مرشد کامل کی توجہ سے یکے بعد دیگرے زندہ اور بیدار ہوتے ہیں۔ اور سالک ہر لطیفے سے اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر اور دعوت وغیرہ میں مشغول ہوتا ہے اور اسی طرح ترقی کرتا ہے۔ سو جس وقت سالک لطیفۂ نفس سے دعوت شروع کرتا ہے اور یہ لطیفہ چونکہ مقام ناسوت میں واقع ہے اور جن، شیاطین اور سفلی ارواح اسی مقام میں رہتی ہیں اس لیے دعوتِ لطیفۂ نفس کے وقت سالک کے پاس غیبی لطیف مخلوق میں سے جن حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کی دعوت سے جنات اور سفلی ارواح کی غذا پیدا ہوتی ہے اور وہ مطیع اور فرماں بردار ہوتے ہیں۔ ان ناری مخلوقات کی تسخیر اور حاضرات کے دوران اہلِ دعوت کو سخت مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ باطن میں ہر وقت ان سے آسیب اور آزار پہنچنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اہلِ دعوت کو ہمہ وقت باوضو، صاحبِ احتیاط اور باحصار رہنا پڑتا ہے۔ تھوڑی سی بے احتیاطی اہلِ دعوت کے لیے ایک لازوال مصیبت اور رجعت کا موجب بن جاتی ہے۔ جس کا انسداد اور ازالہ بعد میں بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بہت لوگ جب تسخیرِ جنات کے عمل کے لیے خلوت اور چلے اختیار کر لیتے ہیں تو وہ چونکہ کسی عامل کامل کی طرف سے مامور اور ماذون نہیں ہوتے اور علمِ دعوت کے قواعد اور قوانین سے جاہل اور ناواقف ہوتے ہیں اور پڑھنے میں بھی ناقص ہوتے ہیں اور کسی عامل کامل کی نگرانی اور سرپرستی کے بغیر عملِ تسخیر میں قدم رکھتے ہیں۔ لہٰذا مؤکل ایسی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو بہت جلدی اور آسانی سے شکار کر لیتے ہیں۔ اکثر اس قسم کے ناقص خام ناتمام طالب دورانِ عمل میں دیوانے اور مجنون ہو جاتے ہیں۔ بعض لاعلاج امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بعض قسم قسم کی تنگیوں اور پریشانیوں میں گرفتار ہو کر عمر بھر کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں۔ اس لیے طالب کو چاہیے کہ جب تک وہ پہلے اپنے وجود کو تصور اسم اللّٰہ ذات سے پختہ نہ کر لے اور پڑھنے کے قابل نہ ہو جائے اور کسی عامل کی اجازت حاصل نہ کر لے ہرگز ہرگز عملِ تسخیرِ جنات کا قصد اور ارادہ نہ کرے۔ بعض طالب ہر دو امر یعنی پڑھنے اور اجازت میں ناقص ہوتے ہیں۔ بعض پڑھنے میں قابل لیکن اجازت میں ناقص ہوتے ہیں۔ بعض اجازت میں کامل لیکن پڑھنے میں ناقص ہوتے ہیں۔ عملِ تسخیر اس وقت تکمیل کو پہنچتا ہے جس وقت طالب پڑھنے اور اجازت ہر دو میں کامل اور قابل

ہو۔ پڑھنے میں قابل اور اجازت میں ناقص کی یوں مثال ہے کہ گویا ایک شخص بندوق چلانے میں ماہر ہے لیکن اس کے پاس لائسنس نہیں۔ اور اجازت میں کامل اور پڑھنے میں ناقص کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کے پاس لائسنس تو ہے لیکن وہ بندوق چلانے میں ماہر نہیں ہے۔ ہم نے بہت طالبوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ خلوت میں عملِ تسخیر کے لیے داخل ہوتے ہیں تو انہیں ابتدا میں کچھ فائدہ اور اثر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں خواب یا مراقبے کے اندر انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار بندوق وغیرہ ہے اور انہیں خواب میں کوئی سپاہی قسم کا آدمی ملتا ہے اور ان سے بندوق چھین لیتا ہے اور ڈانٹتا ہے کہ تم کیوں بغیر لائسنس بندوق چلاتے ہو۔ اور خواب میں انہیں مع اسلحہ گرفتار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ فوراً رجعت اور رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عالمِ جنونیت کی رجعتیں بے شمار ہیں۔ بعض ناقص طالب بیمار ہو جاتے ہیں اور پشتوں تک جنونیت کا آسیب اور آزار چلا جاتا ہے۔

جنات کی دعوت کے وقت مکان میں نیم اندھیرا ہونا چاہیے۔ خوشبو اور بخور بھی مفید ہے۔ جنات کی حاضرات کے وقت ایک قسم کی بدبو جو گندھک کے جلنے کے مشابہ ہوتی ہے اہلِ دعوت کی ناک میں آنے لگتی اور ساتھ ساتھ تھوڑی سی وحشت اور ہیبت کلام پڑھنے والے کے دل پر چھانے لگتی ہے (کبھی آس پاس کچھ کھڑک اور چوٹ کی سی آوازیں آنے لگتی ہیں) سوتے میں جن وغیرہ سینے پر سوار ہو جاتے ہیں جس سے بیدار ہونے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور کابوس یعنی (NIGHTMARE) کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کان کی لو یا انگلی یا جسم کا کوئی حصہ جنات کی چھوت اور مس سے جل اٹھتا ہے۔ کبھی خواب میں ان مؤکلات کی طرف سے ڈانٹ، للکار اور سخت مہیب آواز کان میں سنائی دیتی ہے جس سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی جن مؤکلات اپنے ہمراہ اہلِ دعوت کو دور دراز سفر پر خواب میں لیے پھرتے ہیں اور نئے نئے عجیب ملکوں اور ان دیکھے مقامات کی سیر کراتے ہیں۔ گاہے ڈراؤنے مہیب خواب دکھاتے ہیں۔ اگر مرشدِ کامل جلدی طالب کو اس خطرناک منزل سے نہ نکالے اور راہِ نجات نہ دکھائے تو طالب مدتِ دراز تک ان موذیوں کے اس بُرے بکھیڑوں اور سخت الجھنوں میں پھنسا رہتا اور بطور ''نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن'' اس کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ یہ تو اس راستے کی مشکلات اور مصائب ہیں

جو خام ناقص طالبوں کو پیش آتی ہیں جیسا کہ ضربُ المثل ہے کہ ''جائے کہ گنج است آنجا مار است''۔ لیکن طالب کامل کو اس راستے میں بے شمار فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض طالبوں کو کشفِ جنونی حاصل ہو جاتا ہے اور جن اسے آئندہ کے واقعات اور غیب کی خبریں بتانے لگ جاتے ہیں۔ بعض کو سلبِ امراض کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب وہ مریض پر ہاتھ پھیرتے یا دم کرتے ہیں تو مریض فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے عامل کا تعویذ، دھاگہ اور دم درود خوب چلتا ہے۔ جنات لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ان کے پاس مریض کر کے لاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں شفایاب ہو کر جاتے ہیں۔ بعض عاملوں کو جنات پر روزینہ مقرر ہو جاتا ہے اور جن عامل کے پاس نقدی وغیرہ لاتے ہیں جس سے عامل مستغنی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس منزل کو کوئی منتہی عامل پہنچتا ہے۔ بعض عاملوں کو آسیب زدہ لوگوں سے جن اتارنے کا ڈھنگ آ جاتا ہے۔ یعنی جب کسی آسیب زدہ شخص کو ان کے پاس لایا جاتا ہے تو اگر آسیب زدہ شخص پر اس کا کوئی اپنا آشنا اور مطیع جن مسلط ہوتا ہے تو اس کے دم تعویذ سے فوراً نکل جاتا ہے اور اگر آسیب زدہ شخص پر کوئی اجنبی جن مسلط ہوتا ہے تو اسے نکالنے کے لیے عامل کلام پڑھ کر اپنا کوئی جن بلا کر حاضر کرتا ہے۔ اور اگر آسیب زدہ کا مسلط جن غالب ہے تو عامل کو اس سے قوی تر جن بلانے اور اس کے ذریعے اسے نکالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر عامل کے تمام بلائے ہوئے جنات مریض کے مسلط جن پر غالب نہیں آ سکتے اور اسے نکالنے اور اتارنے پر قادر نہیں ہو سکتے تو جن بدستور مریض پر مسلط رہتا ہے بلکہ بعض اوقات عامل پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور اسے نقصان پہنچا دیتا ہے۔

جنات کی مختلف قسمیں ہیں اور ان کے آسیب اور آزار بھی مختلف ہوتے ہیں۔ غرض جن کو اور اس کے آزار اور آسیب کو کسی دوسرے جن کے ذریعے اتارا اور زائل کیا جا سکتا ہے۔ انسان کا مادی ہاتھ اس کے لطیف غیبی وجود تک نہیں پہنچ سکتا۔ جنات کے ذریعے بعض وعداوت اور تسخیر و محبت کے عمل کیے جاتے ہیں۔ لوگوں کو غیبی طور پر دکھ سکھ پہنچاتے ہیں۔ زمین پر طیر سیر کرتے ہیں۔ ہوا میں اڑتے ہیں، پانی پر تیرتے ہیں، آگ میں داخل ہوتے ہیں اور انہیں ضرر نہیں پہنچتا۔ ہندوستان، بنگال، تبت اور چین میں اس قسم کے سفلی عامل بے شمار پائے جاتے ہیں۔ یورپ کے سپر چولسٹس نے بھی اسی سفلی عمل کو اپنایا ہے اور اسی میں

مبتلا ہیں۔ اسلامی تصوف کے کامل عارف شہبازِ انِ قدس کے نزدیک ان عاملوں کی حیثیت مکھیوں اور پروانوں کی سی ہے۔ جیسا کہ حضرت جنید بغدادی صاحبؒ کا قول ہے: اِذَا رَأَیْتَ رَجُلاً یَطِیْرُ فِی الْهَوَآءِ اَوْ یَمْشِیْ عَلَی الْمَآءِ وَیَاکُلُ النَّارِ وَتَرَکَ سُنَّةً مِّنْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلْعَمْ فَاضْرِبْهُ بِالنَّعْلَیْنِ فَاِنَّهُ شَیْطَان" وَّ مَا صَدَرَ مِنْهُ فَهُوَ مَکْر" وَّ اِسْتِدْرَاج"۔ (ترجمہ) ''جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ ہوا میں اڑتا ہے اور پانی پر چلتا ہے اور آگ کھاتا ہے۔ درآں حالیکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنّت کا تارک ہو تو اسے جوتوں سے مار کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ اور جو کچھ اس سے صادر ہو رہا ہے وہ مکر اور استدراج ہے۔'' کسی نے فارسی میں اس کا یوں ترجمہ کیا ہے:

مردِ درویش بے شریعت اگر — پرد بر ہوا مگس باشد
در چو کشتی روان شود بر آب — اعتمادش مکُن کہ خس باشد

جنات کے ظہور کا مخصوص وقت غروبِ آفتاب یعنی شام سے لیکر نصف رات تک ہے۔ ہمارے ہاں تمام غیبی مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات کا سب سے بھاری ذریعہ اور وسیلہ قرآن مجید کی دعوت اور تلاوت ہے۔ جس وقت سالک زبانِ نفس سے دعوت شروع کرتا ہے تو عالمِ غیب میں سے جنّات اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اس سے قُوت اور قوّت پاتے ہیں اور اس کے وظیفہ خوار اور خدمت گار بن جاتے ہیں۔ اس وقت اگر سالک جنات کا عامل ہو کر اسی کو منزلِ مقصود سمجھ لے اور اسی پر غرہ ہو کر سفلی دکان کھول بیٹھے تو (آگے ترقی کرنے سے رہ جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب و وصال سے محروم رہ جاتا ہے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ دعوت پڑھنے کے وقت اہلِ دعوت کے پاس جن، ملائکہ اور ارواح حاضر ہوتے ہیں اور جس قدر پاک اور لطیف زبان سے کلامِ الٰہی پڑھا جائے اتنا ہی زیادہ اس سے نور پیدا ہوتا ہے اور جس قدر زیادہ نور پیدا ہوتا ہے اتنے زیادہ لطیف باطنی مؤکلات اس نور کو حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس لطیف غذا سے قُوت اور قوت پاتے ہیں۔ چنانچہ زبانِ عنصری یعنی گوشت کی ظاہری زبان سے نفس کی زبان زیادہ لطیف اور پاک ہے۔ جس وقت اہلِ دعوت نفس کی زبان سے قرآن شریف پڑھتا ہے تو

اس وقت اس سے ایک قسم کا نور پیدا ہوتا ہے جو جنات کی غذا بنتا ہے۔ اور ایسے دعوت کے پڑھنے والے کے پاس جنات حاضر ہوتے ہیں اور اس سے قُوت حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ آں حضرت ﷺ کے پاس ایک دفعہ قرآن کی تلاوت فرماتے وقت جنّات حاضر ہوئے تھے۔ زبانِ نفس سے زیادہ پاک، طیب، طاہر اور لطیف زبان قلب کی ہے۔ اور جب طالب زبانِ قلب سے دعوت پڑھتا ہے تو اس دعوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ ملائکہ اور فرشتوں کی غذا بنتا ہے اور ایسے سالک اہلِ دعوت کے اس نورِ تلاوت کے لینے کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ پاک لطیف زبان روح کی ہے۔ زبانِ روح کی تلاوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ چونکہ ارواح کی غذا ہے لہٰذا اس کے لینے کے لیے ارواح حاضر ہوتی ہیں اور اس سے قُوت حاصل کرتی ہیں۔ عوام کالانعام جو محض گوشت پوست کا ایک ڈھانچہ ہوتے ہیں اور اس عنصری مادی زبان یعنی گوشت کی بوٹی کے سوا اور کسی چیز کو نہیں جانتے انہیں ان باطنی لطیف زبانوں اور ان سے پیدا شدہ انوار اور ان انوار کو غذا بنانے والے مؤکلات کا قائل کرانا ایک نہایت مشکل اور تقریباً محال کام ہے۔ کیوں کہ جس وقت اس ظاہری عنصری زبان یعنی گوشت کی بوٹی سے اللہ تعالیٰ کا پاک غیر مخلوق کلام پڑھا جاتا ہے اور چونکہ یہی زبان جھوٹ، لغویات، شکایات اور طرح طرح کے کفریات سے آلودہ رہتی ہے اس واسطے بسبب عدم جنسیت و توافق اس تلاوت سے کچھ نور نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن بعض دفعہ اہلِ دعوت کی زبانِ عنصری کے ساتھ ساتھ زبانِ نفس بھی دعوت میں شامل ہو جاتی ہے۔ اس وقت دعوت اور تلاوت سے کچھ نور پیدا ہونے لگتا ہے اور جب نفس کا لطیفہ باطن میں مزکیٰ ہو کر زندہ ہو جاتا ہے تو اس وقت نفس کی زبان پورے طور پر کلام اللہ پر گویا ہو جاتی ہے اور اس سے کافی نور پیدا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اہلِ دعوت کے پاس جنّات حاضر ہوتے ہیں اور اس سے قُوت حاصل کرتے ہیں۔ نیز یاد رہے کہ نفس کا معنوی طفل جسمِ عنصری کے مادر جثۂ کثیف سے اس طرح کلام، دعوت اور تلاوت اخذ کرتا رہتا ہے جس طرح ماں اور دایہ کے تکرار اور کثرتِ کلام سے بچہ بولنے لگ جاتا ہے اور گاہے مادر جثۂ کثیف کے ساتھ ساتھ طفلِ معنوی لطیف دعوت میں شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن پڑھنے والا اس بات کو معلوم نہیں کرتا۔ گاہے بیداری میں جب جثۂ کثیف سے دعوت شروع کرتا ہے تو خواب میں یا

مراقبے کے اندر اس ذکر اور دعوت کو بچۂ لطیف اختیار کر لیتا ہے۔ غرض جن عارف سالک لوگوں کے لطائف ذکر اللہ سے زندہ بیدار ہو کر دعوت میں شریک ہو جاتے ہیں تو ایسی دعوت سے ضرور نور پیدا ہوتا ہے۔ بعض کامل عارف لوگوں کی دعوتِ کلام اللہ سے اس قدر نور پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کے ایک لحظہ دعوت پڑھنے کے انوار کو کسی گورستان کے اہلِ قبور کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو اس گورستان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے انوار کی اس طرح موسلا دھار بارش ہو جاتی ہے کہ ہزاروں اہلِ قبور کی معذّب سڑی جلی خشک کھیتی ایک دم میں سرسبز اور شاداب ہو کر لہلہا اٹھتی ہے کہ یا تو اس گورستان میں ہر قبر جہنم کا گرم ابلتا ہوا تنور تھی یا پل کے پل میں سارا سوختہ سوزاں گورستان بہشتِ بریں کا نمونہ اور مہکتا ہوا گلستان بن جاتا ہے۔ ناظرین کو اس سے تعجب ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے قدیم غیر مخلوق نوری کلام کی عظمت اور شان کو اندھے نفسانی لوگ کیا جانیں جنہیں ناولوں کے فرضی قصوں اور بے ہودہ فحش افسانوں کے پڑھنے سے تو بڑا لطف آتا ہے لیکن قرآن مجید سننے اور پڑھنے سے ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید دل اور روح کی باطنی لطیف غذا ہے اور ان لوگوں کے قلوب اور ارواح یا تو مردہ اور بے حس ہیں یا بیمار اور مریض ہیں۔ اور یہ ایک امرِ مسلّم ہے کہ غذا خواہ کتنی ہی عمدہ اور لذیذ ہو بیمار آدمی کو کڑوی اور بدمزہ معلوم ہوتی ہے۔ نفسانی مردہ دل آدمی گبریلے کی طرح دنیا کی گندگی کا شیدائی اور طالب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے نافہ ہائے مشک اور طلب ہائے عنبریں سے منہ موڑ کر نفسانی ناولوں کی گندگی کی طرف اس لیے دوڑتا ہے کہ پلیدی اور گندگی میں اسے نفسانی اور حیوانی قوّت اور قُوت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے خلاف مشک اور عنبر کی خوشبو اور مہک اس کے لیے موت کا پیغام ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے غیر مخلوق نور کا ایک بحرِ بے پایاں ہے اور تمام دعوتوں سے افضل اور اعلیٰ دعوت تلاوتِ قرآن مجید ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے: اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ تِلَاوَةُ الْقُرْآن۔ یعنی قرآن مجید کی تلاوت تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔

اب ہم تلاوتِ قرآن مجید کے مختلف مراتب اور مدارج بیان کرتے ہیں۔ گو یہ حقائق جو ہم بیان کر رہے ہیں مردہ دل نفسانی لوگوں کے فہم سے بالاتر ہیں۔ چونکہ یہ بالکل صحیح ہیں اس لیے بیان کیے دیتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ ان حقائق سے دوچار

ہو جائے اور اپنی حالت اور کیفیت کو اس کے مطابق پا کر خوش وقت اور مطمئن ہو جائے۔

حضرت سلطان العارفینؒ اپنی کتابوں میں مختلف لطائف کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر سالک ایک دفعہ زبانِ نفس سے یَا اَللّٰہُ کہے جو تمام قرآن مجید کا نعم البدل ہے تو اس کا ثواب اور درجہ ستر ہزار دفعہ اس ظاہری عنصری زبان یعنی گوشت کے لوتھڑے کے ختمِ قرآن کے برابر ہے۔ اور اگر قلب کا لطیفہ ایک دفعہ یَا اَللّٰہُ کہے تو وہ زبانِ نفس سے ستر ہزار دفعہ ختمِ قرآن کے ثواب کے برابر ہے۔ اور اسی طرح لطیفۂ روح و لطیفۂ سِر وغیرہ کو قیاس کر لینا چاہیے۔

اب ہم قرآن کی عظمت، شان اور اس کے نرالے قدیم نور کے خیر و برکت اور ثواب کا کچھ حال بیان کیے دیتے ہیں کہ اگر قرآن مجید نوری زبان سے کماحقہٗ ادا ہو اور اس کا نور، فیض اور برکت اہلِ قبور کو پہنچے تو اس کے نور سے اہلِ قبور کی کیا حالت ہو جاتی ہے اور اسے کس قدر خیر و برکت پہنچتی ہے۔

اس فقیر کی ایک عزیزہ ہمشیرہ تھی جس کا اسمِ گرامی بی بی رابعہ تھا۔ بڑی نیک، عابدہ، پارسا اور سعادت مند لڑکی تھی۔ اس فقیر سے مرحومہ کو کمال درجہ کی محبت تھی۔ نوجوانی کی عمر میں بے چاری مرضِ استسقا کا شکار ہو گئی۔ اس مرض میں ان کا پیٹ، ہاتھ، پاؤں غرض تمام جسم پھول گیا تھا اور ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ ان کے نزع کے آخری وقت میں یہ فقیر ان کے پاس موجود تھا اور اس فقیر نے اس وقت ان کے پاس سورۂ یٰسین پڑھی اور کلمۂ طیب اور کلمۂ شہادت کی تلقین کی۔ چنانچہ اسی کمزور حالت میں ان کا خاتمہ ہوا اور دنیا سے گذر گئیں۔ مجھے ان کی قبر کے اندر برزخی حالات کا بڑا فکر تھا۔ ان کے فوت ہونے کی تیسری رات میں نے باطنی طور پر واقعہ یوں دیکھا کہ میں اپنے خاندانی گورستان کی طرف جو ہمارے گھر کے قریب ہے جا رہا ہوں اور جب میں اس جگہ پہنچا جہاں ہمشیرہ مرحومہ کو دفن کیا گیا تھا تو میں نے اس جگہ کو ایسی حالت میں پایا کہ وہاں ایک ٹوٹا شکستہ مکان ہے اور وہاں ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر ہمشیرہ اُسی بیماری کی حالت میں زرد رنگت اور پھولے ہوئے جسم کے ساتھ زار نزار پڑی ہوئی ہے اور مجھے پکار رہی ہے کہ بھائی جلدی پہنچو میں گھبرا رہی ہوں۔ چنانچہ یہ فقیر جلدی دوڑ کر ان کی چارپائی کے قریب پہنچا اور انہیں تسلی دے کر کہا کہ بہن ڈرو نہیں میں

آن پہنچا ہوں۔ چنانچہ میں ان کی چار پائی کی پائنتی کی جانب بیٹھ گیا اور آیت الکرسی پڑھی اور اس کے بعد سورۂ مزمل شریف پڑھنی شروع کی۔ سورۂ مزمل ختم کرنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ وہ ٹوٹا ہوا مکان ایک عالی شان محل بن گیا ہے اور معمولی چار پائی ایک خوش نما شاندار پلنگ کی شکل میں تبدیل ہوگئی اور ہمشیرہ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک اٹھا۔ اور ان کے اوپر رنگ برنگ اور زرق برق ریشمی اور زربفت کے ملبوس نظر آئے۔ اسی اثنا میں چند روحانی عربی لباس پہنے ہوا میں اڑتے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کر کے واپس چلے گئے۔ اس کے بعد چند اور باطنی حالات اور واقعات پیش آئے۔

یہ واقعہ بیان کرنے سے ناظرین کو محض یہ دکھانا منظور ہے کہ اہلِ قبور روحانیوں کو کامل اہلِ دعوت کی تلاوتِ قرآن اور اس کے نور سے طرفۃ العین میں کیا کچھ فیوضات اور برکات پہنچتی ہیں۔ اس فقیر نے اس قسم کے بے شمار حالات اور واقعات بالکل ہوش وحواس اور عالمِ بیداری میں دیکھے اور آزمائے ہیں۔ کس قدر نادان ہیں مسلمان کہ جب ان کے گھر میں نورِ قرآن کی اس قدر عظیم الشان دولتِ جاوداں موجود ہے اور وہ اس سے غافل اور روگردان ہوکر چند روز کی مادی فانی دنیا کی طلب میں حیران وپریشان اور دن رات رواں دواں ہیں۔ ان کی اس کوتاہ عقل پر صد افسوس ہے۔ وہ آخرت کے ابدی سرمدی ہیرے جواہرات سے منہ موڑ کر بچوں کی طرح فانی دنیا کی کوڑیوں اور ٹھیکریوں سے کھیل رہے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا اور دنیا والے ان سے روٹھ گئے ہیں اور انہیں چھوڑ گئے ہیں وہ کیوں اپنے مولا کی طرف رخ نہیں کرتے جو ہر وقت ان سے یوں مخاطب ہے: عَبْدِیْ تَنَعَّمْ بِیْ وَاْنِسْ بِیْ اَنَاخَیْر'' لَکَ مِنْ کُلِّ مَاسِوَای۔ ''یعنی اے میرے بندے! میرے ساتھ انس حاصل کر اور عیش کر، میں تیرے لیے جملہ ماسوائے نعمتوں سے بہتر ہوں۔''

قرآن کریم ذاتی انوار کا ایک لازوال باطنی پاور ہاؤس ہے جس کی کلیمی تجلی کی ایک کرنٹ نے کوہِ طور کو پاش پاش کر دیا تھا۔ وہی طوفانِ برق باطنی اس کے حروف اور الفاظ کے تاروں میں اب بھی مخفی اور مستور ہے کہ اگر اسے دل اور روح کی پاک زبان کے مضراب سے چھیڑا جائے تو وہی شان پیدا ہو جو اس آیتِ قرآن مجید میں نمایاں ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ط

(الحشر ۵۹ : ۲۱) ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھتا۔''

افسوس ہے ان بد بخت لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے غیر مخلوق نوری کلام کی قدر ومنزلت کو نہیں جانتے۔ یا اس کے پیغمبر ﷺ کی شان میں کمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا مذہب اسلام میں نقص وعیوب نکالتے ہیں۔ ایسا کرنے سے یہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کی قدر وعزت گھٹاتے ہیں۔ ورنہ اگر ہم کہتے ہیں اَللّٰهُ اَکْبَرُ اللہ بہت بڑا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کلام قدیم، اس کا رسول اور اس کا مذہب اسلام بہت بڑی عظمت اور شان والے ہوں۔ دنیا میں آج ایک ہی ایسی آسمانی کتاب موجود ہے جو خود ایک معجزہ ہے اور آفتاب کی طرح خود اپنی صداقت پر شاہد ہے اور جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود بقول وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ (الحجر ۱۵ : ۹) ذمہ لیا ہے۔ جو تواتر سے حرفاً حرفاً اپنے لانے والے کی طرف سے حفظ وتحریر دونوں طریقوں سے بے کم وکاست صحیح طور پر نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ جو اپنی بے مثلی اور یکتائی کا ڈنکے کی چوٹ دعویٰ کرتی ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر مخلوق کلام نہیں ہے تو تمام مخلوق جمع ہوکر اس جیسی ایک سورہ بنا کر لے آئے۔ سو وہ بے مثل اور بے ہمتا غیر مخلوق نوری قدیم کلام قرآن مجید ہے۔

دوم آج دنیا میں صرف ایک ہی خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایسا ہے جس کی زندگی کی تاریخ متصل اور متواتر اسانید کے ساتھ حفظ وتحریر دونوں طریقوں سے روایت ہوتی چلی آئی ہے۔ جسے دستور العمل بنا کر ہر انسان ظاہری و باطنی، صوری ومعنوی اور دینی ودنیوی لحاظ سے زندگی کے تمام شعبہ جات اور مراحل میں کامیاب ہوسکتا ہے اور وہ پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

سوم آج دنیا میں صرف ایک ہی ایسا دین موجود ہے جو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ایک مکمل نظامِ حیات پیش کر سکتا ہے جس پر عمل کر کے انسانیت امن وسلامتی، اخوت و مساوات اور عدل وانصاف کے اعلیٰ اوصاف سے متصف ہوکر دنیا میں چین اور آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے اور جو انسانوں کے بنائے ہوئے تمام ناقص نظاموں مثلاً کمیونزم، فاشزم، سوشلزم، مٹیریلزم غرض تمام ازموں کا مکمل جواب ہوسکتا ہے۔ اور جو کمیونزم اور سرمایہ داری کی افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا صحیح اور درست مسلک بن سکتا ہے اور وہ

دینِ اسلام ہے۔

دنیا کے مذاہب اور ملل میں سب سے سچا اور برحق مذہب وہی ہے جس پر چلنے کے بہت ضوابط و شرائط اور بے شمار قواعد و قوانین ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ (النحل ۱۶ : ۹)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایک سیدھا راستہ اور اس سے ادھر ادھر (غلط اور گمراہی کے بے شمار) ٹیڑھے راستے ہیں۔ سو جو مسافر اور راہرو کسی خاص منزلِ مقصود تک جانے والا ہو اسے قدم قدم پر احتیاط اور پابندی سے چلنا پڑتا ہے تاکہ راستہ سے بھٹک نہ جائے۔ لیکن ایک آوارہ گرد اور بے مقصد مسافر جس کا کوئی نصب العین اور مقرر منزلِ مقصود نہ ہو وہ جس طرف چلا جائے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ جس طرف منہ آیا چلا گیا۔ ہر طرح سے آزاد ہے۔ دیگر ایک خاص نشانے پر تیر مارنے یا گولی چلانے میں کس قدر کوشش، پابندی اور احتیاط برتنی پڑتی ہے لیکن بغیر نشانے کے ویسے فضول تیر اور بندوق چلانے والا شخص ہر قسم کی پابندی اور قید سے آزاد ہوتا ہے۔ سو جس مذہب اور ملت کی منزلِ مقصود اور نصب العین اللہ تعالیٰ جیسی مخفی، پوشیدہ، غیب الغیب، عقل اور قیاس سے دور اور فہم و فراست سے مستور ذات ہوگی اس کا راستہ بہت دور دراز اور بے حد پیچیدہ اور پوشیدہ ہونے کے سبب بے شمار قواعد اور بے حد پابندیوں سے معمور ہوگا۔ کسی ملک کے مہذب اور متمدن ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس میں بے شمار قواعد اور قوانین جاری اور نافذ ہوں۔ لیکن ایک وحشی اور غیر متمدن علاقہ ہر قسم کے قاعدوں اور قوانین سے آزاد ہوتا ہے اور وہاں دن رات خون خرابے اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اب تمام دنیا کے مذاہب اور ملل پر نظر ڈالو۔ جس کثرت کے ساتھ اوامر و نواہی اور قواعد و قوانین مذہبِ اسلام میں ہیں اور کسی مذہب میں ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ دنیا بھر کے مذاہب میں سے کسی کو لے لیجیے کسی میں اسلام کے برابر مامورات اور منہیات موجود نہیں۔ لیکن مذہب اسلام کو دیکھیے کہ آغوشِ مادر میں آنے کے وقت سے لے کر گوشۂ لحد میں جانے تک انسانی زندگی کا کوئی فعل، کوئی قول، کوئی حرکت اور کوئی سکون ایسا نہیں چھوڑا گیا جس پر بے شمار مامورات اور منہیات عائد اور نافذ نہ کی گئی ہوں۔ بلکہ مامورات میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کے مرتبے اور منہیات میں حرام، مکروہ اور مکروہِ تحریمہ و تنزیہہ کے درجے بھی مقرر اور معین

فرما دیئے۔ ایمان کے پانچ اجزاء کر دیئے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت اور ہر ایک کے ماتحت صدہا ابواب اور فصول مرتب کیے گئے ہیں۔ مثلاً عقائد کو لیجیے۔ اس میں عقائد ذاتِ بحت، متعلقہ صفاتِ الٰہیہ اور متعلقہ رسالت وغیرہ الگ الگ ہیں اور ہر ایک ثقیلہ اور خفیفہ کے دو درجے ہیں۔ عبادات میں ارکانِ اربعہ کی تفصیل اتنی لمبی ہے کہ انسان کی عمر ختم ہو جاتی ہے مگر فہرست پوری یاد نہیں ہوتی۔ شرائط الگ ہیں، ارکان جدا، مستحبات الگ ہیں۔ واجبات جدا، مکروہات الگ ہیں اور مفسدات جدا۔ سر سے لے کر پاؤں تک بدن کا کوئی عضو کیوں نہ ہو ہر ایک کے لیے خاص عبادت ہے اور بے شمار پابندیاں از قسم اوامر و نواہی ہر قدم پر اور ہر دم میں اس پر عائد ہیں۔ معاملات کی فہرست تو اس سے بھی بیش از بیش ہے کہ بادشاہ سے لے کر ایک مفلس گداگر تک ہر طبقے اور ہر پیشے کا جو شخص بھی ہو اور کوئی بھی کاروبار اختیار کیے ہوئے ہو مثلاً تجارت، زراعت، صنعت و حرفت غرض کوئی کام اور پیشہ ایسا نہیں ہے جس پر شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ بے شمار اوامر و نواہی اور بکثرت پابندیاں عائد نہ کی ہوں۔ تاکہ اس کے پیشے اور کاروبار سے کسی انسان پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ نہ پڑے اور وہ ہر قسم کے ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ سے محفوظ ہو۔ پھر اخلاق میں تخیلات و شمائل و عادات و خصائل کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ اسی طرح معاشرت میں دنیا کی تمام مخلوقات کیا انسان، حیوان، نباتات، جمادات غرض تمام مخلوقات کے ساتھ جس قسم کا بہتر سلوک اور برتاؤ ہو سکتا ہے سب کو اوامر و نواہی سے آراستہ اور پیراستہ کر دیا ہے۔ اور محیر العقول کمال یہ ہے کہ موجودات اور واقعات ہی نہیں بلکہ انسان کی قوتِ متخیلہ جو محال سے محال چیز بھی اپنے ذہن سے اختراع کرے ناممکن ہے کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جواز یا عدمِ جواز کا فتویٰ عائد نہ کرے۔ غرض شریعتِ محمدیہ ﷺ کے قواعد اور قوانین کا یہ دائرہ اس قدر وسیع ہے۔ جس قدر اس پاک مذہب کی منزل، مقصد اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کے شایانِ شان ہو سکتا ہے۔ اور ان سب قواعد و قوانین پر اس دنیا میں اس گئے گذرے زمانے میں بھی عملدرآمد جاری ہے۔ چنانچہ ہر زمان اور ہر مکان میں دن رات صبح و شام ہر وقت آپ اس امتِ مرحومہ کو اپنے خالق اور مالک کی عبادت میں مصروف اور مشغول پائیں گے۔ مسلمان

قوم خشکی اور تری میں، سفر میں ہوں یا حضر میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرنگوں اور سجدہ ریز نظر آئیں گے۔ ریلوں، بحری جہازوں حتیٰ کہ ہوائی جہازوں کے اندر آپ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے پائیں گے۔ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو فرزندانِ اسلام صبح سے شام تک اپنے آپ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر بھوکا اور پیاسا رکھ کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں اور رات کو تراویح میں اللہ کا کلام سنتے ہیں۔ حج کے زمانے میں ہر سال دنیا کے اطراف و جوانب سے لاکھوں مسلمان کس قدر ذوق شوق اور جوش و جذبے سے دور دراز سفر کی صعوبتیں اور تکلیفیں جھیل کر اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبۃ اللہ میں جمع ہوتے ہیں۔ عرب کی سرزمین ان کی تکبیر و تہلیل اور ان کے نعروں سے گونجتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا گھر سال کے بارہ مہینوں اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ کے لیے طواف سے خالی نہیں ہوتا۔ غرض اللہ تعالیٰ کی سرزمین مسلمانوں کی عبادت، اس کی حمد و ثنا اور دن رات ان کی تہلیل و تکبیر کے نعروں سے معمور ہے۔ سچ پوچھو تو اسلام ہی ایک ایسا سچا اور پاک مذہب ہے جس کی صداقت اور سچائی کے آثار ہر زمان اور ہر مکان میں روزِ روشن کی طرح نمودار نظر آتے ہیں۔ برخلاف اس کے جب ہم دنیا کے دیگر مذاہب کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کی طرف خیال کرتے ہیں تو سوائے چند معمولی مامورات اور رسمی رواجی تہوارات اور تفریحی عبادات کے ان میں کچھ بھی نہیں ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجوں، ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ کے مندروں اور گردواروں میں اگر گانے بجانے اور راگ رنگ کے نفسانی تفریحی مشاغل نہ ہوتے تو بھولے سے بھی ان میں کوئی قدم نہ رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے متاثر ہو کر دنیا کے تمام مذاہب اور ملل آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مجبور ہو کر اسلام کی طرف آ رہے ہیں اور ان کے طور طریقے طوعاً و کرہاً اختیار کر رہے ہیں۔ ہندو لوگ جو مدت سے بت پرستی کے قبیح اور ناقص ترین رسم و رواج کے بری طرح پابند چلے آتے تھے اسلامی تعلیم سے متاثر ہو کر اب بت پرستی، مناظر پرستی، مخلوق اور ہر غیر پرستی کو چھوڑ کر خالق پرستی کے قریب آ رہے ہیں۔ اسلامی مساوات کو دیکھ کر ذات پات کی اونچ نیچ اور چھوت چھات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئے ہیں۔ ہندوؤں میں بیوہ عورتوں کی شادی اور عورتوں کی طلاق کا کوئی رواج نہ تھا۔ لیکن اسلام کے صحیح مسلک کی

خوبی دیکھ کر ان خرابیوں کی اصلاح اور انسداد کر رہے ہیں۔ عیسائیوں میں تثلیث اور کفارے کا غلط عقیدہ جو مدتِ مدید سے ان کی نجات کا اصلِ اصول مانا جاتا تھا اور ہر عیسائی اسے بہشت کی راہداری اور سرٹیفکیٹ خیال کرتا تھا اسلام کے صحیح مسلکِ توحید نے اس کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ اور یورپ کا تمام سمجھ دار اور تعلیم یافتہ طبقہ آج اس غلط عقیدے سے بیزاری کا اعلان کر چکا ہے۔ ان کے دانش مند اور حق شناس لیڈر پادریوں کے خود ساختہ ناقص مذہب کی ریفارمیشن اور اصلاح کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ چونکہ اس کے غلط اصول اور ناقص قواعد نفسانی پادریوں کی خود ساختہ فریب کاریوں اور باطل آرائیوں کی پیداوار تھی اس واسطے اس میں نت نئے نقص نکلتے رہے ہیں۔ اور آج تمام عیسائی دنیا اس سے بیزار ہے اور برسرِ پیکار ہے۔ شراب، خنزیر، سود اور بے پردگی کی قباحت معلوم ہو گئی ہے۔ غرض تمام دنیا کی پیاسی روحیں آج اسلام کے چشمۂ آبِ حیات کے لیے بے تاب اور مضطرب نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ قلوب کا اطمینان اور دلوں کا سکون نہ تو اب اشتراکیت کے خشک، بے کیف، الحادی اور مادی نظامِ حیات میں پایا جاتا ہے اور نہ اب کسی سرمایہ دارانہ، غیر مساویانہ اور ظالمانہ قارونی مسلک میں نظر آتا ہے۔ آج دنیا ہلاکت و نجات و موت و حیات کے سخت بحران میں مبتلا ہے اور اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو مذہب دنیا سے بالکل ختم ہو جائے گا اور اسکی جگہ دہریت اور مادیت لے لے گی، انسانیت حیوانیت کے درکِ اسفل میں گر جائے گی اور باطنی اور معنوی موت سر جائے گی۔ دنیا میں ہر جگہ انسان نما حیوان نظر آئیں گے۔ یہی وہ زمانہ ہوگا جسے قرآنِ کریم اور احادیثِ شریفہ نے دابۃ الارض کے خروج اور دجالی دور کی حیوانیت اور گدھے پن سے تعبیر کیا ہے۔ اور یا اگر کسی عیسیٰ کے نزول اور خروج سے دنیا کے تنِ مردہ میں پھر رُوح القدس کی مذہبی اور روحانی زندگی عود کر آئے اور دنیائے اسلام یا اسلام جیسا کوئی نیا صحیح نظام اختیار کر لے جو دنیوی لوٹ کھسوٹ سے جمع کردہ سرمایہ داری کو ختم کر دے اور انسانی زندگی کا مقصد عبادت اور معرفت قرار دے اور انسانیت، حیوانیت و مادیت سے عروج کر کے ملکوتیت کے اعلیٰ اخلاق سے متخلق اور عبودیت کی پاک صفات سے متصف ہو جائے اور دنیا میں مساوات و اخوت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو اور ظلم و تعدی، جبر و استبداد، بے جا لوٹ کھسوٹ، قومی

تعصب، نسلی امتیاز اور برتری، حرص و آز، جوع الارض اور قارونیت و فرعونیت سے دنیا پاک و صاف ہو جائے۔ اس وقت دنیا بہشتِ بریں کا نمونہ بن جائے گی۔ اور یا اگر ''شامتِ اعمالِ ماصورتِ نادر گرفت'' والا معاملہ بن گیا تو دنیا اپنی سائنس اور جدید علوم کی ''روشنیٔ طبع'' میں ایک لازوال عذاب اور غیر مختتم وبال میں پھنسی رہے گی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ کی لگائی ہوئی اور پھیلائی ہوئی آگ اور دھوئیں میں دم گھٹ گھٹ کر ختم ہو جائے گی۔ جس کی پیشین گوئی قرآن مجید پہلے کر چکا ہے: یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ؁ یَّغْشَی النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ (الدخان ۴۴: ۱۰: ۱۱)۔ ترجمہ: ''جس روز دنیا مہلک دھوئیں سے بھر جائے گی اور وہ دھواں ہر جگہ لوگوں پر چھا جائے گا۔ اس وقت یہ بہت الم ناک عذاب ظاہر ہوگا۔''

..................0000000..................

شانِ قرآن

سورۂ رحمٰن میں مخلوق پر اپنے آلاء و نعما کو ظاہر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتوں میں سے قرآن کو اول درجے میں رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اَلرَّحْمٰنُ ؁ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؁ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ؁ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ؁ (الرحمٰن ۵۵: ۱۔۴) یعنی اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین کی پہلی اور اولین کمال مہربانی یہ ہے کہ اس نے انسانِ ضعیف البیان کو اپنے کلام کی تعلیم دی۔ اسے اسی غرض کے لیے پیدا کیا اور اپنی صفتِ متکلمی سے گویا فرمایا۔ ان آیات سے چند عجیب و غریب اسرار و معارف مترشح ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اَلرَّحْمٰنُ ؁ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؁ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ؁ (الرحمٰن ۵۵: ۱۔۳) سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کا وجود تخلیقِ آدم سے پہلے ظہور پذیر ہوا ہے جس سے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: کُنْتُ نَبِیًّا وَ کَانَ اٰلادَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنَ۔ یعنی میں اس وقت بھی نبی ﷺ تھا جب کہ آدم ابھی مٹی اور پانی میں تھا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس بات کی تصدیق کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ پیدائش سے پہلے موردِ انوارِ الٰہی اور شانِ نبوت اور نزولِ وحی سے سرفراز تھے۔ یعنی آپ ﷺ روزِ ازل میں اور اس سے بھی پہلے وحیٔ الٰہی سے بلاواسطہ مستفیض اور بہرہ یاب تھے۔ یا یوں کہیے کہ آپ ﷺ کا وجودِ مسعود روزِ ازل اور یومِ میثاق سے بھی پہلے قرآن کی غیر مخلوق نوری صورت سے جو کہ ابھی حروف و صوت کے کالبد میں نہیں پڑی تھی بلاواسطہ مقتبس اور منور تھا۔ قرآن کی اس غیر مخلوق نوری صورت کی طرف اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآنِ کریم میں اشارے فرمائے ہیں: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ؁ (النسآء ۴: ۱۷۴)۔ یعنی ''اے محمد ﷺ! ہم نے تمہاری طرف ایک نورِ مبین نازل فرمایا۔'' وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا (الاعراف ۷: ۱۵۷)۔ یعنی ''اے مومنو! اس نور کی تابعداری کرو جو ہم نے اپنے نبی ﷺ کے ہمراہ نازل فرمایا ہے۔'' قرآنِ کریم کو اگر اللہ تعالیٰ کا کلام مانا جائے تو اسے قدیم اور غیر مخلوق ماننا لازم آتا ہے۔ کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور کلام کی ذات متکلم قدیم سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتی۔ آفتابِ ذات متکلم نے جب کائناتِ قلوب پر اپنے کلام کی تجلی فرمائی تو اس کلامِ قدیم کی تجلی اور پرتو سے

انسان میں نطق اور گویائی کی صفت پیدا ہوئی اور وہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کی شان سے نمایاں ہوا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کی جامعیت کے باعث ہی وہ اللہ تعالیٰ کا مظہرِ اتم اور خلیفۂ اعظم ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے: خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ ''اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔'' یعنی اپنی صفات سے متصف فرمایا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت سے پاک اور منزّہ ہے۔ چنانچہ انسان میں ہر روز اللہ تعالیٰ کی ایک نئی شان ہے اور مِن جملہ ان کے ایک شان یہ ہے کہ انسان اس کی صفتِ کلام کے پرتو اور تجلّی سے دیگر جملہ حیوانات سے ممتاز، قادرالکلام اور ابولبیان ہے۔ اسی سورۂ رحمٰن کی اگلی آیت اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝(الرحمٰن ۵۵ : ۵) کی تفسیر اس مطلب کو اور بھی صاف اور واضح کر دیتی ہے کہ جس طرح سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں اور ان کی مختلف گردش سے چاند کی تیس تاریخیں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح انسان کے قمرِ قلوب پر اللہ تعالیٰ کا جب ازل سے آفتابِ کلام چمکا تو اس کلام قدیم کی تجلّی سے انسان کے وجود میں نطق اور گویائی کا ملکہ پیدا ہوا اور انسان کی زبان پر تیس تاریخوں کے مطابق تیس عدد حروفِ تہجی جاری ہوئے۔ جس کے ذریعے حضرت انسان کے قمرِ قلوب میں حروف اور اصوات کی صورتیں نمودار ہوئیں۔ چنانچہ جملہ اقوامِ عالم کی مختلف زبانیں انہیں تیس حروف کی ترکیب اور جوڑ توڑ سے ماخوذ ہیں اور آج دنیا میں جو تقریباً چار ہزار پانچ سو کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں سب کے حروفِ تہجی تقریباً یہی تیس حروف ہیں۔ اور اگلی آیت وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝(الرحمٰن ۵۵ : ۶) بتا رہی ہے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی سے رات کو اجرامِ فلکی یعنی کواکب اور ستارے اور دن کو اجرامِ ارضی یعنی شجر وحجر وغیرہ نمودار ہو رہے ہیں اسی طرح آفتابِ کلامِ قدیم کے نوری پرتو سے اَنفس اور آفاق کی لیل ونہار میں اشیا اور ان کے حقائق انسان پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ ورنہ اگر انسان میں ملکۂ نطق وبیان نہ ہوتا اور کلام کے ذریعے انسان ایک دوسرے پر اپنے دل کے خیالات کا اظہار نہ کر سکتے تو تمام انسانی دنیا جہل اور نادانی کے ایک تنگ وتاریک ماحول میں گرفتار رہتی اور انسان ہر قسم کی عقل، علم و دانش کی روشنی سے محروم رہتے۔ غرض یہ اس ذاتِ رحمان حق سبحان کا عالمِ انسان پر قرآن نازل فرمانے کا بڑا بھاری فضل واحسان ہے کہ ایک تو اس کے وجود میں عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

(الرحمٰن ۵۵ : ۴) سے نطق اور گویائی کے ذریعے زمین ہموار کر ڈالی اور اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝(الرحمٰن ۵۵ : ۱ - ۲) یعنی اپنے کلام کے نزول سے سرفراز اور ممتاز فرمایا۔

یہی حروفِ تہجی اصل الاصول ہیں جن سے کلام کی بنیاد پڑی اور ان کی ترکیب اور ترتیب سے انسان نے اشیائے کائنات کو مناسب اسما سے موسوم کیا اور انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام ذاتی، صفاتی، اسمائی اور افعالی صفات سے انسان کو روشناس فرمایا اور وہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ ۲ : ۳۱) کے خطاب سے سرفراز ہوا اور ملائکہ سے گوئے سبقت لے گیا۔

یاد رہے کہ علم الحروف دنیا کے تمام علوم میں سے نہایت اعلیٰ، افضل اور بہت دقیق اور عمیق علم ہے۔ کیونکہ یہی حروف وہ سابق عناصر ہیں جو انسان کے اندر فطرتی اور قدرتی طور پر دنیائے نطق، عالمِ کلام اور جہانِ بیان کی تخلیق کا باعث بنے ہیں۔ انہی کے ذریعے انسان میں علم و معانی کا ظہور ہوتا ہے اور تمام قلبی واردات اور باطنی خیالات کا اظہار انہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر قرآنی سورتوں کے آغاز میں جا بجا حروفِ مقطعات صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ وہ قدیم ازلی، ابدی اور قدرتی غیر مخلوق کلام ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ غیر مخلوق زبان خاکی مخلوق کی کوتاہ سمجھ اور کم فہم کے لیے قِدم کے افقِ اعلیٰ اور حُدوث اور اِمکان کی منزلِ اسفل میں اترنے کو تھی اور اس کا پہلا لطیف قدم جو کہ ابھی حدوثِ صوت والفاظ کے گرد وغبار سے کسی قدر پاک اور صاف تھا تو آفتابِ کلامِ قدیم کی شعاعیں ان حروف مقطعات کی دھیمی کرنوں میں نمودار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نوری مقال اور اس کے غیبی منزّہ حال کو صرف نبی کی ذاتِ بابرکات ہی سمجھ سکتی ہے۔ یہی اس نبی اُمّی (فداہ اُمّی وابی) صاحبِ اُمّ الکتاب کی اُمیّت تھی جو کہ اس علوم ذاتِ حیّ وقیّوم سے ماخوذ لیکن تمام کسبی علوم سے منزّہ اور معصوم تھی۔ اسے کہتے ہیں تلمیذ الرحمٰن اور استادِ کُل ہو اور شاگرد کسی کا نہ ہو۔ اسے انگریزی میں (TEACHER OF ALL AND PUPIL OF NONE) کہتے ہیں۔ قدرت یہاں کس طرح اپنا جلوہ عیاں طور پر ظاہر فرماتی ہے اور اسباب کی آستین چڑھا کر اپنا ہاتھ عیاں اور عریاں طور پر دکھاتی ہے کہ اس کی تعلیمِ لدنی میں اسباب اور رسم و کسب کو دخل نہ ہو اور اس غیر مخلوق قدیم مکتب کا تلمیذ کسی مخلوق استاد کی تعلیم کی بارِ منت کا

مرہون نہ ہو۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ۔

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت خط ننوشت — بہ غمزہ نکتہ آموز صد مدرّس شد

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں ۔

نبی امّی و امّ الکتاب درس دہی — علیم اوّل وکشّافِ رازِ مَا اَوْحٰی

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سیاسی حاکموں خصوصاً فوجی افسروں کو جب کبھی حکومتِ وقت کی طرف سے خاص خاص پوشیدہ اسرار اور نہایت مخفی بھید کی باتیں اور پولیٹیکل حالات تاروں یا لاسلکی کے ذریعے پہنچانے مقصود ہوتے ہیں ان کی ظاہری صورت اور طرزِ ادا ایسی اجنبی اور انوکھی ہوا کرتی ہے کہ سوائے مخصوص افسروں کے انہیں کوئی اور شخص نہیں سمجھ سکتا۔ یہاں تک کہ خود ڈاک کے منشی، تار بابو اور لاسلکی کے کارکن بھی انہیں نہیں سمجھ سکتے ۔اور وہ یا تو حروفِ مفردات یا خالی اعداد کی شکل میں محض مرموز اشارات ہوا کرتے ہیں۔ غرض قرآنی حروفِ مقطعات بھی اجنبی اور قدیم زبان کے تمہیدی مرموز اشارات اور مخفی نکات ہیں جسے محض نبی ﷺ کی عقلِ کُل یا ان کی طفیل ان کے خاص جانشین ہی سمجھ سکتے ہیں اور بس۔

ایک روایت ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام سورۂ بقر لائے اور جبرائیلؑ بولے الف، لام، میم (الٓمٓ) تو آپ ﷺ نے فرمایا عَلِمْتُ یعنی میں سمجھ گیا۔ تو جبرائیلؑ نے دریافت کیا مَا عَلِمْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے اور اللہ کے درمیان راز ہے۔

غرض قرآن اللہ تعالیٰ کی ایک نوری قدیم غیرمخلوق زبان ہے۔ لیکن اس کا نور غافل لوگوں سے بے شمار حجابوں کے اندر مخفی اور پنہاں ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ (بنی اسرآئیل ۱۷: ۴۵-۴۶)۔ ترجمہ: اور اے ہمارے نبی ﷺ! جس وقت تو انہیں قرآن سناتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے طرح طرح کے حجاب اور پردے ڈال دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر غفلت کے تالے لگا دیتے ہیں تا کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی

ٹھونس دیتے ہیں تا کہ وہ کچھ نہ سنیں۔ غرض مذکورہ بالا آیت میں نفوس، قلوب اور ارواح کے مختلف حجابوں اور پردوں کا ذکر کیا گیا ہے جو غافل انسان اور قرآن کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے قرآن کا اثر نہیں ہوتا۔ نہیں دیکھتے کہ کسی بڑے پاور ہاؤس سے لاکھوں وولٹ کی بجلی اگر کسی تانبے کی تار سے دوڑائی جائے تو ربڑ اور ریشم کی ایک معمولی پتلی تہہ اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ سو قرآن کی غیرمخلوق قدیم نوری زبان کی برقِ باطن کی عظیم الشان بجلی حروف اور الفاظ کے تاروں میں مخفی اور پنہاں ہے۔ لیکن غافل نفسانی انسانوں کے جسم اور زبانیں چونکہ طرح طرح کے مخالف اور مانع اثر مادوں سے ملوث اور آلودہ ہوتی ہیں لہٰذا قرآنی نور کو انسانی جسم کے اندر جانے نہیں دیتے۔ جیسا کہ آیا ہے: كَلَامُ اللّٰهِ شَیْءٌ" طَاهِرٌ" لَا یَسْتَقِرُّ اِلَّا بِمَكَانٍ طَاهِرٍ یعنی کلام اللہ اور اسم اللہ پاک چیز ہے اور بجز پاک جگہ کے قرار نہیں پکڑتا اور یہ بھی آیا ہے کہ بہت لوگ کلام اللہ کو پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ یعنی گلے کے نیچے جو دل ہے اس میں نفوذ نہیں کرتا اور یوں بھی روایت ہے کہ بہت لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن الٹا انہیں لعنت اور پھٹکار کرتا ہے۔ سو قرآنِ کریم کی صورتیں مختلف ہیں اور اس کے پڑھنے کی زبانیں اور جثّے الگ الگ ہیں۔ اسی اختلاف کی وجہ سے قرآن کے درجے اور مرتبے مختلف بن جاتے ہیں اور ان کا اثر مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک تو وہ قرآن ہے جس کی شان اس آیت سے نمایاں ہے کہ "اگر وہ پہاڑ پر بھی نازل ہو تو اس کے اثر سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔" اور وہ بھی قرآن ہے جو الٹا پڑھنے والے کو لعنت کرتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کے انوار اور اس سے غفلت اور ظلمت کے حجابوں کا ذکر ان دو مختلف آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اول آیتِ نور یہ ہے: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (النور ۲۴: ۳۵)۔ اور وہ آیت جس میں ظلمتِ غفلت کا بیان ہے، یہ ہے: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط (النور ۲۴ : ۴۰) ۔ یہاں پہلی آیت میں اسم اللہ کے نور کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں ذکر اللہ سے غفلت اور ظلم کے حجابوں کا بیان ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (النور ۲۴ : ۳۵) سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نور اور ظلمت کی تشبیہوں اور مثالوں سے پاک اور منزہ ہے اور وہ نور اور ظلمت دونوں کا خالق ہے۔ جیسا کہ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط (الانعام ۶ : ۱) سے ظاہر ہے۔ جس کی تشریح کسی قدر ہم ''عرفان'' حصہ اول میں کر آئے ہیں۔ سو اس نور اور ظلمت کے تفاوت اور اختلاف کی وجہ سے ذکر اللہ اور کلام اللہ کے مراتب اور تاثیر میں فرق آ جاتا ہے۔ ان مختلف درجات کے سبب قرآن کے مختلف اسم اور مختلف قسم بیان کیے گئے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے قرآن کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہیں قرآن مجید، قرآن کریم، قرآن عظیم، قرآن حکیم، کتاب عزیز اور کتابِ مکنون کے مختلف القاب دیئے گئے ہیں اور یہ القاب مہمل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے یہ مختلف اسما قرآن کی مختلف اقسام اور صفات کے حامل ہیں جنہیں ہم یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ الگ الگ آیتوں میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ قرآن کی ایک صورت وہ بھی تھی جو حضرت رسولِ کریم ﷺ کے دل پر نازل ہوئی اور اس میں ہمیشہ کے لیے محفوظ اور متمکن ہوگئی اور قرآن آپ کو ہمیشہ کے لیے بغیر کوشش و تکرار کے یاد رہ گیا تھا اور کبھی نہیں بھولتا تھا۔ حالانکہ ایک شاعر جب چند شعر کہتا ہے جب تک ان اشعار کو لکھ نہ لے وہ فوراً ذہن سے اتر جاتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ نظم کا یاد رکھنا بہ نسبت نثر کے بہت آسان ہے اور قرآن تمام نثر ہے جس کی یاد اور حفظ بہت مشکل ہے۔ چنانچہ ابتدائے وحی میں حضور ﷺ کو یہی خوف لاحق ہو گیا تھا اور آپ ﷺ قرآن کے نزول کے بعد خوفِ نسیان کی وجہ سے اس کو بار بار تکرار کرنے لگے تھے کہ اگر قرآن مجھے یاد نہ رہا اور میں اسے بھول گیا تو میں اسے لوگوں کو کیوں کر سناؤں گا اور قرآن کتاب کی صورت میں کیوں کر جمع ہوگا۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہیں تکرار کی تکلیف سے منع فرماتے ہیں اور قرآن کے حفظ اور جمع کرنے اور بیان کرنے کا ذمہ خود اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ

لِتَعْجَلَ بِهٖ ط اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القيمة ۷۵ : ۱۶ - ۱۹) ترجمہ: ''اے ہمارے نبی ﷺ! قرآن کا (کتاب کی صورت میں) جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب نزول اور وحی کی صورت قرآن پڑھ لیا جائے تو اس قرأت کی تابعداری تبعاً کرو۔ اس کا دوبارہ بیان کرنا ہمارے ذمہ ٹھہرا۔'' غرض یہ قرآن بڑا بھاری اعجاز ہے کہ جس پر نازل ہوا اس کے مغز یعنی دل اور روح کے اندر اتر گیا۔ قرآن کی یہ نرالی شان اب بھی موجود ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب کسی کے دل اور روح میں اتر جاتا ہے تو بن پڑھے اور تکرار کے یاد رہ جاتا ہے اور ہمیشہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں بیشمار ہیں کہ دل اور روح کی لطیف زبان تمام قرآن کو ایک طرفۃ العین میں ختم کر ڈالتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت مشہور ہے کہ آپؓ ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے کے وقفہ میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔ اس سے بالکل تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

تذکرۃ الاولیا میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مذکور ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک ولی اللہ کو دیکھا کہ اس پر آسمان سے نور کی تجلی ہوتی تھی۔ پس میں حصولِ فیض و برکت کی غرض سے اس کے پیچھے ہو لیا اور جہاں زمین پر اس کا قدم پڑتا تھا میں بھی تبرک کے طور پر اس کے قدم پر قدم رکھتا جاتا تھا۔ آخر اس نے مڑ کر میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے نادان! جب تک تو میرے جیسے عمل نہیں کرے گا خالی میرے قدم پر قدم رکھنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ خدا جانے یہ کونسا عمل کرتا ہوگا۔ اس نے پھر میری طرف مڑ کر کہا کہ میرا عمل یہ ہے کہ میں روزانہ ستر (۷۰) بار قرآن کریم ختم کرتا ہوں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ شخص خیال میں قرآن اتنی دفعہ پڑھ لیتا ہوگا۔ ظاہر طور پر تو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس نے پھر میری طرف مڑ کر کہا کہ میں خیال سے نہیں بلکہ لفظاً اور عبارتاً قرآن پڑھتا ہوں۔ سو اس طرح بھی قرآن پڑھنے کی صورت ہے۔

ایک دفعہ ایک درویش محمد یار نامی نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ میں جوانی میں حضرت

سلطان العارفینؒ کے مزار پر اس خیال سے حاضر ہوا کہ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ حضرتؒ کے مزار پر زائر جو مراد لے کر جاتا ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں یہ مراد دل میں لے کر حاضر ہوا کہ حضرتؒ مجھے اپنی اصلی صورت میں زیارت سے مشرف فرمائیں۔ میں کئی روز اسی خیال سے وہاں ٹھہرا رہا۔ مگر مجھے دورانِ قیام آپؒ کی زیارت نصیب نہ ہوئی اور میں ناامید ہو کر وہاں سے پچھلے پہر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا اور دل میں خیال کیا کہ یہ محض غلط پراپیگنڈہ ہے کہ حضرتؒ زائر کی دلی مراد معلوم کر کے پوری فرماتے ہیں۔ رات کو میں راستے میں ایک مسجد کے اندر شب باش ہو گیا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دربار شریف کے اندر موجود ہوں اور وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری میں ہوں۔ میں نے خواب کے اندر دل میں کہا کہ چلو آخری بار حضرتؒ کے مزار کی زیارت کر لوں پھر گھر کو روانہ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں اسی خیال سے محل کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں کوئی مزار وغیرہ نام کو موجود نہیں بلکہ ایک پلنگ پڑا ہوا ہے۔ جب میں اس پلنگ کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ آپؒ اپنے چہرۂ مبارک سے نقاب اٹھا کر مجھے فرمایا کہ محمد یار مجھے دیکھو دنیا میں میری یہی صورت تھی جو اس وقت تم دیکھ رہے ہو۔ محمد یار نے بیان کیا کہ خدا کی قسم میں ایک جاہلِ مطلق اور ان پڑھ آدمی ہوں لیکن آپؒ کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی میرا قرآن جاری ہو گیا اور میرے اندر قرآن اس طرح پڑھا جانے لگا جس طرح پڑھے ہوئے حافظ پڑھتے ہیں اور میں وہ قرآن ہوش و حواس کی حالت میں استغراق کے اندر پڑھتا تھا اور ساتھ ہی گریہ بھی جاری تھا۔ محمد یار نے بیان کیا کہ مدت تک میری یہ حالت جاری رہی اور جوں ہی میں باطن کی طرف متوجہ ہوتا مجھے غیبت حاصل ہوتی اور میرا قرآن جاری رہتا۔ اس بارے میں اس فقیر کا اپنا بھی تجربہ ہے جو اسی کتاب کے اگلے صفحات میں انشاءاللہ بیان کیا جائے گا۔ غرض قرآن کی یہ شان اب بھی موجود ہے اور خاصانِ خدا میں مروج اور جاری ہے۔ غافل مردہ دل اور نادان لوگ قرآن کی اس نرالی شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔

۲۔ دوسری صورت قرآن کریم کی یہ مذکور ہے کہ اس نوری مخفی قرآن کو نفسانی ناپاک لوگ ہرگز چھو نہیں سکتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ۝ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۝ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۝ (واقعة ۵۶: ۷۷-۷۹)۔ یعنی ''قرآنِ کریم کا ایک پاک

نوری وجود ایک مخفی پوشیدہ کتاب کی صورت میں بھی موجود ہے جسے چھو نہیں سکتے مگر پاک لوگ۔'' یعنی ناپاک نفسانی لوگوں کی اس قرآن تک رسائی نہیں ہے۔ یہاں لفظ لَا یَمَسُّهٗ مضارع کا صیغہ ہے جس کے معنی حال اور مستقبل کے ہیں۔ یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے یا نہیں چھوئیں گے مگر پاک لوگ۔ سو یہاں نہی کا صیغہ ہرگز نہیں ہے کہ ''اسے ناپاک آدمی نہ چھوئے'' کے معنی لیے جائیں۔

۳۔ سورۃ عبس میں آیا ہے كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۝ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ۝ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۝ (عبس ۸۰: ۱۱-۱۶) ترجمہ: ''خبردار قرآن ایک عام ذکر کا دسترخوان ہے جو چاہے اس میں شامل ہو جائے۔ اس کی نوری تحریر تو عزت والے بلند اور پاک صحیفوں کے اندر محفوظ ہے جسے عزت والے پاک فرشتوں نے تحریر کیا ہے۔'' یہاں اس قرآن کا ذکر نہیں ہے جسے جودھ سنگھ اور سنت سنگھ وغیرہ ناپاک پلید ہاتھوں سے لکھواتے چھپواتے اور چند ٹکوں کے عوض بیچا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک بلند، پاک اور عزت والی کتاب ہے جسے پاک اور نیک ملائکہ کے لطیف ہاتھوں نے نوری حروف سے تحریر کیا ہے۔ سو قرآن اگر اللہ تعالیٰ کا قدیم اور غیر مخلوق کلام ہے تو اس کی ہر دو قدیم تحریری اور تقریری صورتیں موجود ہونی چاہئیں اور یہ وہ قدیم تحریری اور تقریری صورتیں ہیں جو پچھلی آیتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن کی قدیم تقریری صورت وہ ہے جو قاری کے مغز یعنی لطیفۂ قدیم قلب اور روح میں اتر جاتا ہے اور کبھی نہیں بھولتا۔ ورنہ حادث دماغ والے حافظ اگر قرآن کا دور اور تکرار کرنا چھوڑ دیں تو قرآن ان کے دماغ سے اتر جاتا ہے۔ اسی طرح جودھ سنگھ اور سنت سنگھ کے چھپے ہوئے حادث قرآن ضائع اور بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۝ (عبس ۸۰: ۱۵-۱۶) کا پاک نوری قرآن بوسیدہ اور ضائع ہونے سے پاک ہے۔

۴۔ ایک آیت میں قرآن کا یوں ذکر آیا ہے: وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ۝ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۝ (حٰمٓ السجدة ۴۱: ۴۱-۴۲)۔ یعنی ''تحقیق قرآن ایک ایسی غالب کتاب ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی باطل نہ

آگے سے اور نہ پیچھے سے قائم رہ سکتی ہے۔ کیوں کہ یہ حکمت والے اور تعریف والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے‘‘۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب یا مراقبے کے اندر جس مجلس میں قرآن پڑھا جائے اس میں شیطان کا دخل نہیں ہوسکتا اور وہ خواب یا مراقبہ شیطانی نہیں ہوتا بلکہ رحمانی ہوتا ہے۔ غرض قرآن حق اور باطل کے پرکھنے کا سچا معیار ہے۔ اور تصوف کا مسئلہ ہے کہ شیطان باطن میں ان تین صورتوں پر متمثل نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ تینوں مظہر ہدایت ہیں۔ اول شیطان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت پر متمثل نہیں ہوسکتا، دوم قرآن یا اس کی کسی سورت یا آیت کی صورت میں، سوم خانہ کعبہ کی صورت۔

سو قرآن کے یہ مختلف نام بے فائدہ اور مہمل نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح اس کے مختلف نام ہیں اسی کے مطابق اس کی الگ الگ اقسام ہیں اور اسی طرح اس کے پڑھنے کے علیحدہ اجسام ہیں اور اسی کے لیے مختلف زبانیں اور ان کے پڑھنے کی جدا تاثیرات، نتیجے اور انجام ہیں۔

غرض قرآنِ کریم اگر اپنی اصلی شان میں نمایاں ہو اور ذاتِ متکلم کی غیر مخلوق نوری بجلی کی برقی لہر اور کرنٹ اس میں رواں ہو تو اس کی طاقت اور ثقالت سے سنگین پہاڑ بھی ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ سو قرآن کا نور اور اس کا اثر جسم اور زبان کی لطافت اور پاکی پر موقوف ہے۔ مولانا روم صاحبؒ اپنی مثنوی میں اپنے پیرِ صحبت مولانا حسام الدینؒ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

اے ضیاء الحق بحذقِ رائے تو　　　حلق بخشد سنگ را حلوائے تو

یعنی اے حسام الدینؒ (ضیاء الحق) تیری بیدار اور پختہ رائے کی قسم کہ تیرے کلام کی شیرینی بے جان پتھر میں بھی ذوق شوق اور اشتہا پیدا کر رہا ہے کہ پتھر اور پہاڑ بھی اس کے لینے اور قبول کرنے کے لیے منہ پھاڑ رہے ہیں۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مناجات اور حمد و ثنا میں جس وقت مشغول ہوتے تو ان کی آواز اور تاثیر سے بے جان پہاڑ اور بے شعور طیور متاثر ہو کر آپ کی طرف مائل اور راغب ہوتے اور آپ کے ہمراہ حمد و مناجات میں شریک ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ

اِنَّهٗ اَوَّابٌ ○ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ ○ (صٓ ۳۸: ۱۷۔۱۹) اور یاد کر ہمارے بندے داؤد کو جو تھے (باطنی) ہاتھوں والے اور تھے اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والے اور ہم نے اس کے ساتھ مسخر کر دیئے تھے پہاڑ جو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح میں رات اور دن شریک رہتے اور پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ سب اس کی طرف مائل اور راغب رہتے۔ غرض کلام اور آواز کی حلاوت اور تاثیر سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ کلام اور قوتِ بیان میں سحر اور جادو بھرا ہوا ہوتا ہے: اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ بارہا دیکھنے میں آیا ہے کہ بے شمار اس قسم کے کلام، منتر اور جادو وغیرہ مخلوق میں خاص امراض اور آزار کے لیے مؤثر اور مفید پائے گئے ہیں جو انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں جو زہریلے جانوروں مثلاً سانپ، بچھو، دیوانے کتے اور اکثر عصبی اور دیگر بدنی امراض کے لیے تیر بہدف مؤثر پائے گئے ہیں اور طرفہ یہ کہ ان کلاموں کے معنی ان کلاموں کے عامل بھی نہیں سمجھتے۔ صرف طوطے کی طرح برسرِ زبان یاد کیا ہوا ہوتا ہے اور اسی طرح پڑھ دیتے ہیں اور وہ فوراً اپنا اثر کر جاتے ہیں تو پھر قرآن جو اللہ تعالیٰ کا برحق غیر مخلوق نوری کلام ہے کیوں اثر نہ کرے۔ ضرور کلام اللہ اپنا اثر رکھتا ہے بشرطیکہ وہ طاہر جسم اور پاک زبان سے ادا ہو اور اس میں غیر مخلوق نور کی بجلی اور پاور موجود ہو اور اگر وہ صحیح طور پر برمحل ادا ہو تو ہر چیز اور کام پر اس کا عمل نافذ اور جاری ہو جاتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ (الرعد ۱۳: ۳۱)۔ یعنی ممکن ہے کہ قرآن اس طرح کا ہو کہ اس کی تاثیر سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے یا مردے جی کر بولنے لگ جائیں۔ لیکن اس امر کی بجلی اللہ تعالیٰ کے پاور ہاؤس میں محفوظ ہے۔ وہاں سے جاری ہوتی ہے۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ بجلی اپنے پاور ہاؤس سے نکلتی ہے اور موافق اور مناسب اجسام میں سرایت کرتی ہے اور مخالف اجسام میں نفوذ نہیں کرتی۔ اسی طرح کلام کی بجلی اپنے متکلم کے دل و دماغ کے ڈائنمو سے خارج ہو کر حروف، الفاظ اور عبارت کی صورت میں تارِ تنفس کے ذریعے سامعین کے کانوں سے ہو کر ان کے دل اور دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ اسی طرح جس وقت قرآنِ کریم کے حروف، الفاظ اور عبارت اپنے محل سے صحیح اور درست طور پر ادا

ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق انوارِ ذات وصفات وافعال کی بجلی سے بھرپور اور معمور ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاور ہاؤس سے اس کا کنکشن قائم ہوتا ہے اور وہاں سے الہام، تجلیات اور باطنی برقی طاقت کی لہریں پڑھنے والے کے وجود میں منتقل ہوتی ہیں۔ ہر چیز اپنے صحیح محل اور ٹھیک موقع سے چالو ہوتی ہے۔ چنانچہ کارتوس اور توپ کا گولہ اپنے محل بندوق اور توپ کے اصلی مقام سے چلے تو وہ چالو اور کارگر ہوتا ہے اور اگر صرف ہاتھ سے کسی پر پھینکا جائے تو وہ اثر نہیں کرتا۔ قرآن پاک کی تاثیر اور طاقت اگر دیکھنی ہو تو اس کی ادائیگی کے لیے پہلے پاک زبان، طاہر جسم، زندہ دل اور روشن دماغ کی ضرورت ہوگی۔ عارفِ کامل کا دل اللہ تعالیٰ کی لوحِ محفوظ کا نمونہ اور ماڈل ہوتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے پاور ہاؤس کے مشابہ اور مماثل بیٹری لگی ہوئی ہوتی ہے کہ جب اس کا بٹن دبا دیا جاتا ہے تو اس کے نور کا روزن کھل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق پاور ہاؤس سے اس کا تعلق اور کنکشن قائم ہوجاتا ہے۔ اس وقت دل کی باطنی سوئی اگر قرآن کے اصلی حقیقی ریڈیو اسٹیشن سے ملا دی جائے تو قرآن پڑھنے والے کے دل پر اپنی اصلی شان اور آن سے جاری ہونے لگ جاتا ہے۔

سائنس کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جس قدر انسان، جانور اور پرندے جو کلام کر چکے ہیں یا جو بولیاں بول چکے ہیں ان سب کی آواز اس فضا میں محفوظ اور موجود ہے، اور ان کو دوبارہ اخذ اور جاری کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو حادث مادی زبان کی بولیوں اور آوازوں کا حال ہے تو اللہ تعالیٰ کے قدیم غیر مخلوق نوری کلام کو مع آواز و صوتِ قدیم وصورتِ تحریر وتقریر قدیم اور جملہ قدیم آن اور شان کے ساتھ ہمیشہ قائم ودائم اور موجود ہونا چاہیے قرآن کی ظاہری کتابی صورت، حروف اور الفاظ کی سیاہی اور اس کے اوراق گو مخلوق ہیں لیکن اس کی باطنی نوری صورت جو اس کی روح اور جان ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ اصل ونقل، قشر ولُبّ، ظاہر وباطن اور جسد و روح میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک نفسانی مردہ دل، ناپاک جسم اور ناپاک زبان والا شخص جو قرآن پڑھتا ہے وہ اصلی حقیقی قرآن کا خالی نمونہ اور عکس پیش کرتا ہے نہ کہ اصلی حقیقی قرآن۔ اصل قرآن وہ ہے جو نبی ﷺ آخر الزمان پر اپنی حقیقی عظمت اور شان کے ساتھ تئیس (۲۳) برس کے عرصہ میں وقتاً فوقتاً مکہ اور مدینہ کے اندر نازل ہوتا رہا۔ جس کے نزول کے وقت نبی علیہ السلام کے دل سے

لے کر ساقِ عرش تک جبرائیل امینؑ اور اس کے ملائکہ معاونین کے پرے اور صفیں قائم ہوجایا کرتیں اور آپ ﷺ کے طورِ دل پر انوار اور تجلیات کی بجلیاں کوندنے لگتیں اور ساتھ ساتھ قرآنی معانی کے معارف اور اسرار اور روحانی انوار کی موسلا دھار بارش شروع ہوجاتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا قدیم اور غیر مخلوق کلام ہے۔ سو جب وہ قدیم ہے تو اسکے نزول کی وہ قدیمی شان اب بدستور قائم اور موجود ہے۔ سو جو لوگ نبی علیہ السلام کی مکمل پیروی کرکے آپ ﷺ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ کمال محبت اور عشق کے ذریعے درجہ فنافی الرسول حاصل کر لیتے ہیں وہ حضور ﷺ کے خاص لطف وکرم سے تلاوتِ قرآن اور دعوتِ قرآن کے وقت حضورِ اکرم ﷺ کے ہم جسم، ہم دم، ہم قدم، اور ہم جان وہم زبان ہو کر آپ ﷺ کی اس شانِ قرآن کو پا لیتے ہیں اور حضور ﷺ کے اس صبغۃ اللہ میں رنگ دیئے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی شانِ قرآن ان میں جلوہ گر ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبرؐ کہ ہست از اُمتم — گو بود ہم گوہر و ہم ہمتم

اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ جب کمال ادائے نوافل کے سبب اللہ تعالیٰ سے اس قدر قرب حاصل کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ہوجاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کے کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے علیٰ ہٰذا القیاس تو ایک خاص بندے کا کمالِ متابعت اور محبتِ نبوی ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اخلاق سے متخلق اور آپ ﷺ کی صفات سے متصف ہونے میں کیا کوئی شک اور شبہ ہوسکتا ہے۔ سو عوام نفسانی لوگوں کی رسمی طور پر قرآن پڑھنے کا طور اور طریقہ الگ ہے اور خاصانِ خدا کے قرآن پڑھنے کی شان کچھ اور قسم کی ہوتی ہے۔

زدلوِ چرخ اگر خواہی کہ یابی آبِ خوش خوردن — بحبل اللہ بزن دستے برون چہ زیں وچہ زندان
تو کاندر نکتۂ حرفی چہ دانی سرِ ایں معنے — کہ جز دودے ندیدی از حروفِ روشن قرآن
نہ حرف ونکتہ قرآن است ظلمتِ نور کے گردد — ولیکن اندر آن ظلمات ہست آں چشمۂ حیوان
ہماں قاری کہ از عادت کند ختمے بہر ساعت — اگر یک نکتہ دریا بدبماند تا ابد حیران

(ناصر خسرو)

جس طرح مادی اور ظاہری بجلی کی دو مثبت و منفی برقی لہریں ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح جب قرآن کے حروف و الفاظ کے تاروں کو زبان سے حرکت دے کر چھیڑا جاتا ہے تو اگر زبان سے انسانی دل اور دماغ تک نوری بجلی کے پہنچنے کے لیے توفیق اور استعداد کے موافق تارگی ہوئی ہو تو قرآن کے قدیم نوری پاور ہاؤس میں باطنی بجلی کی دو قسم کی لہریں یعنی نورِ تفسیر و نورِ تاثیر کی نوری لہریں پڑھنے والے کے دل اور دماغ کے بلبوں تک جاری ہو جاتی ہیں۔ دماغ تک جو نوری لہر جاتی ہے وہ نورِ علم کی تفسیری رو ہے اور دل کی جو رو چلتی ہے وہ نورِ امر کی تاثیری لہر ہوتی ہے۔ تفسیر اور تاثیر کی یہ دو لہریں سالک عارف کے جسم کے اندر دل اور دماغ کے بلبوں تک کو روشن کرتی ہیں۔ جس شخص کے قرآن پڑھنے سے یہ دو قسم کے نور پیدا نہ ہوں وہ اگر تمام عمر قرآن پڑھتا رہے اسے قرآن پڑھنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

ہیچ علمے بہتر اس تفسیر نیست   ہیچ تفسیرے بہ از تاثیر نیست
(رومیؔ)

قرآن کے یہ دو قسم کے نور ظاہری زبانی عالموں سے درسی اور کسبی طور پر حاصل نہیں ہوتے بلکہ یہ باطنی برقی لہریں انبیا اور ان کے وارث اولیا کے سینوں سے جاری ہوتے ہیں اور جس شخص کا ان سے باطنی رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور وہ اس باطنی بجلی کے نوری کنکشن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پاور ہاؤس سے منسلک ہو جاتے ہیں اور یہ دو قسم کی نوری لہریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے وہبی طور پر بے واسطہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے سینوں میں منتقل ہوتی ہیں۔ ان دو علوم کے حصول کے لیے طالب کو دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اپنے جسم اور جان اور دل و زبان کو پاک و صاف کر کے اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کے کلام کے ساتھ موافقت اور مناسبت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ دوم کسی باطنی مربی اور روحانی استاد کے ذریعے اپنے اصلی پاور ہاؤس سے نوری کنکشن، باطنی رابطہ اور روحانی رشتہ جوڑنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس نور کا فیضان بغیر باطنی رابطے اور روحانی رشتے کے ناممکن اور محال ہے۔ پہلی بات سے طالب سالک دعوت پڑھنے میں کامل ہو جاتا ہے اور دوسری سے طالب صاحبِ اجازت و صاحبِ رابطہ بن جاتا ہے۔ اگر یہ

دو باتیں کسی میں نہ ہوں تو اس سے کلام اور دعوت کا عمل جاری نہیں ہوتا۔ یعنی قرآن کا نور زبان تک ہی محدود رہ جاتا ہے اور دل و دماغ کے بلبوں کو روشن نہیں کرتا۔ لہٰذا نورِ قرآن کو زبان سے دل اور دل سے دماغ اور وہاں سے تمام جسم و جاں اور اس کے جملہ اعضاء تک پہنچنے کے لیے تمام جسم اور جان وغیرہ کا پاک ہونا چاہیے اور قرآن اس طرح پڑھا جائے کہ اس کی پھر وہی اصلی لطیف نوری صورت بن جائے جو صورت اس کی نزولی حالت میں تھی اور جو ملائکہ اور ارواح کی لطیف غذا بن جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے اصلی پاور ہاؤس سے کنکشن اور روحانی رابطہ پیدا کرنے کے لیے زبان، جسم، اعضا اور دل و دماغ کو موافقت اور مناسبت کیوں کر پیدا کی جائے۔ اس امر کے لیے اس فن کے متقدمین عاملین اور اہلِ سلف بزرگانِ دین نے کچھ اصول، قاعدے اور قوانین مقرر کیے ہیں۔ ان قواعد اور قوانین پر جو طالب اور سالک عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا وِرد جاری رکھتا ہے تو اس سے ضرور نور پیدا ہونے لگ جاتا ہے اور غیبی لطیف مخلوق میں سے جن، ملائکہ اور ارواح ایسے سالک عامل کے پاس اپنی نوری لطیف غذا حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر اس سے قُوّت اور قُوت حاصل کرتے ہیں اور اس کے وظیفہ خوار بن کر اس کے کاموں میں معاون اور مددگار بن جایا کرتے ہیں۔ سو وہ شرائط اور قوانین حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اول شرط یہ ہے کہ طالب حق گو اور راست رو ہو اور یاوہ گوئی و بدزبانی سے پرہیز کرے اور کبھی بھولے سے بھی جھوٹ نہ بولے۔ کیوں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلامِ برحق ہے: وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ط(بنی اسرآئیل ۱۷: ۱۰۵) قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَلَهُ الْمُلْكُ (الانعام ۶: ۷۳) اور جھوٹ اس کلامِ حق کی ضد ہے۔ سو اگر طالب جھوٹ بولنے، لغویات، کفریات، غیبت اور ہر قسم کی دشنام طرازی سے زبان کو آلودہ کرے گا تو اس کی زبان قرآن پاک پڑھنے کے قابل نہیں ہوگی اور اس کے قرآن پڑھنے سے نور ہرگز پیدا نہ ہوگا۔

۲۔ دوم شرط اکل الحلال ہے یعنی طالبِ حق کی کمائی حلال کی ہو اور اس کی غذا اور قوت پاک اور طیب ہو۔ کیوں کہ حرام غذا سے جس آدمی کا خون، گوشت اور جسم تیار ہوتا ہے

اس میں قرآن کا نور داخل نہیں ہوتا اور اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

۳۔ سوم تن، جسم، کپڑے اور تلاوت کی جگہ پاک ہو۔ اگر ہو سکے تو وجود اور اس جگہ کو خوشبو مثلاً عطر، بخور اور پھولوں سے خوشبودار رکھے۔ کیوں کہ غیبی لطیف مخلوق خوشبو کی طرف راغب اور بدبو سے متنفر ہوتی ہے۔ حقہ نوشی، نسوار، کچے پیاز ولہسن وغیرہ ہر قسم کی بدبودار اشیا سے اجتناب کرے۔

۴۔ چہارم اگر جلالی جمالی پرہیز رکھے اور ترکِ حیوانات کرے تو بہتر ہے۔ یعنی حیوانات کے خون، گوشت، دودھ، گھی، دہی، چھاچھ وغیرہ کو ترک کرے۔ کیوں کہ جس غذا میں خون اور ظلم کی بو آتی ہو مؤکلات اس سے نفرت کرتے ہیں۔

۵۔ پنجم جائے مقیم اور تعینِ وقت بھی اس عمل کے لیے لازمی گردانا گیا ہے۔ یعنی تا ادائے زکوٰۃ کلام اور تا اجرائے عمل ایک معین جگہ اور مقررہ وقت میں کلام پڑھا کرے۔ یعنی جس وقت عامل کلام پڑھتا ہے تو مؤکلات اپنی باطنی لطیف غذا کے حصول کے لیے اس معین مقام اور مقررہ وقت پر عامل کے پاس حاضر ہو کر اور اپنی مخصوص غذا حاصل کر کے خوش وقت ہو جاتے ہیں۔ اور اگر پڑھنے کی جگہ اور وقت تبدیل ہو جائے تو مؤکلات کو عامل کے پاس حاضر ہونے میں دقت پیش آتی ہے اور بعض دفعہ ناراض ہو کر اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر کوئی شخص دریا کے کنارے مچھلیوں کے لیے ایک مقررہ گھاٹ پر اور معین وقت پر آٹا یا کوئی کھانے کی چیز پانی میں ڈالتا ہے تو مچھلیاں مقررہ گھاٹ پر اور معین وقت پر غذا حاصل کرنے کے لیے آموجود ہوتی ہیں بلکہ ان میں اور زیادہ ملتی جاتی ہیں۔ اور اگر ان کا گھاٹ اور وقت تبدیل ہوتا رہے تو انہیں غذا حاصل کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ یہی حال ان غیبی مؤکلات کا ہے۔

۶۔ ششم بار بار قرآن، کلام اللہ اور ذکر اللہ کو زبان سے تکرار کرے۔ اسی طرح بار بار قرآنی الفاظ کو زبان سے تکرار کرنے اور رگڑنے سے نور کی بجلی پیدا ہونے لگتی ہے اور قرآن باطن یعنی قلب اور روح وغیرہ کی طرف منتقل ہونے لگ جاتا ہے۔ اور دل اس طرح ظاہر زبان کے تکرار سے کلام اللہ پر گویا ہو جاتا ہے جس طرح ماں کے بار بار

بولنے سے بچہ بولنے لگ جاتا ہے۔ اس کے لیے عاملوں نے ہر کلام کے لیے تکرار اور بار بار پڑھنے کی تعدادیں مقرر کی ہیں جنہیں زکوٰۃ، نصاب، بذل، قفل، کلید اور دور مدوّر کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔

۷۔ ہفتم جسم اور جان کو نورِ قرآن سے موافق بنانے کے لیے قرآن پر ایمان لانا لازمی ہے۔ یعنی قرآن کو اللہ تعالیٰ کا برحق کلام ماننا اور اس پر سچے دل سے ایمان لانا لازمی ہے۔ مذکورہ شرائط کے ساتھ جو شخص قرآن پڑھتا ہے۔ اس کے دل اور دماغ کو نورِ قرآن سے منور ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی اور قرآن کا عمل اس سے جاری ہو جاتا ہے۔ قرآن کے پاور ہاؤس میں سے نورِ قرآن کے اجرا کا راستہ صاف ہو جاتا ہے۔

اب سب سے بڑی اور اہم شرط کسی ایسے عامل کامل کے ساتھ باطنی رابطہ اور غیبی رشتہ پیدا کرنا ہے۔ جس کا تعلق اور کنکشن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نوری پاور ہاؤس سے ہو۔ اسے کلام کی اجازت اور اذن بھی کہتے ہیں اور رابطۂ شیخ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں پہلی سات شرائط سے طالب کے اندر گویا باطنی بجلی کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کے وجود تک بجلی کے تار، کھمبے اور بلب وغیرہ لگ جاتے ہیں اور آخری شرط سے پاور ہاؤس سے کنکشن مل کر وہاں سے نورانی بجلی کی رو جاری ہو جاتی ہے اور طالب کے دل و دماغ اور تمام اعضا وغیرہ کے بلب روشن ہو جاتے ہیں۔

عملِ دعوت دو قسم کا ہوتا ہے: ایک جمالی دوم جلالی۔ عملِ جمالی محبت، تسخیر، جذب اور تالیفِ قلوب کے لیے کیا جاتا ہے اور دعوتِ جلالی ہر قسم کے باطنی وظاہری دشمنوں کی مقہوری اور ہلاکت کے لیے پڑھی جاتی ہے۔ اس عمل میں پہلی سات شرائط سے طالب بندوق کی قسم کے ہتھیار چلانے میں قابل اور ماہر بن جاتا ہے اور آخری شرط سے گویا اسے بندوق وغیرہ رکھنے کی سرکاری سند اور لائسنس مل جاتا ہے۔

آج کل کے مغرب زدہ علما میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ قرآن کو بار بار پڑھنا اور ثواب کے طور پر اس کا روزانہ ورد کرنا یا کسی حاجت یا مرض کی شفا کے لیے اسے پڑھنا بے فائدہ اور بے سود ہے۔ یعنی یہ لوگ قرآنی تاثیر کے سرے سے منکر ہیں۔ لیکن جس وقت

دیکھتے ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے منتر جنتر خالی زبانی طور پر پڑھے جانے سے فوری اثر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق قدیم کلام کیوں اثر نہ کرے جس کا امر تمام کائنات میں نافذ اور جاری ہے۔ اور جس میں تمام کائنات اور کائنات کی جاندار و بے جان اور ظاہری و باطنی کل مخلوق مخاطب، مکلّف، مامور اور مطیع ہے۔ قرآن ہر قسم کے ظاہری و باطنی، صوری و معنوی اور مادی و روحانی امراض اور آفات کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (بنی اسرآئیل ۱۷ : ۸۲)۔ یعنی قرآن مومنین کے لیے موجبِ شفائے بدن و موجبِ احیائے قلوب اور باعثِ راحتِ ارواح ہے۔ قرآن کے ظاہری حروف، الفاظ اور عبارت جسمِ انسان کے لیے اور اس کے معنی باطن قلوب کے لیے معنی المعنی روح کے لیے علیٰ ہٰذا القیاس قرآن اِلٰی سَبْعِ بُطُوْنٍ یعنی سات لطائف تک موجبِ شفا اور باعثِ رحمت ہے۔ مطابق اس حدیث کے: لِلْقُرْآنِ ظَاهِرٌ" وَّ بَاطِنٌ" وَلِكُلِّ بَاطِنٍ بَطْنٌ" اِلٰی سَبْعِ بُطُوْنٍ۔ اسی کے مطابق یہ حدیث بھی ہے: اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعِ اَحْرُفٍ یعنی قرآن سات مختلف طرق و طرح پر نازل ہوا ہے۔

مثنوی

حرفِ قُرآن رامدان کہ ظاہر است — زیرِ ظاہر باطنے ہم قاہر است
زیرِ آن باطن یکے بطنِ دِگر — خیرہ گردد اندر و فکر و نظر
زیرِ آن باطن یکے بطنِ سوم — کہ درو گردد خرد ہا جملہ گم
بطنِ چارم از نبی خود کس ندید — بے خدائے بے نظیر و بے ندید
ہم چنیں تا ہفت بطن اے بوالکرم — مے شمر تو زین حدیثِ معتصم
نورِ قرآن اے پسر ظاہر مبین — دیو آدم را ندیدہ غیر طین
گرچہ قُرآن از لبِ پیغمبر است — ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

ایک حدیث میں ہے: مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَيْسَ مِنَّا۔ یعنی "جو قرآن کے ذریعے ہر چیز سے غنی اور بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" یعنی قرآن کے جانتے ہوئے وہ پھر بھی محتاج رہے تو وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے۔ غرض جسے قرآن کا پڑھنا

اور اس کا عمل صحیح طور پر آ گیا وہ جملہ حاجات، مرادات سے لایحتاج ہو گیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: خُذْمِنَ الْقُرْاٰنِ مَاشِئْتَ لِمَا شِئْتَ۔ یعنی قرآن میں سے جس آیت اور سورت کو تو جس کام اور جس امر کے لیے استعمال کرے گا وہ اس کے لیے مفتاح الفتوح اور کافی و شافی ثابت ہو گا۔ سو تلاوتِ قرآن یا دعوتِ کلام حق سُبحان و ذکر رحمٰن کو جزوِ جسم و جاں بنانے کے لیے پچھلی مذکورہ شرائط نہایت لازمی اور ضروری ہیں اور ان کے بغیر قرآن اثر نہیں کرتا اور اس کے پڑھنے سے نور پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل دنیا میں لوگوں کی اخلاقی حالت بہت کمزور ہو گئی ہے۔ اَکْلُ الْحَلَال اور صِدْقُ الْمَقَال نہیں رہا۔

عملِ دعوت اور عملِ تسخیر چونکہ ایک قسم کی باطنی حکومت ہے اور جس طرح بعض ظاہری حاکم اور مادی بادشاہ دوسرے حاکم اور بادشاہ کے ملک پر چڑھائی کر کے اس کے ملک کو فتح کر لیتے ہیں اور اس کے خزانے اور رعیت کو اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں اور اسے ہلاک و اسیر یا ملک بدر کر دیتے ہیں اور اس کے ملک کے مالک بن جاتے ہیں اسی طرح عملِ دعوت اور عملِ تسخیر کے عامل جن، ملائکہ اور ارواح کے باطنی عساکر کے ذریعے لوگوں پر حکومت اور تصرف کرتے ہیں۔ اور یہ باطنی حاکم اور روحانی بادشاہ بھی ایک دوسرے پر باطن میں چڑھائی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو سلب کر لیتے ہیں۔ بہت ظاہر بین لوگوں کو اس بات کا پتہ بھی نہیں لگتا اور وہ بے خبری میں مارے اور لوٹ لیے جاتے ہیں اور اکثر تو اس باطنی لوٹ کھسوٹ کو سمجھتے اور جانتے بھی نہیں بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا عملِ دعوت اور تسخیر کے طالب کو اثنائے عمل میں بہت محتاط رہنا چاہیے کہ جب اس کے دعوت کا عمل رواں اور جاری ہو تو کوئی دوسرا زبردست عامل اسے سلب نہ کر لے۔ ورنہ تمام عمر کفِ افسوس ملتا رہ جائے گا۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ جب کوئی طالب عملِ دعوتِ قرآن یا عمل اسمائے حسنیٰ یا دیگر وظائف با قاعدہ مذکورہ بالا شرائط اور قوانین کے ساتھ پڑھتا ہے تو ہر دو انفس اور آفاق میں اس کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ انفس میں اجرائے عمل کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ طالب کو پڑھنے میں لذت آتی ہے اور اس کے ذوق شوق، توفیقِ عمل اور باطنی قوت و طاقت اور روحانی مکاشفات و مشاہدات میں دن بدن ترقی ہوتی ہے اور آفاق میں لوگوں کے قلوب اس کے مسخر اور مطیع فرمان ہوتے ہیں اور لوگ اس کی دل و جان سے خدمت کرتے ہیں اور

اسے ظاہری و باطنی کشائش حاصل ہوتی ہے۔لیکن بعض طالبوں پر جب یک دم باطنی ڈاکہ پڑجاتا ہے اور کوئی زبردست اور طاقتور عامل اسے سلب کر لیتا ہے تو اس کی ساری پونجی لٹ جاتی ہے۔دعوت، ورد و وظائف پڑھنے میں پہلی سی لذت نہیں رہتی اور سارا معاملہ برعکس ہوجاتا ہے۔بعض لوگ ہمارے اس بیان پر حیران ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں بھی عجیب اندھیر گردی ہے۔لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی کھلی چھٹی اور اجازت ہے۔لیکن یہ لوٹ کھسوٹ عملِ دعوت اور تسخیر کی باطنی حکمرانی میں واقع ہوتی ہے۔مولا کی طلب اور اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت والوں میں یہ معاملات نہیں ہوتے۔اس باطنی لوٹ کھسوٹ کی بھی وجہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح دنیا میں جو چھوٹے حکمران ہوتے ہیں انہیں کسی بڑے حکمران کا باج گذار رہنا پڑتا ہے یعنی اسے کسی پروٹکٹڈ سٹیٹ (PROTECTED STATE) کی حیثیت میں رہنا پڑتا ہے۔وہ اگر زبردست حکمران کی اطاعت سے سرتابی کرتا ہے تو وہ محافظ حکمران اس سے اپنی حفاظت اٹھا لیتا ہے۔تو ایسے وقت میں دوسرا طاقتور حکمران اس پر چڑھ دوڑتا ہے اور اس کی حکومت، ملک اور مال و زر اس سے چھین لیتا ہے۔بعینہٖ اسی طرح باطنی عمل اور روحانی حکومت کا حال ہے کہ جب کوئی طالب اپنے عمل پر غرہ ہو کر اپنے استاد مربی اور مرشد کے امر اور اطاعت سے روگردان ہوجاتا ہے تو ایسے طالب سے مرشد اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے۔اس وقت وہ باطن میں بے یار و مددگار اکیلا رہ جاتا ہے۔اس وقت اس پر باطنی ڈاکہ پڑجاتا ہے۔لہٰذا طالب کو چاہیے کہ عملِ دعوت اور تسخیر کسی عامل کامل مربی کی نگرانی میں پڑھے۔

ابتدائے حال میں جب اس فقیر کو عملِ دعوت میں طاقتِ سلبی حاصل ہوئی اور اہلِ باطن سے مقابلے شروع ہوئے تو ان مقابلوں کا ایک واقعہ یوں پیش آیا۔ایک رات میں اپنے باطنی روحانی مربی حضرت سلطان العارفینؒ کے دربار میں حاضر تھا۔میں نے باطن میں دیکھا کہ میں حضرت کے دربار میں داخل ہو رہا ہوں۔میں نے ایک بزرگ عامل کو آپؒ کے دربار کے باہر غلام گردش پر بیٹھا ہوا دیکھا کہ وہ اپنے ایک طالب کو سورۂ مزمل کے پڑھنے کی ایک خاص تلقین فرما رہے ہیں۔چنانچہ دربار کے دروازے میں میری آنکھیں اس بزرگ سے دوچار ہوگئیں اور میری اس کے ساتھ باطنی رسہ کشی شروع ہوگئی۔مجھے ایسا معلوم

ہوا کہ میرے اور اس عامل کے درمیان ایک نور کا رسہ ہے جس کا ایک سرا اس بزرگ کے ماتھے میں لگا ہوا ہے اور دوسرا میرے ماتھے میں لگا ہوا ہے اور ہم دونوں خوب زور لگا کر اس نوری رسے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت وہ نوری رسے کو اپنی طرف زور لگا کر کھینچ لیتا تھا تو اس کی آنکھیں چوڑی اور جسم بھاری اور موٹا ہوجاتا تھا اور جب میں اپنی طرف زور لگا کر اس نوری رسے کو کھینچ لیتا تھا تو اس کی آنکھیں اور جسم ہر دو بہت چھوٹے ہوتے جاتے تھے۔اس طرح ہم ہر دو کے درمیان ایک لحظہ خوب رسہ کشی جاری رہی۔چونکہ اس وقت میں عین دروازے میں کھڑا تھا اور میرا منہ اس عامل کی طرف تھا اور پیٹھ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کی طرف تھی۔میں نے دیکھا کہ پیٹھ کی طرف سے میرے اندر ایک زبردست روحانی طاقت اور باطنی پاور داخل ہوگئی ہے۔غرض جب میں نے اس پاور کے ہمراہ زور لگا کر وہ نوری رسہ اپنی طرف کھینچا تو وہ نوری ستون اس عامل کے جسم سے تڑاخ کے ساتھ نکل کر میرے جسم کے اندر آگیا۔اس وقت اس عامل کا جسم چوہے کی طرح چھوٹا ہوگیا اور کسی نے مجھے پیٹھ پر تھپکی دی اور آفریں کہی۔میرا سینہ اور جسم وزنی معلوم ہوئے۔اس قسم کے مقابلے ہاتھ، آنکھ اور سینہ ملانے سے ہوا کرتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ اپنے خاص برگزیدہ بندوں یعنی انبیا اور اولیا کو جب اپنی مخلوق کی رشد اور ہدایت پر مامور فرماتا ہے تو انہیں ایک تو اپنا باطنی علم عطا فرماتا ہے جسے علمِ لدنی کہتے۔ قولہٗ تعالیٰ: اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ (الکہف ۱۸: ۶۵)۔ ترجمہ: ”جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا“۔ دوم انہیں عالمِ غیب کے باطنی لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح پر حکم اور حکومت عنایت فرماتا ہے۔جب کہ اکثر انبیا کے حق میں قرآن کریم کے اندر آیا ہے: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ (یوسف ۱۲: ۲۲)۔یعنی جب وہ تبلیغ اور دعوت کی حد اور عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا اور ان ہر دو روحانی علم اور باطنی عمل اور حکم سے انبیائے عظام اور ان کے نائب اولیائے کرام مخلوق میں رشد و ہدایت اور تبلیغ اور دعوت کا حق ادا فرماتے ہیں۔اسلام میں ان ہر دو علوم اور فنون کا منبع قرآنِ کریم ہے اور اس پاک کلام کی تلاوت اور دعوت میں تمام انبیا اور مُرسلین کے ظاہری اور باطنی علوم اور فنون جمع ہیں اور قرآن کی

تلاوت اور دعوت میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا زبردست امر اور حکم جاری ہوتا ہے جس کے ذریعے اہلِ دعوت کے پاس تمام غیبی لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح حاضر ہوتے ہیں اور اس کے مسخر، مطیع اور منقاد ہوتے ہیں۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت احمدِ مختار ﷺ کو دعوتِ قرآن کا علم اور عمل بدرجۂ اتم حاصل تھا، اور آپ ﷺ کے دعوتِ نورِ قرآن کی شمع پر جن، ملائکہ اور ارواح پروانہ وار گرتے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چونکہ ہر دو طائفہ جن اور انس کی رشد اور ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور آپ ﷺ سید الکونین اور رسول الثقلین ہیں اس لیے علاوہ انسانوں کے طائفہ جنات نے بھی آپ ﷺ کا قرآن سن کر آپ ﷺ کا دین قبول کیا اور ان میں سے بعض جن مبلغ بن کر اپنی قوم جنات میں تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ دین پر مامور ہوگئے اور اسی طرح ان کی سعی اور کوشش سے بیشمار جن مسلمان اور اہلِ ایمان ہوگئے۔ قولہٗ تعالیٰ: قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط (الجن ۷۲: ۱-۲)۔

ترجمہ: ''اے میرے نبی ﷺ اپنے اصحاب سے کہو کہ مجھے اس بات کی وحی ہوئی ہے کہ تمہیں بتادوں کہ میرے پاس جنات کے ایک گروہ نے آکر قرآن سنا۔ انہوں نے اپنی قوم کو واپس جا کر بتایا کہ اے ہمارے جن بھائیو! ہم ایک عجیب آسمانی کتاب یعنی قرآن سن کر آئے ہیں جو رشد اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔'' ایک دوسری آیت میں بھی اسی قسم کا بیان ہے: وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ (الاحقاف ۴۶: ۲۹)۔

ترجمہ: ''یاد کر (اے ہمارے نبی ﷺ) وہ وقت جب کہ ہم نے بھیجا تمہاری طرف ایک گروہ جنات کا تا کہ وہ تمہارا قرآن سنیں۔ پس جب وہ ایسی حالت میں تمہارے پاس حاضر ہوئے جب کہ تم قرآن پڑھ رہے تھے تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہوکر سنو۔ پس جب کہ قرآن سننے اور اس پر ان کے ایمان لانے کا معاملہ طے ہوگیا تو وہ اپنی قوم کی طرف داعی اور مبلغ بن کر چلے گئے۔'' قرآن پاک کی یہ ایک فطرتی خاصیت ہے کہ جس وقت یہ پاک زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کی شمعِ جمال پر جن، ملائکہ اور ارواح پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور اس کا مقناطیسی نور پروانۂ کونین کو اپنی تسخیر اور لپیٹ میں لے

لیتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط (الجاثیة ۴۵: ۱۳)۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سب کچھ جو زمین اور آسمان کے اندر ہے مسخر کردیا ہے۔

غرض جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر انسان قرآن معجز بیان سن کر ایمان لے آئے تھے اسی طرح قرآن کی آیاتِ بینات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جنات کی ایک اچھی خاصی جماعت ایمان لے آئی اور جس طرح مسلمان انسانوں نے اپنی ہم جنس قوم انسانی کے اندر دعوتِ تبلیغ اور جہاد کے ذریعے اسلام پھیلایا یعنی جو لوگ حقائقِ قرآنی اور اس کا اعجازِ بیانی سن کر ایمان لے آئے ان کو اپنی اخوت اور برادری میں شامل کرلیا اور جنہوں نے انکار اور پیکار کیا انہیں یا تو ملک بدر کردیا اور یا تہہ تیغ کرکے ہلاک کردیا اسی طرح جو جنات آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے انہوں نے اپنی قوم جنات کے اندر جا کر بجنسہٖ اسی طرح دعوت، تبلیغ اور جہاد کے ذریعے اسلام کی اشاعت میں سعی اور کوشش کی۔ بعض جن تو ایمان لے آئے اور جنہوں نے انکار کیا اور مدافعت کی انہیں اپنی باطنی اور روحانی تلواروں سے ملک بدر یا ہلاک کردیا۔ چنانچہ جن بتوں اور مورتیوں کے اندر یہ جن بھوت اور شیاطین گھسے ہوئے تھے یا جو عالم بالا میں چڑھ کر اور ملاء الاعلیٰ سے غیب کی باتیں سن کر کاہنوں اور ساحروں کو آکر بتاتے تھے انہیں مسلمان جنوں نے بتوں اور مورتیوں کے اندر سے نکال کر بھگا دیا یا قتل اور ہلاک کردیا۔ علاوہ بریں ملائکہ آسمانی یعنی فرشتوں نے پہرے لگا کر ان کے عالمِ بالا کے راستے مسدود کردیے اور شہابِ ثاقب مار مار کر انہیں ہلاک کردیا اور باقیوں کو آسمان پر جانے سے روک دیا۔ اسی طرح ان شیاطین کے دم قدم سے جو بت پرستی کا بازار گرم تھا وہ یک دم سرد پڑ گیا اور بت پرستی کی ساری عمارت رفتہ رفتہ منہدم ہوگئی۔ کاہنوں کی کہانت اور ساحروں کی سحر سب گرد و غبار اور هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان ۲۵: ۲۳) بن کر رہ گئے اور یوں نعرۂ تکبیر اور کلمۂ توحید سے کفر کا جادو اور شرک کا طلسم ٹوٹ گیا اور آفتابِ حق کے نور سے باطل، ظلمت کی شبِ یلدا دور اور کافور ہوگئی۔ اور بعض کامل انسانوں اور عامل جنوں نے یہاں تک دعوت اور تبلیغ کا حق ادا کیا کہ عامل جنات نے انسانوں کے اندر اور کامل انسانوں نے جنات

میں شامل ہو کر دعوت اور تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ چنانچہ ہم یہاں احادیث سے اس قسم کی تبلیغ، دعوت اور جہادِ باطنی کے حالات اور واقعات پیش کرتے ہیں جن سے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔

بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ہم کو سورۂ رحمٰن سنائی تو ہم نے خاموشی کے ساتھ اسے سنا۔ جب آپ ﷺ نے سورۂ رحمٰن ختم کی تو فرمایا کہ میں نے فرقۂ جنات کو استماعِ قرآن کے معاملے میں تم سے بہتر پایا کیوں کہ جب میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ٥(الرحمٰن ۵۵: ۱۳) پر آتا جس کے معنی ہیں ''پھر تم اللہ تعالیٰ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' تو جن جواب دیتے وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِکَ یَارَبِّ نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ۔ یعنی ''اے رب ہم آپ کی نعمتوں میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب اور کفران نہیں کرتے۔ بے شک تو حمد اور ستائش کے لائق ہے۔''

خطیب نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ایک بڑا کالا سانپ ہمارے سامنے نمودار ہوا اور آپ ﷺ کی طرف چلا۔ لوگوں نے اٹھ کر اسے مارنے کا ارادہ کیا لیکن آپ ﷺ نے انہیں اشارے سے منع فرمایا۔ وہ سانپ اپنا منہ آپ ﷺ کے کان کے پاس لے گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سانپ کے کان میں کچھ فرمایا۔ بعدۂ وہ سانپ ایک طرف کو چل دیا۔ جب وہ ہماری نظر سے غائب ہو گیا تو ہم نے عرض کیا کہ یا حضرت ﷺ یہ سانپ کا ہے کو آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنات کا ایک قاصد تھا جو قرآن کی چند آیتیں بھول گئے ہیں وہ یاد کرنے آیا ہے اور اب انہیں یاد کر کے واپس اپنی قوم کو سنانے اور یاد کرانے جا رہا ہے۔

بیہقی نے سواد بن قارب سے روایت نقل کی ہے کہ سواد نے کہا کہ ایامِ جاہلیت میں ایک جن میرا آشنا تھا۔ وہ مجھے گاہے گاہے ملا کرتا تھا اور مجھے آئندہ کے واقعات اور مستقبل کے حالات سنایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مجھے ملا۔ مجھے چند عربی شعر سنائے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''ایک شخص لوئی ابنِ غالب کی اولاد سے پیدا ہوا ہے۔ میں نے جنات کو دیکھا کہ اونٹوں پر کجاوے باندھ کر اور گھوڑوں پر زینیں کس کر مکہ کی طرف جا رہے ہیں اور ہدایت پا رہے

ہیں۔ اے سواد تو بھی اس کی طرف جا اور اس مردِ خدا سے ہدایت پا جسے بنی ہاشم میں سے اللہ تعالیٰ نے چنا ہے۔'' اور چند شعر آپ کی تعریف میں کہے۔ جن میں سے آخری شعر کا ترجمہ یہ ہے: ''اور تم میرے واسطے شفیع ہو جس دن نہ ہوگا کوئی کام آنے والا شفیع بغیر تیرے۔'' سواد کہتا ہے کہ میں نے پے در پے تین راتیں یہ معاملہ دیکھا۔ اس کے بعد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: ''مرحبا یا سواد! مجھے معلوم ہے جو چیز تجھے یہاں لائی۔'' سو میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ میں ایک جن نے انسان کو اسلام کی طرف لانے کی ایک کامیاب کوشش کی۔

اس موقع پر اسی قسم کا ایک اپنا واقعہ بیان کرنا یہ فقیر ضروری سمجھتا ہے۔ ابتدائے حال میں یہ فقیر ایک روز دوپہر کو لیٹا ہوا تھا کہ چند جن قوالوں نے خواجہ حافظؒ کی یہ فارسی غزل میرے پہلو میں بیٹھ کر نہایت خوش الحانی سے گانی شروع کی:

ساقی بنورِ بادہ بر افروز جامِ ما — مطرب بگو کہ کارِ جہان شد بکامِ ما
ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم — اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما

اور جب وہ اس شعر پر آئے:

ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق — ثبت ست بر جریدۂ عالم دوامِ ما

تو مجھے وجد سا آ گیا اور بہت دیر تک وجدانی حالت مجھ پر طاری رہی۔

اور ایک دفعہ میں نے زائرین جنات کا ایک بہت بڑا قافلہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر اپنی سواریوں سے اترتے اور فروکش ہوتے دیکھا۔ میرے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ چل کر جنات کے اس قافلے کی سیر کروں اور دیکھوں کہ یہ لوگ کس طرح رہتے سہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بازار کی طرح دو طرفہ لائن اور قطاروں میں انہیں فروکش پایا۔ میں نے دیکھا کہ دو طرفہ بازار کی طرح دو قطاروں میں انہوں نے چارپائیاں ڈال رکھی ہیں اور ان چارپائیوں کے نیچے انہوں نے کتوں کی طرح لمبے اور گہرے غار کھود رکھے ہیں۔ چارپائیوں پر جن مرد اور عورتیں چڑھے بیٹھے ہیں اور نیچے غاروں کے اندر ان کے بچے بھرے پڑے ہیں۔ ان کی شکلیں بالکل انسانوں جیسی تھیں۔ صرف آنکھوں اور انگلیوں کی ساخت میں قدرے فرق تھا۔ میں نے جنات کے اس قافلے کو اوّل سے آخر تک دیکھا۔

جولوگ ان غیبی اسرار سے واقف ہیں کہ ان غیبی واقعات کے دیکھنے کے وقت سالک کو ایک گونہ غیبت ضرور لاحق ہوتی ہے۔ لیکن وہ بالکل ہوش اور حواس کی حالت میں پوری طرح بیدار اور ہوشیار ہوتا ہے۔ جنات کے عالم میں داخل ہوتے وقت سالک کو ہلکی سی غیبت حاصل ہوتی ہے اور عالمِ ملکوت میں اس سے زیادہ گہری غیبت زندہ دل سالک پر مسلط ہوتی ہے۔ لیکن عالمِ ارواح میں داخل ہوتے وقت موت کی سی بھاری غیبت میں عارف مستغرق ہوتا ہے۔ جنات کے عالم سے واپسی پر سالک کو ایک ہی جنبش اور حرکت سے بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔ عالمِ ملکوت سے دو دفعہ بیدار ہونا پڑتا ہے اور عالمِ ارواح سے تین دفعہ بیداری حاصل کی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں مبتدی سالک عجیب شش و پنج میں مبتلا ہوتا ہے کیوں کہ وہ اپنے آپ کو بیدار سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی تک غیب کی دنیا میں محصور ہوتا ہے۔

جن بعض انسانی عورتوں سے تعشق پیدا کر لیتے ہیں اور ان سے مردوں کی طرح جماع کرتے ہیں اور اگر جن کے جماع سے انسانی عورت کے رحم کے اندر نطفہ استقرار پکڑ لے تو اس سے دوغلی قسم کے آسیب زدہ اور کاہن مزاج بچے پیدا ہوتے ہیں۔ یورپ کے پیدائشی اور فطرتی میڈیم (وسیط) ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک اصحابی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے اپنے عورت کی فرج کے اندر آگ نظر آتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کسی جن شیطان کے جماع کا اثر ہے۔ اس واسطے حدیث میں آیا ہے کہ اپنی عورت سے ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھی جائے: اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِیْ مِنَ الشَّیْطَانِ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ عَنِّیْ۔ ترجمہ: ”اے اللہ مجھے جن شیطان سے بچا اور شیطان کو مجھ سے دور رکھ۔“

بیہقی نے ایک قصہ حضرت امام زین العابدینؒ سے ارسال کے طور پر ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”پہلے پہل آں حضرت ﷺ کی بعثت کی خبر مدینے میں ایک جن کے ذریعے پہنچی تھی۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک جن مدینے کی ایک عورت سے تعشق رکھتا تھا۔ وہ جن ہمیشہ رات کے وقت اندھیرے میں جب لوگ سو جاتے تھے انسانی شکل اختیار کر کے اس عورت کے پاس آ جایا کرتا تھا اور مردوں کی طرح اس عورت سے مجامعت کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ یکا یک بہت روز تک اس جن کا آنا جانا موقوف ہو گیا۔ پھر

کافی عرصہ کے بعد ایک رات حسبِ معمول جب وہ آ نکلا تو اس عورت نے اس سے دریافت کیا کہ تو اتنے دن تک کہاں تھا اور میرے پاس کیوں نہیں آیا۔ اس جن نے جواب دیا کہ تجھے معلوم ہے کہ مکہ شہر میں خدا کا ایک برگزیدہ اور سچا نبی ﷺ ظاہر ہوا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پر ایمان لے آیا ہوں اور چونکہ اس کی شریعت میں زنا حرام ہے اس لیے میں تیرے پاس اتنا عرصہ نہیں آیا اور نہ آئندہ آ سکوں گا۔ اب میں تیرے اس کام کا نہیں رہا۔“ یہاں بھی ایک جن نے انسانوں کو اسلام کی طرف بلانے کی کوشش کی۔

ابن عساکر اور خرائطی نے مرداسؓ ابن قیس دوسی سے روایت کی ہے کہ ایک دن آں حضرت ﷺ کی مجلس میں کاہنوں اور کہانت کا ذکر چھڑا اور لوگ اس بارے میں اپنے چشم دید واقعات اور حالات بیان کرنے لگے۔ مرداسؓ کہتا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت ﷺ! مجھے اس معاملے میں ایک بہت ہی عجیب اتفاق ہوا ہے کہ جو سننے کے قابل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے بیان کرو تا کہ ہم بھی سنیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ ایامِ جاہلیت میں ہمارے پاس ایک لونڈی تھی۔ اس کا نام خلصہ تھا۔ اس لونڈی نے ایک روز ہمیں بتایا کہ ان دنوں مجھ پر عجیب حالت گذر رہی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ تم کہیں مجھے زنا کاری کا اتہام اور حرام کاری کا الزام نہ دے دو۔ اس لیے میں بیان کرتی ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ رات کے وقت ایک سیاہ فام غیبی وجود مجسم ہو کر مجھ پر چڑھ بیٹھتا ہے اور جس طرح مرد عورت سے صحبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ اسی طرح مجامعت کرتا ہے۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد اس لونڈی کو حمل ہو گیا اور وہ وقتِ معینہ پر ایک بچہ جنی جس کے کان کتے جیسے تھے اور اس کی شکل بھی عام مردوں کی طرح نہ تھی۔ چنانچہ جب وہ کچھ سیانا اور بڑا ہوا تو کہانت کی سی باتیں کرنے لگا اور آئندہ کے واقعات اور غیب کی خبریں بتایا کرتا۔ ایک دن اس نے ہمیں بتایا کہ تمہارے دشمن فلاں جگہ تمہاری گھات میں ہیں۔ جب ہم وہاں گئے تو ہم نے اسی طرح ان کو وہاں موجود پایا۔ اس طرح وہ ہمارے درمیان کہانت میں مشہور ہو گیا۔ پھر اس نے یکا یک کہانت اور غیب کی باتیں کہنا چھوڑ دیں اور اگر کوئی بات کہتا تو وہ غلط ثابت ہوتی۔ آخر ہم نے اسے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے اور تیری باتیں اب کیوں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے تین دن رات ایک علیحدہ مکان کے اندر بند

کر دو اور پھر مجھے نکالو۔ تب میں اصل واقعہ بیان کرنے کے قابل ہوں گا۔ چنانچہ ہم نے ایسا کیا۔ جب وہ تیسرے روز نکالا گیا تو وہ کہانت کے طور پر یوں بولنے لگا کہ ''مکہ میں خدا کا ایک مقدس نبی ﷺ ظاہر ہوا ہے جس کے ظہور کے باعث اب جن شیاطین آسمان پر جانے اور غیب کی باتیں لانے سے روک لیے گئے ہیں۔'' یہ بھی ایک جن کے ذریعے اسلام کی طرف انسانوں کو بلانے کا واقعہ ہے۔

اس فقیرؒ کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ہمارے گھر کے نزدیک ایک بیوہ عورت رہتی تھی جو بہت نیک اور پاک دامن تھی۔ میری موجودگی میں ہماری والدہ صاحبہ نے بطور نصیحت اسے کہا کہ بہن تو بیوہ عورت ہے اور تیری چال چلن کے متعلق بھی ہمیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں گذرتا۔ لیکن تو کیوں اس طرح بیاہی ہوئی عورتوں کی طرح بنی ٹھنی رہتی ہے اور جوان شوہر دار عورتوں کی مانند ہار سنگار کرتی ہے۔ تیرے اس معاملے پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس پر وہ عورت رو پڑی اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے ہماری والدہ صاحبہ سے کہا بہن! میں تجھے کیا بتاؤں میرا معاملہ بہت ہی عجیب ہے۔ چنانچہ اس نے قسم کھا کر کہا کہ بات یہ ہے کہ رات کے وقت ایک جن مجسّم (MATERIALISE) ہو کر میرے پاس آیا کرتا ہے اور مردوں کی طرح میرے ساتھ ہم کنار اور ہم صحبت ہوتا ہے اور جس رات وہ مجھے میلی کچیلی پاتا ہے تو مجھ پر بہت غصے ہوتا ہے اور ستاتا ہے کہ آج تو نے اپنے آپ کو کیوں نہیں سنوارا۔ چنانچہ وہ مجھے بہت دِق کرتا ہے اور ساری ساری رات میری نیند حرام کر دیتا ہے۔ غرض میں اس جن کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اس لیے اس موذی ظالم کی خاطر اپنے آپ کو سنوارتی ہوں اور بناتی ہوں۔ میں چونکہ ان دنوں ابھی بچہ تھا اس لیے مجھے اس عورت کی ان باتوں پر تعجب ہوا۔

غرض خاص خاص مخصوص حالات کے ماتحت جن مردوں کا انسانی عورتوں کے ساتھ اور انسان مردوں کا جن عورتوں کے ساتھ مجامعت کرنے کے واقعات دنیا میں عام ہیں۔ اس سے تعجب ہرگز نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ جن ہماری طرح ایک مخلوق ہیں اور ہمارے بہت قریب رہائش رکھتے ہیں۔

عطا ابنِ یسار، عبداللہ ابنِ مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں

حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ مکہ سے کوہِ صفا کی طرف جا نکلا۔ ہم نے کفارِ قریش کو وہاں ایک بت کی پرستش میں مشغول پایا۔ آں حضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ''اے گروہِ قریش اس بت پرستی اور شرک سے باز آ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو۔'' اس پر ان میں سے ولید پلید نے ابوجہل سے کہا: ''اے ابوالحکم! اگر تو چاہے تو میں اس شخص یعنی محمد ﷺ کو لاجواب اور شرمندہ کر دوں۔'' ابوجہل نے جواب دیا: ''اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے۔'' تب ولید پلید اٹھا اور اس بت کو اپنی گردن پر رکھے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا: ''اے محمد ﷺ! تو جو کہتا ہے کہ میرا خدا مجھے میری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ لیکن اب دیکھ کہ میرا خدا یعنی یہ بت تو میری گردن پر میری شہ رگ کے نزدیک لگا ہوا نظر آ رہا ہے۔ تو اپنا خدا مجھے اس طرح شہ رگ کے نزدیک دکھا دے۔'' آنحضرت ﷺ نے جب ولید پلید کی یہ گستاخانہ اور جاہلانہ حجت بازی سنی تو آپ ﷺ نے اسے کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر وہ سب بت پرست کھل کھلا کر ہنس پڑے اور پھر اس بت کی پرستش میں مشغول ہو گئے اور اس کے سامنے سربسجود عرض کرنے لگے: ''اے ہمارے آقا اور سردار! محمد ﷺ کے قتل میں ہماری امداد کیجیو۔'' تب اس بت کے اندر سے چند عربی اشعار سنائی دیئے۔ جن میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کی ہجو اور شکایت تھی۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کے قتل کی ترغیب تھی۔ اس معاملہ سے آنحضرت ﷺ ملول خاطر ہو کر وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ابنِ مسعودؓ کہتے ہیں کہ واپس جاتے ہوئے میں نے آں حضرت ﷺ سے پوچھا: ''یا حضرت ﷺ! آپ ﷺ نے بت کی باتیں سنیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، یہ ایک شیطان ہے جو بتوں کے اندر داخل ہو کر کافروں کے سامنے انبیا علیہم السلام کی ہجو اور شکایت کرتا ہے اور کافروں کو انبیا علیہم السلام کے قتل کی ترغیب دیا کرتا ہے اور سوائے اس ملعون کے اور کوئی شیطان انبیا کی ہجو اور شکایت نہیں کرتا۔''

ابنِ مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے دو تین روز بعد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ غیبی طور پر کسی کہنے والے نے آپ ﷺ پر سلام کہا۔ لیکن بظاہر ہمیں کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تب آپ ﷺ نے اُسے سلام کا جواب دے کر پوچھا کہ آیا تو اہل

آسمان سے ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ آیا تو جن ہے۔ اس نے کہا ''ہاں میں جن ہوں۔'' آپ ﷺ نے اس سے آنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ ''میں نے اپنے چچا زاد بھائی سے سنا کہ مسعر نامی جن نے بت کے اندر سے کوہِ صفا پر حضور ﷺ کی شان میں گستاخانہ اور بے ادبانہ باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ آج میں اس سے آپ ﷺ کا انتقام لینے گیا اور اسے کوہِ صفا پر پایا اور ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا ہے اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا ہے۔ اور میں حضور ﷺ کے پاس اس امر کی اطلاع دینے آیا ہوں۔ آپ ﷺ براہِ مہربانی صبح سویرے کوہِ صفا پر تشریف لے چلیں کہ اس وقت وہ مشرک اس بت کی پوجا پاٹ میں مشغول ہوں گے تو اس وقت اس بت کے اندر سے میں ان لوگوں کے منہ پر آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے دین کی تعریف کروں گا تاکہ وہ شرمندہ اور شرمسار ہوں۔'' آں حضرت ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا میرا نام سحج ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے اس سے بہتر نام سے موسوم کردوں۔ اس نے عرض کیا ''ہاں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج سے تیرا نام عبداللہ ہے۔''

ابنِ مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب ہم صبح کو کوہِ صفا پر گئے تو مشرک حسبِ معمول اس بت کی پرستش میں مصروف تھے۔ آں حضرت ﷺ نے پھر کلمۂ توحید کی تلقین فرمائی جس سے ان کا غرور اور طغیان اور بڑھ گیا اور پھر اس بت کی منت اور سماجت کرنے لگے کہ وہ آں حضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کی ہجو اور شکایت کرے۔ لیکن خلافِ معمول جب اس بت کے اندر سے مومن جن نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے دین کی تعریف کی اور توصیف میں چند عربی اشعار پڑھے تو جوں ہی ان مشرکوں نے اپنے بت کی زبانی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے دین کی تعریف سنی وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور اس بت کو پتھر مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس فقیر نے جنّوں کو بہت دفعہ بالکل ہوش و حواس اور بیداری کی حالت میں اپنے پاس آتے دیکھا ہے۔ بہت دفعہ وہ اپنے بیماروں کو لا کر دم کراتے اور اپنی حاجات کے لیے دعائیں کراتے۔ ایک دفعہ فرقہ جنّات کا بادشاہ اس فقیر کو ملا جو اونچے لمبے قد کا سفید خوبصورت جوان تھا۔ میں نے اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام مختفہ بتایا۔ مذکورہ

بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں بت پرستی کے رواج پانے کی اصلی وجہ جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی پرفریب کارستانیاں اور بتوں کے اندر سے ان کی مشرکانہ دروغ بیانیاں تھیں۔ ورنہ اشرف المخلوقات، ذی شعور اور صاحبِ عقل انسان ہزارہا سال کیوں کر بے وجہ اپنے پتھر اور دھات کے بنائے ہوئے بتوں اور مورتیوں کی پوجا اور پرستش پر قائم چلے آتے رہے ہیں۔ نیز مذکورہ بالا روایات سے ایک نئی بات یہ بھی ثابت ہوگئی ہے کہ ابتدا سے مسلمان جنّات بھی مسلمان انسانوں کے دوش بدوش مذہبِ اسلام اور توحید کی تبلیغ، دعوت اور جہاد میں شریک رہے ہیں اور انہوں نے بھی اس دینی خدمت میں بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔

بعض مغرب زدہ کورچشم لوگ ان غیبی لطیف مخلوق جنّات کے وجود کے قائل نہیں اور قرآن اور احادیث میں جنّات کا جو صحیح ذکر آتا ہے اس کی بہت ناروا تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنگلی اور وحشی لوگ ہیں۔ چونکہ ان دل کے اندھوں نے کبھی تمام عمر اس قسم کی کوئی غیبی مخلوق نہیں دیکھی ہوتی لہٰذا کہتے ہیں کہ جو چیز ہمیں معلوم اور محسوس نہیں اس کے وجود کو ہم کیوں کر مانیں۔ اور اگر کوئی شخص جنّات کے متعلق اپنا کوئی واقعہ یا مشاہدہ بیان کرے تو اسے کئی حیلوں، بہانوں اور حجتوں سے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں کہ مرگھٹوں اور گورستانوں کے اندر اکثر ہڈیاں ہوتی ہیں اور ہڈیوں میں چونکہ فاسفورس ہوتی ہے جو رات کو کبھی کبھی ہوا کے جھونکے سے جل اٹھتی ہے اور ہوا میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جاہل توہم پرست عوام جنگل میں اس قسم کی اڑتی ہوئی آگ کو جب دیکھتے ہیں تو اسے جن، پری اور دیو کے مظاہرے اور کارنامے شمار کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ رات کو جب کوئی شخص اکیلا جنگل میں جا رہا ہوتا ہے تو ایسے وقت میں وہمی آدمی کے دل میں خواہ مخواہ جن پری وغیرہ کا خیال آ جاتا ہے تو اس وقت اس کی قوتِ متخیلہ خود بخود ایسی موہوم شکل سامنے لے آتی ہے اور ان کے آئینۂ خیال میں ایسی موہوم صورت فوراً نمودار ہو کر متشکل ہو جاتی ہے۔ سو وہمی آدمی انہیں جن، پری اور دیو خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ غرض مذکورہ بالا اور اس قسم کی دوسری جھوٹی حجتیں اور دلیلیں قرآنی حقائق کو جھٹلانے کے لیے کس قدر لغو، بے ہودہ اور بودی تاویلیں ہیں۔ بھلا جن لوگوں نے ان غیبی لطیف مخلوق کو بے شمار

دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بھالا ہوانہیں بیداری اور ہوش وحواس کی حالت میں محسوس اور معلوم کیا ہو اور ان سے معاملات اور کاروبار میں بارہا امداد لی ہو وہ ان بے ہودہ حجتوں کو گوزِخر سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے۔ یہ لوگ اگر کسی جن کے آسیب زدہ مریض شخص کو دیکھتے ہیں تو پہلے اسے کسی عصبی یا دماغی امراض سے منسوب کرتے ہیں اور اگر کسی عورت کو اس قسم کے آسیب میں مبتلا پاتے ہیں تو اسے اس عورت کا مکر یا اُسے ہسٹیر یا وغیرہ خیال کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو ان غیبی موذیوں سے واسطہ پڑجاتا ہے یا جو ان غیر مرئی بلاؤں اور آفتوں کے آسیب اور آزار میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ تو کبھی انکار نہیں کرتے۔ لیکن پھر بھی دنیا میں دل کے اندھوں اور مادی گدھوں کی کمی نہیں ہے جو سرے سے تمام عالمِ غیب جن، ملائکہ، ارواح، یومِ آخرت، دوزخ، جنت وغیرہ حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ کے وجود کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ایسے کور چشم شقی القلب مادرزاد اندھوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو اس قسم کی نصیحت کرنا بے سود ہے۔ یہ لوگ اگر اسی طرح بے خبری اور غفلت میں مرجائیں تو بہتر ہے۔

با مدعی مگوئید اسرارِ عشق و مستی   تا بے خبر بمیرد درعین خود پرستی   (حافظ)

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے جنات کو بنی آدم کی طرح ایک الگ مخلوق کی طرح خطاب فرمایا ہے اور ان کی تخلیق کو انسانی تخلیق سے پہلے اور سابق بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ o(الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۶)۔ ترجمہ: ’’نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسان کو مگر اپنی عبادت کے لیے۔‘‘ قولہٗ تعالیٰ: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا ط (الانعام ۶ : ۱۳۰)۔ ترجمہ: ’’اے جن اور انسان کے گروہ! کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے اور کیا انہوں نے تمہارے سامنے ہماری آیتیں بیان نہیں کیں اور اس یومِ قیامت سے نہیں ڈرایا۔‘‘ قولہٗ تعالیٰ: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ط (الرحمٰن ۵۵ : ۳۳)۔ ترجمہ: اے فرقۂ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل دیکھو۔‘‘ غرض اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ انسانوں کے ہمراہ جنات کو بھی قرآنِ کریم میں خطاب فرمایا اور ان کی خلقت

آگ سے بیان فرمائی ہے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ o وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ o (الرحمٰن ۵۵ : ۱۴-۱۵)۔ ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ نے انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی طرح بنایا ہے اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا کیا ہے۔‘‘ غرض جو لوگ قرآن کو مانتے ہیں وہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ جنات سے مراد جنگلی لوگ ہیں۔ بلکہ ان کا یقین ہے کہ جن انسانوں کی طرح مکلّف مخلوق ہیں اور ہمارے قریب اسی زمین پر رہتی سہتی ہے۔ اور ان میں بعض انسانوں کی طرح کافر، مشرک، فاسق اور فاجر ہوتے ہیں اور بعض مؤمن، مسلمان، دیندار، نیک، متقی اور صالح ہوتے ہیں۔ اور ان کی الگ الگ قومیں اور نسلیں ہیں اور ان کی مختلف شکلیں، صورتیں اور رنگ و روپ ہیں۔

عربی زبان میں لفظ ’’جن‘‘ چھپنے اور پوشیدہ ہونے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا (الانعام ۶ : ۷۶)۔ یعنی ’’جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے ستارے کو دیکھا۔‘‘ کیونکہ یہ ایک پوشیدہ غیبی لطیف مخلوق ہے اس واسطے اسے ’’جن‘‘ لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور شیطان ابلیس بھی جن کی قسم سے تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط (الکهف ۱۸ : ۵۰)۔ یعنی ’’شیطان بھی فرقۂ جن میں سے تھا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے امر سے پھر گیا تھا۔‘‘ اور چونکہ بعض جن جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ سانپ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اس واسطے قرآن کریم میں سانپ کے لیے ’’جآنّ‘‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَاَنْ اَلْقِ عَصَاکَ ط فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ کَاَنَّهَا جَآنٌّ (القصص ۲۸ : ۳۱)۔ ترجمہ: ’’اور ہم نے موسیٰ سے کہا کہ اپنی عصا کو زمین پر ڈال دے۔ پس اس نے اپنے عصا کو دیکھا کہ وہ ہلتا جلتا ہے گویا کہ وہ ایک بڑا سانپ ہے۔

واضح ہو کہ ان جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی بہت سی اقسام ہیں اور ان کی علیحدہ اوصاف اور الگ الگ کام ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک قسم وہ ہے جو کسی گھر یا مکان کے اندر سکونت اختیار کر لیتی ہے اور اس گھر کے رہنے والوں کو خواب اور بیداری میں ڈراتی ہے اور دکھ اور آزار پہنچاتی ہے۔ دنیا کے ہر شہر میں کوئی نہ کوئی ایسا گھر اور مکان ضرور ہوتا ہے جن میں یہ عامر جن رہائش رکھتے ہیں۔ ایسے مکان اور گھر کو عرفِ عوام میں ’’بھارا‘‘ اور آسیب

زدہ کہتے ہیں۔ یورپ میں ایسے مکانوں کو ہانٹیڈ ہاؤسز (Haunted Houses) کہتے ہیں۔ ایسے مکانوں میں جن مختلف حرکتیں کرتے ہیں۔ بعض اوقات گھر کے رہنے والوں پر اینٹیں اور پتھر برساتے ہیں۔ بعض جگہ پاخانہ اور گندگی گراتے ہیں۔ کئی گھروں کے دریچوں اور الماریوں سے چیزیں نیچے گراتے اور توڑتے پھوڑتے رہتے ہیں۔ بعض گھروں میں کپڑوں اور سامان کو آگ لگاتے ہیں۔ غرض طرح طرح کی حرکتیں روزِ روشن میں لوگوں کی نظروں کے سامنے کرتے ہیں۔ یورپ کے سپر چولسٹس (SPIRITUALISTS) نے ایسے مکانوں کی ریسرچ کے لیے اس عمل کے چند ماہرین کی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو اس قسم کے ہانٹیڈ ہاؤسز کا پتہ لگا کر ان کی تحقیقات کرتی ہے اور ان کے حالات قلم بند کر کے اپنی سوسائٹی کو بھیجتی ہے اور وہ حالات اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ مسلمان جن اگر کسی مسلمان آدمی کے مکان میں رہائش اختیار کر لیں تو وہ گھر والوں کو دکھ اور آزار نہیں پہنچاتے۔ بلکہ وہ ان گھر والوں کی دوسرے کافر جنات سے حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے جن ہمارے گھروں میں ہمارے پالتو جانوروں، بلیوں اور کتوں کی طرح رہائش رکھتے ہیں۔ لیکن کافر جن اگر کسی مسلمان کے گھر میں سکونت اختیار کر لے تو اس گھر والوں کو ضرور ستاتا ہے۔ ایسے آسیب زدہ گھر ہر شہر میں پائے جاتے ہیں۔ اکثر غیر آباد اور تاریک مکانوں میں جن بسیرا کیا کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ شام کے بعد اپنے مکانوں کے دروازوں کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے کیوں کہ ایسے وقت میں بعض مسافر جن آ کر ان میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ جن گھروں میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی جائے یا نماز اور ذکرِ الٰہی کا شغل جاری رہے وہاں جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کا بہت کم دخل ہوتا ہے۔

دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند

(رومی)

جن بعض اوقات غیر وزن شدہ مال، جنس، اور غیر شمار شدہ نقدی میں سے چوری اٹھا لیتے ہیں۔ بعض گھروں اور دکانوں کی برکت سلب کر لیتے ہیں۔ گھروں میں فساد اور جھگڑے کا موجب بنتے ہیں۔ دلوں میں حسد، کینے، بغض اور عداوت کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ خاوند، بیوی اور دوستوں کے درمیان تفرقہ اور عداوت پیدا کرتے ہیں۔

جن، شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں پر مسلط ہو جایا کرتی ہے جس سے ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور سخت لاعلاج امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ظاہر حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے ہرگز علاج پذیر نہیں ہوتے۔ بعض دفعہ یہ جسم کے کسی خاص عضو کو آسیب زدہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جسم کے اس خاص حصے اور عضو کو آزار پہنچ جاتا ہے اور وہ عضو شل، مفلوج اور بے کار ہو جاتا ہے یا اس پر کوئی زخم نمودار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کے شیطانی و جنونی آسیب کا انکار کرتے ہیں گویا وہ حقائقِ قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں حضرت ایوب علیہ السلام کی زبانی فرماتے ہیں: اَنِّی مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ○ (صٓ ۳۸: ۴۱)۔ یعنی شیطان نے مجھے چھو کر اپنے آسیب سے دکھ اور عذاب میں مبتلا کر دیا۔ بعض دفعہ وہ آسیب زدہ عضو سخت درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض انسان کے دل اور دماغ پر جب شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو وہ یا تو مجنون اور دیوانہ ہو جاتا ہے یا اسے بعض وقت اس آسیب کا دورہ ہوتا رہتا ہے۔ ان کے آزار پہنچانے کے بہت طریقے ہیں۔ بعض عضو سے حرارتِ عزیزی اور نورِ حیات سلب اور خارج کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ عضو ٹھنڈا، بے حس اور مفلوج ہو جاتا ہے۔ اور بعض عضو کے اندر اپنی ناری حرارت اور خبیث مادہ داخل کر دیتے ہیں جس سے وہ عضو اس جنونی حرارت سے جل کر دردناک ہو جاتا ہے۔ یا اس عضو کا خون فاسد ہو جاتا ہے اور وہاں دانہ دنبل یا کوئی لاعلاج پھوڑا نکل آتا ہے۔ ان امراض کے اسباب اور علل کی طبی تشریح اور توجیہہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن مذکورہ بالا حقائق اپنی جگہ مسلّم ہیں۔ بعض انسانوں پر جن شیاطین جب مسلط ہو جاتے ہیں تو ان کے دورے کے وقت وہ سر ہلاتے ہیں اور کھیلتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ان کے سامنے گانا بجانا، سرود اور راگ وغیرہ کا شغل کیا جائے۔ یورپ میں اس قسم کے آسیب زدہ مرد یا عورت کو میڈیم (وسیط) کہتے ہیں۔ اس کے اردگرد حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور اس کے سامنے گاتے ہیں۔ جن شیطان جب آسیب زدہ پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ اس کی زبانی بولتا ہے۔ یورپ کے سپر چولسٹس نے اس چیز کو ترقی دی ہے اور گا ہے میڈیم سے علیحدہ اسی مکان میں آ کر مختلف زبانوں میں جن باتیں کرتا ہے۔ چونکہ وہاں گھر گھر اس قسم کے حلقے کیے جاتے ہیں اس لیے وہاں جن بھوت بہت کثرت سے لوگوں پر مسلط ہونے لگ گئے

ہیں اور اس قسم کے جنونی آسیب اور آزار وہاں بہت عام ہوگئے ہیں۔ اس قسم کے آسیبی آزار اور جنونی دکھ اور امراض کا علاج بھی جن شیطانوں کے ذریعے کیا جاتا ہے یعنی جن اشخاص پر معالج قسم کے قوی اور طاقتور جن بھوت مسلّط کیے جاتے ہیں ایسے جن شیطان اپنے میڈیم سے کہتے ہیں کہ تم روحانی علاج کا شغل اختیار کرو۔ چنانچہ ایسے میڈیم ہیلنگ چرچز (HEALING CHURCHES) کھول لیتے ہیں اور روحانی علاج میں مشہور ہوجاتے ہیں۔ ان کے وہاں گھر گھر روحانی حلقوں کے سبب وہاں اس قسم کے آسیب زدہ جنونی مریض بھی چونکہ بکثرت ہوگئے ہیں لہٰذا ان ہیلنگ چرچز یعنی روحانی علاج گھروں پر مریضوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔ ایک مخصوص وقت میں جب کہ ہیلر میڈیم (HEALER MEDIUM) یعنی روحانی معالج پر جن بھوت مسلط ہوتا ہے وہ مریضوں کو چھو کر اچھا کرنے اور سلبِ امراض کے لیے اپنے مکان سے نکلتا ہے۔ قسم قسم کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتا جاتا ہے اور طرح طرح کے پاسز (PASSES) کرتا ہے۔ جس سے بعض مریض تو فوراً اچھے ہوجاتے ہیں۔ اس وقت حاضرین اور تماشائیوں سے تعریف و تحسین کا ایک بڑا شور و غل اٹھتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کے روحانی علاج کا خوب سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ بعض مریضوں کو کچھ افاقہ ہوجاتا ہے۔ جو مزید روحانی علاج کے لیے اس روحانی ہسپتال میں داخل ہوجاتے ہیں۔ ان ہسپتالوں میں روحانی علاج کا کافی سٹاف اور اچھا خاصہ عملہ رہتا ہے جو دن رات اس قسم کے علاج معالجوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان مریضوں سے کافی اجرت اور بڑی بڑی رقمیں بطور فیس وصول کرتے ہیں۔ غرض ان جنونی اور شیطانی مریضوں کا علاج بھی غالب اور قوی جن شیاطین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس آسیب زدہ عضو پر میڈیم ہاتھ پھیرتا ہے، حالانکہ اس عضو کو پہلے کسی جن بھوت نے اپنے لمس سے ٹھنڈا، بے حس اور مفلوج کیا ہوا ہوتا ہے، تو وہ معالج جن بھوت کے دوبارہ چھونے سے گرم ہوکر تندرست ہوجاتا ہے۔ یا اگر گرم ہوتا ہے تو ٹھنڈک پہنچانے سے ٹھیک ہوجاتا ہے۔ اس روحانی علاج کا یورپ میں بڑا چرچا ہے۔ اسی ہیلنگ پاور (HEALING POWER) اور جنونی طاقت پر وہ لوگ بڑا فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگلے پیغمبر مثلاً عیسیٰ علیہ السلام جو کوڑھی اور جذامی مریضوں کو ہاتھ سے چھو کر اچھا اور

تندرست کردیا کرتے تھے ان کے پاس بھی یہی روحانی طاقت تھی۔ حالانکہ اسلامی نقطۂ نگاہ میں اور صوفیہ اور فقراء کے نزدیک اس قسم کے جنونی اور سفلی شعبدوں کو نہایت حقارت اور عیب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ افریقہ اور امریکہ کے قدیم باشندوں اور ہندوستان، چین اور تبت کے لوگوں میں اس قسم کے سفلی عاملین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جو محض چھونے اور ہاتھ لگانے سے آسیبی مریضوں کو اچھا کردیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اس قسم کی سفلی جنونی دکانیں موجود ہیں جو اس قسم کا علاج جوتی کی نوک سے کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ڈیرہ اسماعیل خان میں شیخ یوسف صاحبؒ جنات کے ایک بڑے عامل ہوگذرے ہیں اور آج تک ان کی اولاد ان کے مسخر کردہ جنات سے کام لے رہی ہے۔ ان کے مکان پر جب اس قسم کے مریض پکڑے ہوئے آتے ہیں تو وہ ان جن بھوتوں کی جوتیوں سے مرمت کرتے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ جنوں کو جوتا سنگھاتے ہیں تو جن فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ چنانچہ دور دور سے جوڑوں کے درد اور ریحی دردوں کے مریض لائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوتے ہیں لیکن وہ فوراً ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام کا تو اس قسم کی باتوں میں ذکر کرنا ہی سوءِ ادب اور گستاخی ہے۔ اولیائے کرام کے نزدیک بھی اس قسم کے سفلی عمل کو پرِکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا جاتا۔

ان جن شیاطین کی ایک تیسری قسم ہے جو مرگھٹوں اور قبرستانوں کے اندر رہتی ہے۔ یہ جن زندگی میں انسانوں کے ہمراہ رہنے والے طبعی جن اور ہمزاد شیاطین ہوتے ہیں۔ جو موت کے بعد جسدِ عنصری سے جدا ہوکر کچھ عرصہ متوفی لوگوں کی قبروں اور مرگھٹوں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ جن شیاطین اکثر مردوں کے پس ماندہ خویش و اقارب پر بعض اوقات مسلط ہوجاتے ہیں۔ ہندو لوگوں میں یہ عقیدہ عام طور پر پایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد مردہ کی روح بھوت بن کر مردہ کے خویش و اقارب پر بعض دفعہ مسلط ہوجایا کرتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ جب کبھی اپنے مردے جلانے کے لیے مرگھٹ پر جاتے ہیں تو اپنا لباس اور حلیہ تبدیل کرکے لے جاتے ہیں اور متوفی کے خویش و اقارب تو حلیہ کی تبدیلی میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اپنے مردہ کے بعد سر، ڈاڑھی اور مونچھوں تک منڈوا ڈالتے ہیں تاکہ

موت کے بعد ان کے متوفی کی روح بھوت بن کر انہیں پہچان نہ سکے۔ اس طرح سے یہ لوگ اس کے تسلط سے بچاؤ کی تدبیر کرتے ہیں۔ نیز ہندو لوگوں میں یہ بھی رواج ہے کہ مرگھٹ میں جس وقت یہ لوگ اپنا مردہ جلاتے ہیں اور مردے کی کھوپڑی جل کر تڑاخ سے پھٹتی ہے تو وہاں جس قدر ہندو جمع ہوتے ہیں سب کے سب الٹے پاؤں شہر کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور پیچھے دیکھنے کا نام نہیں لیتے۔ دراصل ان کا یہ خوف بے وجہ نہیں ہوتا۔ مردہ کی روح بھوت نہیں بن جایا کرتی بلکہ اس کا ہمزاد جن شیطان جو پیدائش سے اس کے ساتھ لگا رہتا ہے موت کے بعد اس کے جسدِ عنصری سے الگ ہو جایا کرتا ہے اور ممکن ہے وہ جن شیطان موت کے بعد متوفی کے کسی خویش یا دوسرے شخص پر مسلط ہو جاتا ہے۔

جن شیاطین کا ایک چوتھا گروہ ہے جو بوچڑ خانوں اور مذبح گاہوں کے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے اور جانوروں کے خون اور ہڈیوں وغیرہ سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر، ہڈی اور کوئلے سے استنجا کرنے سے اپنے اصحاب کو منع کیا اور فرمایا کہ یہ چیزیں جنات کی غذا اور خوراک ہیں۔ جب ان سے استنجا کیا جائے یا گوشت کھاتے وقت ہڈی کو چبایا جائے تو پھر وہ جنات کی خوراک کے قابل نہیں رہتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جن ہڈی، گوبر اور کوئلے کو بجنسہٖ کھا نہیں لیتے بلکہ ان میں سے فاسفورس اور کاربن کی قسم کی خارج ہونے والی گیسوں میں ان کی غذا موجود ہوتی ہے۔ بوچڑ خانوں اور مذبح گاہوں کے پاس اس قسم کے جن اپنی مخصوص غذا حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔

ان میں پانچواں گروہ وہ ہے جو ہر وقت فضا میں طیران اور پران رہتا ہے۔ یہ جن پرندوں کی طرح ہوا میں چکر لگاتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے تخت کو اس قسم کے جن اٹھائے رہتے تھے۔ اس قسم کے جن اپنے عاملوں کو مختلف ممالک کی سیر کراتے ہیں۔ ان جنات کے عامل ہوا میں اڑتے ہیں اور طے الارض کرتے ہیں۔ تبت کے علاقے میں اس قسم کے عامل پائے جاتے ہیں۔

ان کا چھٹا گروہ آگ کے قرب و جوار میں رہتا ہے۔ یہ اصل ناری جن شیاطین ہوتے ہیں۔ اگر یہ جن کسی شخص پر مسلط ہو جائے تو وہ انگارے کھاتا اور شعلے نگلتا ہے۔

ان جنات کے عامل آگ میں گھس جاتے ہیں اور صحیح سلامت نکلتے ہیں۔ آتش پرستوں کے آتش کدوں کے اندر یہ جن شیاطین سکونت رکھتے ہیں اور آتش پرستوں کے سامنے آتش کدوں میں سے طرح طرح کے کرشمے دکھاتے ہیں اور ان کو غیبی بشارتیں اور اشارتیں دے کر آتش پرستی پر قائم رکھتے ہیں۔ قدیم زمانے میں آتش پرستی کے رواج پا جانے کا باعث یہی جن شیاطین ہیں۔ یہ جن اور شیاطین گاہے گاہے سوتے میں جب انسان کے کان کی لَو یا انگلی کو چھوتے ہیں تو وہ جل اٹھتی ہے۔ ان جنات کا تسلط بہت دردناک عذاب ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص پر اس قسم کا جن شیطان مسلط ہو گیا تھا۔ اس کے گھر والے چوبیس ۲۴ گھنٹے اس کے سینے پر پانی ڈالتے رہتے تھے۔ تب اسے آرام آتا تھا۔ اگر ایک دم کے لیے پانی ڈالنا بند کر دیتے تھے تو وہ آدمی مارے درد اور جلن کے چیخ اٹھتا تھا۔

جن شیاطین کا ساتواں گروہ جنگلوں، باغوں اور کھیتوں کے اندر رہتا ہے۔ یہ جن درختوں اور جھاڑیوں پر بسیرا رکھتے ہیں۔ اس قسم کے جن بھوت مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں بعض بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور رنگ برنگ کی سرخ، زرد اور سبز وردیوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ بعض بڑے قوی ہیکل ہوتے ہیں۔ جو لوگ جنگل میں درخت کاٹتے ہیں وہ لوگ بعض دفعہ اس قسم کے جن شیاطین کے آسیب میں آ جاتے ہیں۔ قدیم زمانے سے بعض ہندو لوگ جو درختوں مثلاً جنڈ، پیپل اور بڑ وغیرہ کی پرستش آج تک کرتے چلے آتے ہیں اس پرستش کا باعث بھی یہی جن شیاطین ہوئے ہیں۔

آٹھواں گروہ ان شہوانی اور زانی جنوں اور شیاطین کا ہے جو جوان مردوں اور عورتوں پر مسلط ہو کر ان سے مجامعت کرتے اور کراتے ہیں۔ لوگوں میں زنا کی ترغیب اور تحریص کا موجب یہی جن شیاطین ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوطی قسم کے جن شیاطین ہوتے ہیں۔ جو لوگوں سے لواطت کے قبیح فعل کا ارتکاب فاعلی اور مفعولی دونوں صورتوں میں کرتے اور کراتے ہیں۔ یہ شیاطین جن لوگوں پر مسلط ہو جاتے ہیں وہ ہرگز کسی صورت میں اس فعلِ بد سے باز نہیں آتے۔ ان جن شیاطین کے لوطی تسلط اور تصرف سے بعض اشخاص اپنی جوان خوبصورت عورتوں سے منہ پھیر کر دیوانہ وار دن رات فطری وضع کے خلاف فعل کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ اور بعض مفعولیت کی صورت میں مرتے دم تک

دُوسرے سے یہ شرمناک اور حیاسوز فعل کراتے پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن شیاطین کے تسلط سے اِنسان کو محفوظ رکھے۔

ناواں گروہ وہ ہے جو اِنسانوں پر مسلط ہو کر انہیں بیمار کر دیتا ہے اور انسان کا خون چوستا ہے۔ یہ ظالم جنّ شیطان حیوان پر بھی مسلط ہو جایا کرتے ہیں۔ اکثر شیر دار گائے بھینس اور بکریوں پر ان کا تسلط ہو جاتا ہے۔ ان کے دودھ اور مکھن میں کمی بیشی میں ان کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ عورتیں جو دودھ دوہتی اور بلوتی ہیں ان کی اکثر شرارتوں سے بہت چلاتی ہیں۔ سچ پوچھو تو ان عورتوں کا چیخنا اور چلانا محض بے وجہ نہیں ہوتا اور یہ نِرا توہم بھی نہیں ہوتا جنّ شیاطین تعداد میں انسانوں سے زیادہ ہیں اور ان کی شرارتیں اور آزار بے شمار ہیں۔

اِن میں دسواں گروہ ان جنّ شیاطین کا ہے جو بتوں اور مورتیوں میں گھس کر لوگوں میں بت پرستی کے مشرکانہ رسم و رواج کا موجب بنا رہتا ہے۔ اس قسم کے جنّ شیاطین طرح طرح کے مکروفریب سے اپنے پجاریوں کو اپنی پرستش میں پھنسائے رکھتے ہیں۔ جب کبھی ان کے پجاری ان کی چوکی بھرنے یا سلام اور سجدے کے روزانہ فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو یہ جنّ شیاطین اُن پر اور اُن کے گھر والوں پر مسلط ہو کر انہیں ستاتے ہیں اور دُکھ آزار پہنچاتے ہیں۔ بعض چڑھاوے طلب کرتے ہیں اور قربانیاں مانگتے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ کی کالی دیوی جو ایک سخت خونخوار اور سفاک قسم کی بھوتنی ہے اس معاملے میں بہت مشہور چلی آتی ہے۔ یہ چڑیل دیوی اپنے پجاریوں سے اِنسانوں کی قربانی طلب کرتی رہی ہے اور جب تک کئی بے گناہ اس کی دہلیز پر ہر سال ذبح نہیں کیے جاتے تھے یہ اپنے پجاریوں اور پرستاروں سے ناراض سمجھی جاتی تھی اور اس کی پاداش میں اپنے مشرک پرستاروں کو سخت اذیتیں تکلیفیں پہنچاتی تھی۔ اس کی خوفناک ڈراؤنی سیاہ صورت جس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی بڑی مالا پڑی ہوئی ہے آج تک اس کے شیطانی ظلم و ستم کی شہادت دے رہی ہے۔ چونکہ انگریزوں کی عملداری میں یہ سفاکانہ اور مشرکانہ رواج قانوناً بند کر دیا گیا تھا اس واسطے اب ہر سال میلے پر بجائے انسانوں کے بکروں اور دیگر جانوروں کی قربانیاں دی جاتی ہیں۔

گیارھواں گروہ جنّ شیاطین کا وہ ہے جو کاہنوں ساحروں اور سفلی عاملوں کے پاس

غیب کی خبریں لاتا ہے یا اپنے عاملوں کے دم دھاگے، تعویذوں، جھاڑ پھونکوں اور ٹوٹکوں سحروں میں ان کی امداد اور اعانت کرتے ہیں اور یوں ان کے دم قدم سے ان کے سفلی عمل اور کالے علم کی دکان گرم رہتی ہے۔ اِس قسم کے سفلی عامل اپنے خبیث مؤکلوں کی طرح پلید اور نجس رہتے ہیں۔ اور اپنے سفلی الٹے کلاموں کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت پاک اور طیب ارواح سے بچنے کی خاطر اپنے اردگرد گوبر اور گندگی کا حصار کرتے ہیں۔ اس قسم کے جنّ شیاطین کو اور ارواحِ خبیثہ کے عاملین کے نمونے اگر دیکھنے ہوں تو ہندوؤں کے کنبھ کے میلے میں ان مادرزاد ننگے میلے کچیلے گندگی کھانے والے سادھوؤں کو جا کر دیکھو جو ہزاروں کی تعداد میں اس میلے میں شامل ہوتے ہیں۔ وہاں ان الف ننگے اور گندے غلیظ لوگوں کا ایک لمبا جلوس نکلتا ہے اور ہندو مرد عورتیں لاکھوں کی تعداد میں دوطرفہ قطار باندھ کر ان کے درشن کے لیے بڑے ادب اور احترام سے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سب کے سب ان کے آگے ہاتھ جوڑتے، ڈنڈوت بھرتے اور زمین پر اوندھے اور دُہرے ہو کر آتے ہیں اور طرح طرح کی مشرکانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ اِن میں جو سادھو بہت ڈراؤنی، خوفناک صورت والا اور بہت میلا کچیلا اور گندہ غلیظ ہوتا ہے وہی بڑا صاحبِ کمال اور صاحبِ کرامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ پاخانہ کھاتے اور پیشاب تک پیتے دیکھے گئے ہیں۔ باطن میں ان سفلی کالے علم والے ساحرین اور علوی نوری علم کے عاملین کے درمیان طرح طرح کے مقابلے ہوا کرتے ہیں۔

اِسکے علاوہ جنّ شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی اور بہت سی قسمیں ہیں جن کا ذکر موجبِ طوالت ہے۔ انسان جب نیک عمل، عبادت، طاعت، نماز، روزہ، تلاوت، ذِکر فکر تہہ دل اور اخلاص سے کرتا ہے تو اس کے ساتھ ارواحِ طیبہ، مومن جنّ، ملائکہ اور نیک ارواح شامل ہوتے ہیں اور اس کے اردگرد رہتے ہیں اور اس کی امداد، اعانت اور حفاظت کرتے ہیں۔ اور جب برے اعمال، بدافعال اور فسق و فجور، گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کرتا ہے تو پاک ارواح اس سے جدا ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جب تک ایک بھی پاک روح اس کے ہمراہ ہوتی ہے وہ اسے باطن میں ملامت کرتی ہے اور اسے گناہ پر ندامت ہوتی ہے۔ اور جب پاک ارواح اس سے جدا ہو جاتی ہیں تو وہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا بلکہ اس پر خوشی اور فخر کا اظہار

کرتا ہے۔اس وقت اس کے ساتھ جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ ملنے اور شامل ہونے لگتے ہیں۔جس قدر کوئی شخص نیکی، تقویٰ، عملِ صالح، اطاعت، عبادت اور ذِکر وفکر میں ترقی کرتا ہے اسی قدر اس کے دل میں نورِ ایمان قوی اور زیادہ روشن وتاباں ہوتا جاتا ہے اور اس کے دل میں اس نور کی مقناطیسی طاقت یعنی میگنیٹک پاور (MAGNATIC POWER) ترقی کرتی جاتی ہے۔اسی قدر اس کی باطنی نوری شمع پر ہر طرف سے یہ نوری لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح پروانہ وار گرتے ہیں اور اس کے نور سے قُوت اور قُوت حاصل کرتے ہیں۔اور جوں جوں باطن میں سالک ترقی کرتا ہے اس کا نوری دائرہ اور باطنی ماحول وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔گویا زندہ دل عارف سالک نور کا ایٹم ہوتا ہے۔اس کا دل نور کا مرکز اور نیوکلی آس ہوتا ہے اور آس پاس کی نوری مخلوق اس کے ساتھ بشکل برقی ذرّات اور الیکٹرونز کے ہوتے ہیں۔اور جوں جوں اس کے دل کے مرکز میں نوری پاور زیادہ ہو جاتی ہے توں توں اس کے اردگرد کا نوری ماحول ترقی کرتا جاتا ہے اور اپنے اس نور سے دیگر آس پاس کے حلقۂ احباب اور ہم نشینوں میں بھی اثر کرتا ہے اور اس کے احباب، ارادت مند اور ہم نشین اس کے نور سے اقتباس اور اس کے فیوضات اور برکات سے بہرہ ور اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ان کے پاس بیٹھنے والوں کے گناہ جھڑتے جاتے ہیں اور ان کی معصیت کی آگ بجھتی ہے اور ان کے شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔قولہ تعالیٰ: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام ۶ : ۱۲۲)۔ ترجمہ: ''آیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو اپنے نور سے زندہ کر دیا اور اس میں ایسا نور بھر دیا جس سے وہ لوگوں کے اندر گھستا اور سرایت کرتا ہے اس کی مثل ہوسکتا ہے جو اپنی باطنی ظلمت اور اندھیرے میں محصور اور مقید ہے اور کسی طرح نہیں نکل سکتا۔کیونکہ کافروں کے اپنے بداعمال ان کی ظلمت کا باعث بن گئے ہیں۔اور وہ بدعمل ان کے سامنے مزیّن کر دیئے گئے ہیں۔'' حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی مومن متقی قیامت کے روز پل صراط سے گزرے گا تو دوزخ اسے کہے گی کہ اے مومن جلدی سے گزر جا تیرے نور سے میری آگ بجھ رہی ہے۔سو وہ کل قیامت کا معاملہ آج اِسی دنیا میں ہو رہا ہے۔جب کسی مومن اہل ایمان کا گزر کسی فاسق

اہل نار پر ہوتا ہے تو اول الذکر کے نورِ ایمان سے اس کی نارِ معصیت بجھتی ہے۔شیطان جو مجسم نارِ معصیت اور دوزخ ہے ان ہر دو کو آپس میں ملنے نہیں دیتا اور جلدی گزرنے کی تاکید کرتا ہے۔قرآنِ کریم میں ان لوگوں کو حزب اللہ اور جنود اللہ کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔اس کے برخلاف جو لوگ بدعملی، فسق و فجور، شرک اور کفر میں کمال ترقی کر جاتے ہیں تو وہ نارِ معصیت اور ظلمتِ ظلم و نافرمانی کے سبب گویا دوزخ کی ایک بھٹی بن جاتے ہیں۔اور کافر جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ ان کے اردگرد چنگاریوں کی طرح ان سے نکلتی اور ان میں داخل ہوتی ہیں اور ان کی آگ اور ظلمت میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔اور جو لوگ ان کی صحبت میں رہتے ہیں یا ان کے پاس بیٹھتے ہیں وہ بھی ان کی اس آگ اور ظلمت کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اور ان کے بداعمال اور برے افعال سے متاثر ہو جاتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ (ھود ۱۱ : ۱۱۳)۔ترجمہ: ''اور نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جو ظالم ہیں۔پس تمہیں ان لوگوں کی آگ لگ جائے گی کیونکہ سوائے اللہ کے تمہارا کوئی آسرا اور تکیہ نہیں ہے۔پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔''

ایک دفعہ مجھے ایک ہندوستانی درویش نے اپنا حال سنایا کہ کچھ عرصہ پہلے میرا بہت اچھا حال تھا۔میں اپنے اردگرد روحانی اور نوری لوگ دیکھا کرتا تھا۔میرا سلسلہ چلا ہوا تھا اور میں لوگوں کو توجہ کیا کرتا تھا۔ان کو فیض اور اثر ہو جایا کرتا تھا۔آخر مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا اور میں زنا کے گناہ میں مبتلا ہو گیا۔چنانچہ زنا کی پہلی رات میں جب میں نے مراقبہ کیا تو بجائے نوری روحانی لوگوں کے میں نے اپنے اردگرد کالے سیاہ اور چارچشم کتے دوڑتے ہوئے دیکھے۔اس کے بعد میری روحانیت کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔میری حالت خراب اور ابتر ہو گئی۔پیری مریدی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔اب کوئی میری بات تک نہیں پوچھتا۔ہر چند ریاضت اور کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں بنتا۔غرض گناہ کے ارتکاب سے جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ انسان کے ساتھ لگ جایا کرتی ہیں۔

ہمیشہ سے دنیا کا یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ جب کبھی دنیا شموسِ انبیا، اقمارِ اولیا اور نجومِ صلحا کے نوری وجودوں سے خالی ہو جاتی ہے تو ایسی تاریکی اور ظلمت کے زمانے میں جن شیاطین

اور ارواحِ خبیثہ موقع پا کر دنیا پر چھا جاتی ہیں۔ جن کے باطنی خبث اور پلید اثر سے دنیا میں
سحر اور کہانت، کفر، شرک، فسق و فجور، لہو و لعب، قتل و غارت، ظلم و تعدی اور دیگر ہر قسم کی
برائیوں اور بدکاریوں کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ ایسے زمانے میں سفلی عاملین، جوگیوں،
ساحروں اور کاہنوں کی دکانیں چلنے لگ جاتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں اس خبیث گروہ کو
حزب الشیطان اور جنودِ ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ایسے زمانے میں الحاد، دہریت اور
مادہ پرستی کو بڑا فروغ ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے زمانے میں ان جن شیاطین کو اپنی باطنی طاقت
اور روحانی قوت سے مسخر کر رکھا تھا اور جب آپؑ دنیا سے رحلت فرما گئے تو یہ جن شیاطین
آزاد ہو گئے تھے۔ تب ان ارواحِ خبیثہ نے موقع پا کر لوگوں پر نازل ہونا اور تسلط جمانا
شروع کر دیا۔ اور سفلی عاملوں کو سحر اور کہانت کی باتیں القا کیا کرتے تھے۔ تب ہر جگہ اس
سفلی اور کالے علم کا چرچا ہو گیا تھا اور نبوت اور رسالت کی جگہ سحر اور کہانت نے لے لی تھی۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ
(البقرۃ ۲: ۱۰۲)۔ ترجمہ: ”حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کے لوگ ان باتوں میں
لگ گئے تھے جو ان کی طرف شیاطین القا کیا کرتے تھے۔ اور یہ کفر کا کام سلیمان علیہ السلام
کا نہیں تھا بلکہ ان شیاطین کا اپنا اختراعی فعل تھا جس سے وہ لوگوں کو سحر اور جادو سکھاتے
تھے۔“ یورپ کے سپر چولسٹس یعنی سفلی عاملین بھی اس قسم کے شیاطین کے اثر اور تسلط میں
آج کل مبتلا ہیں اور وہ لوگ ان جن شیاطین کے ذریعے جو سفلی شعبدے اور غیبی کرشمے
دکھاتے ہیں۔ ان کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ سابق انبیا کے معجزے اور اولیا کی کرامات بھی
اسی قسم کی چیزیں تھیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن شیاطین اپنے کفر کی کرتوتوں کو
سلیمان علیہ السلام کی کرامات بتاتے تھے۔

ہمارے ملک میں بھی جنات کے سفلی، عجیب اور محیر العقول واقعات بہت رونما ہوتے
ہیں لیکن ہمارے پاس اس قسم کے واقعات کی ریسرچ اور تحقیقات کا کوئی انتظام نہیں ہے۔
اور نہ ہی ہمارے مشرق اور ایشیا میں کوئی روحانی ادارہ اور سوسائٹی ایسی موجود ہے جو اس قسم

کے عجیب واقعات کا ریکارڈ رکھے اور ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرے (ہم اہل مشرق کو صرف
پیٹ کا ہی ایک مشکل دھندا ایسا گلے پڑا ہوا ہے کہ کسی دوسری طرف ہمیں متوجہ ہونے کی
فرصت ہی نہیں ملتی۔)

چند سال ہوئے ہیں ہمارے ضلع لائل پور کے ایک مخلص محمد صادق کو اسی قسم کا نہایت
عجیب واقعہ پیش آیا۔ اگر یورپ میں کسی کو ایسا معاملہ پیش آتا تو اخباروں اور رسالوں کے
ذریعے تمام ملک میں اس کے عجیب و غریب حالات شائع ہوتے اور ایسے شخص کو اپنے
حلقوں میں بطور میڈیم یعنی وسیط بٹھا کر وہ لوگ اس سے طرح طرح کے عجیب روحانی
تجربات اور مشاہدات حاصل کرتے اور یہ شخص یورپ کے سب سے بڑے میڈیم میں شمار
ہوتا۔

واقعہ یوں ہے کہ تحصیل سمندری ضلع لائل پور کے ایک چک میں ہمارے ایک مخلص محمد
صادق نامی رہتے ہیں۔ یہ واقعہ انہیں کا ہے جو بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا جھوٹ
اور مبالغہ نہیں ہے۔ ہم نے خود اس کی تحقیقات کی ہے۔ چنانچہ ہم یہ واقعہ محمد صادق کی زبانی
بیان کرتے ہیں۔ محمد صادق نے بیان کیا کہ ”میں ایک روز جمعہ کی نماز پاس کے ایک چک
میں پڑھنے کے لیے گیا۔ واپسی پر نہر کے پل کے قریب ایک درخت کے نیچے ایک ملنگ
صورت فقیر کو میں نے دیکھا جو سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے گلے اور ہاتھ میں عقیق
کے دانوں کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی لکڑی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی میری
طرف اشارہ کر کے مجھے اپنی طرف بلا کر کہا کہ مجھے راستے پر لگاؤ۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی نابینا
مسافر ہے اور کہیں جانا چاہتا ہے۔ لیکن جونہی میری آنکھیں اس سے دوچار ہوئیں میں اسی
وقت بے ہوش ہو گیا اور اسکے بعد مجھے اپنی کوئی سُدھ بُدھ نہ رہی۔ حتیٰ کہ وہ دن اور رات
اسی حالت میں گزر گئے۔ صبح دن چڑھے جب میں نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک جنگل
میں پڑا ہوا پایا۔ میرا وجود بہت تھکا ماندہ اور چور چور تھا۔ میں اٹھ بیٹھا اور سوچنے لگا کہ میں
اس جنگل میں کس طرح آ گیا ہوں۔ میں نے جب اپنے لباس کی طرف دیکھا تو میں یہ دیکھ
کر حیران رہ گیا کہ میرے بدن پر اس ملنگ کے سیاہ کپڑے تھے اور میرے گلے اور ہاتھوں
میں بھی اس کے عقیق کے دانوں والی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ جسے دیکھ کر مجھے ملنگ کے

ساتھ جمعہ کے روز والا واقعہ یاد آ گیا۔ اتنے میں دو شخص ہل جوتے ہوئے میرے پاس سے گزرے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ یہ شورکوٹ کا علاقہ ہے۔ میں اپنے علاقہ میں لوگوں سے اکثر سنا کرتا تھا کہ شورکوٹ میں حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دربار کس طرف ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ جو دو آدمی آ رہے ہیں وہ حضرتؒ کے دربار کے زائرین معلوم ہوتے ہیں۔ اگر وہاں جانا ہے تو ان کے ہمراہ چلے جاؤ۔ چنانچہ میں وہاں سے اٹھ کر راستے پر جا بیٹھا اور جب وہ زائرین میرے قریب آ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ لوگ دربار شریف جا رہے ہیں۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تب میں نے ان سے التجا کی کہ میں بیمار اور کمزور ہوں اگر مجھے اپنے ہمراہ لے چلو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ انہوں نے کہا بے شک آؤ۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ وہ میرے عجیب لباس اور ہیئت کذائی کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون اور کہاں سے آ رہے ہو اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ میں نے کہا اگر تم آہستہ آہستہ چلو تو میں اپنی داستان تمہیں سناتا ہوں۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے اور مجھ سے کہا سناؤ کیا قصہ ہے۔ میں نے اپنا تمام واقعہ اوّل سے آخر تک سنا دیا۔ وہ میرا حال سن کر بہت حیران ہوئے۔ وہ سپاہی آدمی تھے۔ چھٹی لے کر زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ جب ہم دربار شریف پہنچے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کے سامنے میرا قصہ بیان کیا۔ وہاں کے لوگ تعجب کرتے تھے۔ بعض لوگ میری بات کو جھوٹ سمجھتے تھے۔ تین چار دن ہم وہاں قیام پذیر رہے۔ میں اتنا کمزور تھا کہ پہلے دو روز محض لنگر کی دال پی سکتا تھا۔ بعدہٗ وہ مجھے اپنے ہمراہ ملتان لے گئے اور وہاں کی زیارتیں کیں۔ انہوں نے وہاں میرا اسی لباس میں فوٹو بھی لیا اور اپنے پاس رکھا اور مجھے کرایہ دے کر روانہ کر دیا۔

''اس اثنا میں مجھے گھر سے نکلے ہوئے سات آٹھ روز ہو گئے تھے۔ میرے گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ وہ سمجھے تھے کہ مجھے کسی نے مار ڈالا ہوگا اور نہر میں بہا دیا ہوگا۔ ہمارے دور دور کے خویش و اقارب اور یار دوست ماتم پرسی کے لیے جمع تھے کہ میں اچانک اس عجیب و غریب لباس اور ہیئت کذائی کے ساتھ وہاں آ نکلا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو

خوشی کے نعروں سے تمام گھر میں ایک شور مچ گیا۔ جب میں نے اپنا واقعہ بیان کیا تو سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ لوگ جوق در جوق مجھے ملنے اور میرا عجیب واقعہ سننے کے لیے آتے تھے۔ میرے گھر والوں نے مجھ سے وہ ملنگ والے سیاہ کپڑے اتروا ڈالے کہ مبادا پھر اس قسم کا کوئی حادثہ رونما ہو جائے۔ وہ کپڑے ایک چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے الماری میں رکھ دیئے گئے۔ جب کوئی شخص ان کپڑوں کو دیکھنے کی خواہش کرتا تو اسے دکھا کر پھر الماری میں رکھ دیئے جاتے۔ آخر ایک روز جب کسی کو دکھانے کے لیے وہ صندوق کھولا گیا تو وہ کپڑے غائب تھے۔''

میرے ایک لاہور کے مخلص نے جو ان کا رشتہ دار تھا مجھے بتایا کہ میں بھی ماتم پرسی کے لیے وہاں گیا تھا اور میں نے بھی وہ کپڑے دیکھے تھے۔ ان کپڑوں کی حالت کچھ ایسی عجیب قسم کی تھی کہ سلائی کا دھاگہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کپڑے کے مختلف بند آپس میں ویسے ہی جڑے ہوئے ہیں اور ان میں کوئی دھاگہ سلائی کے لیے استعمال نہیں ہوا۔

مغرب کے سپر چولسٹس کے نزدیک یہ واقعات بڑے روحانی کمالات سمجھے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ سیاہ پوش جن حضرت سلطان باہوؒ کا مرید تھا جو محمد صادق مذکور کو اپنے علاقے سے اٹھا کر ستر اسی میل دور حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کی زیارت کرانے لے گیا تھا اور وہ جن اس کے جسم میں داخل ہو گیا تھا۔ اس لیے بطور نشانی اور یادگار اپنے کپڑے اس کے تن پر چھوڑ گیا تھا اور اُس کے کپڑے خود لے گیا تھا۔ اس قسم کے واقعات ہمارے ملک میں بہت رونما ہوتے ہیں جو یونہی نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ یورپین سپر چولسٹس کے پاس جو کچھ ہے وہ پرانے کہانت اور سحر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ان لوگوں نے اس علم کو ایک باقاعدہ آرٹ اور سائنس کی شکل دے رکھی ہے۔

ایک دفعہ میں خوشاب میں اپنے چند احباب کے ہاں جو سکول ماسٹر تھے ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں کے لوگ میرے پاس ایک بوڑھے نیل گر کو لے آئے اور کہا کہ اس شخص پر ایک جن مسلط ہے اور وہ جن اسے نہ نماز پڑھنے دیتا ہے اور نہ کوئی دوسرا کام کرنے دیتا ہے۔ ہر وقت اسے ستاتا رہتا ہے۔ اس وقت چند گریجوایٹ احباب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں

نے کچھ پڑھ کر اس جن کو حاضر کیا تو وہ فوراً اس نیلگر پر مسلط ہوگیا۔ اس جن کے تسلط سے اس نیل گر کی صورت بھی بدل گئی اور جن کی صورت اس پر غالب اور مستولی ہوگئی۔ سپر چولسٹس اسے ٹرانس فیگریشن (TRANSFIGURATION) یعنی عمل تبدیلی ہیئت کہتے ہیں۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح لال ہوگئیں اور اس کی شکل بہت مہیب اور ڈراؤنی ہوگئی۔ میں نے ان گریجوایٹوں کو دیکھا سب خوف کے مارے کانپ رہے تھے اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایک دو منٹ کے بعد وہ جن اس نیل گر کی زبانی مجھ سے یوں مخاطب ہوا کہ میں ایک ہندو جوگی ہوں۔ مہاراج کرپا کرو۔ مجھے کچھ نہ کہو۔ میں آپ کی گئو (گائے) ہوں۔ آپ کے دو بچوں کی خیر۔ مجھے چھوڑ دو۔ آخر اس نے اس قسم کی بہت منت سماجت کی باتیں کیں۔ پھر وہ سنسکرت زبان کے شلوک اور منتر اس طرح پڑھنے لگا جیسے وہ ایک بڑا وِدوان اور پنڈت ہے۔ اس نے میری بابت چند پیشین گوئیاں کیں جو حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئیں۔ آخر اس نے خود ہی مجھے بتایا کہ آپ سورۂ وَالشَّمْسِ پڑھیں میں نکل جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے سورۂ وَالشَّمْسِ پڑھی تو اس آسیب زدہ نیل گر نے ایک لمبی انگڑائی لی اور آسیب اس کو چھوڑ کر نکل گیا۔ بعدہٗ نیلگر مذکور اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ جن جو کچھ تمہاری زبان پر بول رہا تھا تجھے بھی اس کی کوئی خبر ہے۔ اس نے بتایا کہ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ میں اس وقت مردے کی طرح بے ہوش تھا۔ اس نیل گر نے بتایا کہ جس شدت کے ساتھ یہ جن مجھے آج چڑھا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں چڑھا۔ اب میرا تمام بدن تھکا ماندہ اور چور ہے اور میرا ہر عضو درد کر رہا ہے۔ آخر لوگ اسے گھر لے گئے۔ مجھے ان گریجوایٹ احباب نے بعدہٗ بتایا کہ ہم نے ایسا عجیب ڈرامہ پہلے کبھی نہیں دیکھا اور اسے کبھی نہ بھولیں گے۔

ابتدا میں جب یہ فقیر رات کو سورۂ مزمل کی دعوت پڑھتا تھا تو جنات غول کے غول ٹڈی دل کی طرح میرے سر پر آ کر اترتے تھے اور میرے اردگرد جمع ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ جن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ (الجن ۷۲: ۱۹) ترجمہ: ''اور جب کوئی اللہ کا بندہ خاص دعوت پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو یہ جن اس پر ہجوم لا کر اسے گھیر لیتے ہیں۔'' سالک کے لیے تسخیرِ جنات کا یہ ابتدائی زمانہ

بہت پرآشوب ہوتا ہے کیوں کہ ابتدا میں جب سالک عالمِ غیب کے اس ناری طبقے میں سے گزرتا ہے تو جنات کے ایک بے پناہ طوفان میں الجھ جاتا ہے۔ جنات کی مختلف عادات اور ناری اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ ہزاروں بے سمجھ سالک اس ناری مخلوق کی شرارتوں اور آزار کے سبب دیوانے اور مجنون ہو جاتے ہیں۔ بعض لاعلاج امراض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرض بہت لوگ دورانِ عمل میں طرح طرح کی رجعتوں اور آفتوں میں پھنس کر اپنی صحت اور عزیز زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس لیے کسی عامل کے اِذن اور امر کے بغیر اس عمل میں قدم رکھنا موت کو دعوت دینے اور خودکشی کے مترادف ہے۔

یاد رہے کہ عالمِ غیب یا عالمِ امر کی لطیف مخلوق دو طرح کی ہوتی ہے: ایک نوری، دوم ناری۔ نوری لطیف مخلوق میں مسلمان جن، ملائکہ اور مومن لوگ اولیا اور انبیا کی اَرواح شامل ہیں۔ انہیں ارواحِ طیبہ بھی کہتے ہیں۔ اور ناری مخلوق کافر جن، شیاطین اور ارواحِ خبیثہ پر مشتمل ہے۔ یہ دو قسم کی لطیف مخلوق ایک دوسرے کی ضد اور دشمن ہے اور باطن میں قیامت تک ان کے درمیان جنگ و جدال قائم ہے اور یہ ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اور ارواحِ طیبہ ہمیشہ باطن میں ارواحِ خبیثہ کا استیصال کرتی ہیں۔

ان روایات سے دوسری نئی بات یہ ثابت ہوگئی ہے کہ ابتدا سے مسلمان جنات نے بھی مسلم انسانوں کے دوش بدوش تبلیغ، دعوت اور جہاد فی الدین میں بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔ نیز واضح ہو کہ یورپ کے سپر چولسٹس یعنی روحانیین نے بھی اپنے حلقوں میں اسی قسم کی سفلی غیبی مخلوقات یعنی جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی حاضرات کر کے ان سے کلام کرتے ہیں، غیبی خبریں پاتے اور طرح طرح کے سفلی شعبدے اور ناسوتی کرشمے دکھا کر حاضرین اور تماش بین لوگوں سے رقمیں وصول کرتے ہیں۔ ان سفلی ارواح اور خاص کر جنات کے ذریعے کشفِ جنونی اور سلبِ امراض کے کرشمے بھی دکھائے جاتے ہیں۔ یورپ والوں نے اس سفلی علم کو اتنی ترقی دی ہے کہ اسے ایک باقاعدہ آرٹ اور روحانی سائنس اور ایک نیا مذہب بنا رکھا ہے اور لاکھوں آدمی اس کے پیرو ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر، بڑے بڑے سائنس دان، ڈاکٹر اور فلاسفر اس میں شامل ہیں۔ گھر گھر اس علم کے حلقے اور چرچے قائم ہیں۔ اور اب تو انہیں پارلیمنٹ کے ہر دو ایوانوں یعنی ہاؤس آف لارڈز اور ہاؤس آف

کا منز میں نمائندگی بھی حاصل ہوگئی ہے اور ان کی پریکٹس کو قانوناً جائز تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل عیسائی مذہب میں اس قسم کے لوگوں کو وچ لاء (WITCH LAW) کے ذریعے سولی پر چڑھاتے یا زندہ جلا دیتے تھے۔ یہ عمل ابتدائے زمانہ سے سحر اور کہانت کی صورت میں مروّج چلا آیا ہے اور آج بھی افریقہ، بنگال، تبت، چین اور امریکہ کی قدیم وحشی اقوام کے اندر یہ سفلی طاقتیں اور روحانی اعمال فرداً فرداً کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور ان وحشی لوگوں کی یہ سفلی طاقتیں یورپ کے مہذب، تعلیم یافتہ اور روشن خیال اصحاب کی نسبت بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں۔

اب ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یورپ کے سپر چولسٹس جن سفلی ارواح کی حاضرات کر کے ان سے ہم کلام ہوتے ہیں آخر وہ کیا چیز ہیں۔ اور ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کون لوگ ہیں تو وہ جواب میں یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے آباؤ اجداد ہیں اور ہم ان لوگوں کی ارواح ہیں جو دنیا سے گزر گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے ہم تمہاری طرح رُوئے زمین پر زندگی بسر کرتے رہے ہیں اور اب عالمِ ارواح کے سات طبقوں میں آباد ہیں اور اپنی روحانی ترقی میں مصروف ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو تمام مذاہب اور ادیان خصوصاً مذہب اسلام کے عقائد یعنی حساب، یومِ آخرت، حشر نشر، عذابِ قبر اور سوال و جواب، منکر نکیر، قیامِ قیامت، سزا و جزا اور وجودِ جنت و دوزخ وغیرہ پر سے اعتقاد اٹھ جاتا ہے۔ کیوں کہ ان ارواح یعنی سپرٹس سے جب اس قسم کے سوالات کیے جاتے ہیں تو وہ ان سب کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہاں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ نہ دوزخ ہے، نہ جنت اور نہ خدا یعنی (GODHEAD) کا کوئی وجود ہے۔ گو سپر چولزم کی بدولت یورپ کے سائنس زدہ مادہ پرستوں کا سابق نیچری اور دہری نظریہ اب بالکل بدل گیا ہے اور وہ سب کے سب حیات بعد الموت کے قائل ہو گئے ہیں اور عیسائی مذہب کے پرانے پاپائی اور پادریانہ فریب کاریوں سے انہیں نجات مل گئی ہے جنہوں نے انہیں تثلیث اور کفارے کی غلط طفل تسلیوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اب ہر شخص اپنے آپ کو اپنے اعمال کا خود ذمہ دار سمجھتا ہے۔ لیکن ان سپرٹس یعنی سفلی ارواح اور جن شیاطین کی ملمع اور جھوٹی باتوں نے انہیں نئی قسم کی دہریت

اور بے دینی کی دلدل میں ڈال دیا ہے اور ڈارون کے ارتقا کا بھوت پھر ان کے دل اور دماغ پر مسلط ہو گیا۔ یعنی یہ کہ زندگی ایک فطرتی چیز ہے اور جس طرح دنیا کی زندگی میں انسانی جسم مادی ترقی اور ارتقا کی منازل طے کر رہا ہے اسی طرح موت بھی ایک فطرتی اور نیچرل تبدیلی کا نام ہے اور موت کے بعد انسان روحانی ترقی اور ارتقا کی منازل اور مدارج خود بخود طے کرتا رہتا ہے۔ اس سے پہلے گو کسی قدر موت کا خدشہ اور ڈر ہر شخص کو لاحق تھا جس کے سبب برے اعمال، بد افعال اور گناہ کے ارتکاب سے وہ لوگ کتراتے اور جھجکتے تھے لیکن اب موت کا ڈر بھی دلوں سے کافور ہو گیا ہے اور سزا و جزا کا خیال بھی دور ہو گیا ہے۔ صرف ترقی اور ارتقا کا نام اور اس کا کام باقی رہ گیا جو خود بخود ہو رہا ہے۔ اسی طرح شیطان نے انہیں ایک نئی قسم کی بے دینی اور گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ غرض آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے کی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں اس زعمِ باطل میں گرفتار کر دیا ہے کہ اگلے پیغمبروں کے معجزے اور کشف و کرامات بھی اسی قبیل اور اسی قسم کے سفلی جنونی کرشمے تھے اور ان کے میڈیم جب جنونی آسیب سے پیدا شدہ امراض کا ازالہ اور علاج کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اگلے پیغمبر اور خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کوڑھی اور جذامی یا اپاہج، لولے، لنگڑے یا مادر زاد اندھوں کو اچھا کیا کرتے تھے ان کے اندر بھی اسی طرح کی روحانی طاقت اور ہیلنگ پاور (HEALING POWER) تھی جن کی پریکٹس یہ لوگ اپنے ہیلنگ چرچز کے اندر پاسز وغیرہ کے ذریعے کرتے ہیں۔ حالانکہ ان ہر دو سفلی شعبدوں اور اصلی علوی معجزوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے۔

کُجا فرعونی ساحروں کے نقلی سانپ اور کُجا موسوی عصا کا حقیقی اژدہا ۔

سحر با معجزہ پہلو نہ زند دل خوش دار   سامری کیست کہ دست از ید بیضا نہ بُرد

اب ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ آخر جن ارواح یعنی سپرٹس (SPIRITS) کو یورپ کے سپر چولسٹس اپنے حلقوں کے اندر حاضر کرتے ہیں اور جو کہتی ہیں کہ ہم تمہاری دنیا سے گزرے ہوئے متوفی آباؤ اجداد ہیں یا ان مردہ انسانوں کی ارواح ہیں جو اس رُوئے زمین پر آباد تھے اور اب دنیا سے گزر گئے ہیں اور وہ اپنے خویش و اقارب کو اپنی پوری پوری

صحیح نشانیاں اور پتے دیتی ہیں یہ کیا چیز ہیں۔ اور ان کی حقیقت کیا ہے۔

واضح رہے کہ یورپ کے میڈیم اکثر عورتیں یا کمزور اَن پڑھ سادہ لوح مرد ہوا کرتے ہیں۔ اکثر میڈیم کچھ عرصہ عصبی امراض میں مبتلا رہے ہوتے ہیں اور جو گائیڈ سپرٹ ان پر مسلط ہوتی ہے وہ اکثر اپنے آپکو غیر ملکی باشندہ بتاتی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض ایسے کم سن بچے جو ایک ہفتہ عشرہ سے بھی کم عرصہ دنیا میں رہ کر مر جاتے ہیں ایسے کم سن چھوٹے شیر خوار بچوں کی روحیں جب حاضر کی جاتی ہیں تو وہ بغیر سیکھے سکھائے بڑے آدمی کی طرح بولتے ہیں، باتیں کرتے اور ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔ نیز جب بعض آدمی مرتے ہیں تو ابھی ان کی تکفین وتدفین بھی نہیں ہونے پاتی اسی روز روحانی حلقوں کے اندر حاضر ہو کر بے دھڑک بولتے اور باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ متوفی کو طویل بیماری، جان کندن کے عذاب، سکرات الموت، برزخ کے نادیدہ اور ناشنیدہ عالم میں داخل ہو کر طرح طرح کے انقلابات اور طوفانوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسے خواہ مخواہ اپنے وطنِ عزیز، گھر بار، خویش واقارب اور جدائی کا صدمہ لاحق ہوتا ہے وہ کیوں کر ایک ہی آن میں ان تمام الجھنوں اور آفتوں سے نجات پا کر اہل حلقہ سے بے روک ٹوک باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ غرض یہ ایسی باتیں ہیں جسے عقل سلیم ہرگز نہیں مان سکتی۔ پس یہ کیا چیزیں ہیں جو اپنے آپ کو مردہ لوگوں کی روح بتاتے ہیں۔ اگر یہ روحیں نہیں ہیں تو روحوں کی تمام معلومات اور حالات سے کیوں اور کیسے واقف ہوتی ہیں۔

سو اصل بات یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے مطابق جس وقت انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان مسلط اور متعین کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا آپ ﷺ پر بھی اس قسم کا شیطان مسلط کر دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! میرے ساتھ بھی ایک شیطان لگا دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پر غلبہ عطا کیا ہے اور میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے۔" ایسے طبعی جن اور شیطان ہر انسان کے ہمراہ فطرتی طور پر جنم لیتے ہیں اور اسکے ہم جان اور ہم جسم ایک باطنی جثہ ہوتا ہے جسے بعض لوگ ہمزاد اور ڈپلی کیٹ (DUPLICATE) بھی کہتے ہیں۔ یہ جثہ انسانی روح کا ظل، عکس اور مکمل ماڈل ہوتا ہے اور تمام انسانی احساسات اور ادراکات کا حامل ہوتا ہے۔

اسکے علاوہ انسانی وجود کے اندر اور بھی لطیف جثے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے روحانی پیشوا حضرت سلطان باہوؒ اپنی کتاب نور الہدیٰ کلاں میں فرماتے ہیں:

آدمی را در وجود چند جسم است و ہر جسم بچند قسم است۔ و قسم بچند اسم است کہ وجودِ آدمی مثل خزانہ گنجِ طلسم است۔ ایں طلسم جسم را معمّا صاحب طلسم و صاحبِ اسم و صاحب جسم بحکمت مے کشاید و عینہ بعین مے نماید۔ بعضے جسم آدمی را مثل روحانی، بعضے جسم زندہ قلب وحیاتِ جاودانی، بعضے جسم غرق فنافی اللہ اولیاء اللہ بقرب سبحانی، بعضے جسم دوام در مطالعۂ علم علوم مطالب معرفت مطول کتاب حی قیوم بدل ورق تجلےٰ برق انور رحمت درس دیدار خوانی۔ بعضے جسم بعقل حکمت شعور انسانی، بعضے جسم در ناسوت مردہ دل مطلق نفسانی، بعضے جسم پر خطرات وسوسہ واہمات از خنّاس خرطوم بشرِ شیطانی، بعضے جسم باکل وشرب وشہوت بدتراز گاؤ خر احمق حیوانی، بعضے جسم مشرفِ دیدار از شرک و کفر بیزار مرتبۂ عظیم شرع شریف محمدی ﷺ بردار عارف عیانی، بعضے بدخصالت اَلْعَادَۃُ لَا یُرَدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ مثل طفلِ نادانی۔ ایں ہر جثہ وجسم ہفت اندام بالشرح شد تمام۔

ترجمہ: آدمی کے وجود کے اندر چند جسم ہیں اور ان جسموں کی کئی قسمیں ہیں۔ اور ہر قسم کے مطابق اس کا ایک اسم ہے۔ کیونکہ آدمی کا وجود مثل گنج خزانہ طلسم ہے۔ اس طلسمِ جسم کا معمّٰی صاحبِ طلسم بذریعہ حکمتِ اسم مسمّٰی کھول دیتا ہے اور دولت ونعمت باطنی لے لیتا ہے۔ وہ باطنی جثے مفصل ذیل ہیں: چنانچہ بعضے جسم مثل روحانی ہیں، بعض جثے زندہ قلب با حیاتِ جاودانی، بعضے جسم غرق فنافی اللہ در مقام قربِ سبحانی، بعضے جثے دوام صاحبِ مطالعہ علم علوم از کتاب مطول معرفت حی وقیوم در ورق تجلّی برقِ انوارِ رحمت درس دیدار خوانی، بعضے جسم صاحبِ عقل وشعور وحکمتِ انسانی، بعضے جثے ناسوتی مردہ دل مطلق نفسانی، بعضے جثے پر خطرات وسوسہ واہمات کمین گاہِ خناس خرطومِ شیطانی، بعضے جثے مشغولِ اکل وشرب وشہوت مثل گاؤ خر احمق حیوانی، بعضے جثے مشرف دیدار، شرک وکفر سے بیزار مطابق شرع شریف محمدی صلعم عارف صاحب عیانی اور بعض جسم بدخصالت اَلْعَادَۃُ لَا یُرَدُّ اِلَّا بِالْمَوْتِ مثل طفلِ نادانی ہیں۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: "از ہر اعمال بقبولیتِ وصال عارف باللہ

رایک بازگی از یک جثہ نو جثہ برآید۔ چنانچہ مار برآید از پوست، چنانچہ آں نہُ جُثہ اِین است۔

چہار جثہ نفسِ امّارہ، نفسِ ملہمہ، نفسِ لوّامہ ونفسِ مطمئنہّ است۔ وسہ جثہ ہائے قلب برآید، جثہ قلبِ سلیم، جثہ قلبِ منیب وجثہ قلبِ شہید۔ ودو جثہ روح برآید، جثۂ روحِ وجثۂ روحِ نباتی برآید۔"

ترجمہ: عارف باللہ کے جسم سے نوقسم کے لطیف جسم باہر آتے ہیں۔ چنانچہ چار جسم نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ، نفسِ ملہمہ اور نفس مطمئنہّ کے باہر آتے ہیں۔ اور تین جسم قلوب کے، اول قلبِ سلیم، دوم قلبِ منیب، سوم قلبِ شہید کے اور دو جسم روح کے، ایک جسم روحِ جمادی، دوم جسم روحِ نباتی کے باہر آتے ہیں۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں کہ ہر جسم سے ہزار بلکہ بے شمار جسم باہر آتے ہیں اور پھر ایک جسم میں آکر مل جاتے ہیں۔

غرض اس قسم کے بے شمار جسم انسانی وجود کے اندر موجود ہوتے ہیں اور موت کے بعد دنیا میں انسان کے اس قسم کے لطیف جسم معنوی اولاد کی طرح پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار غیبی لطیف مخلوق ہے جس کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (المدثر ۷۴: ۳۱)۔

ایک جثہ ہمزاد جسے انگریزی میں ڈپلی کیٹ (DUPLICATE) کہتے ہیں انسان کے ساتھ پیدائش سے لگایا جاتا ہے۔ اگر یورپ کے سپر چولسٹس متوفی انسان کے کسی ایسے غیبی لطیف جثے کو حاضر کر لیتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اسی مردہ متوفی کا جسم اور جون یا روح بتاتا ہے تو اس سے مختلف آسمانی مذاہب اور ادیان خصوصاً مذہب اسلام کے عقائد پر کوئی حرف نہیں آتا اور انسان کی اصلی روح کے متعلق عذاب، جان کندن و قبر وسوال منکر و نکیر وغیرہ اور قیام سجّین وعلیّین اپنی جگہ پر مسلّم اور قائم ہیں۔ اہلِ یورپ کے پرانے مذہبی عقائد میں جنّ کا وجود اگرچہ مسلّم اور ثابت ہے اور ان کی زبان میں جنّ، دیو، پری وغیرہ کے الفاظ GENIE, DEVIL, FAIRY کے نام سے موجود ہیں۔ لیکن سپر چولسٹس جس قسم کی بھی غیبی لطیف مخلوق سے اپنے حلقوں کے اندر یا باہر دو چار ہوتے ہیں انہیں مردہ

لوگوں کی ارواح بتاتے ہیں۔ یا جو کچھ وہ ارواح انہیں حلقوں کے اندر جھوٹ یا سچ بتاتی ہیں اسی پر یقین رکھتے ہیں۔ حالانکہ آج سے ایک سو سال پہلے تمام یورپ کے اندر ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جاتا تھا جو موت کے بعد روح کے رہنے کا قائل ہو۔ صرف اب سپر چولسٹس کے روحانی حلقوں کے اندر ارواح کی حاضرات اور آئے دن روحوں کے عینی مشاہدات اور دیدہ تجربات نے تمام یورپ کو حیات بعد الممات کا قائل کر دیا ہے اور مذہب اسلام کے بے شمار مسلّمات اور معتقدات میں سے صرف ایک ہی مسئلہ حیات بعد الموت کی معمولی سی جھلک معلوم کر لی گئی ہے۔ اور باوجود اس قدر مشاہدات اور تجربات کے شیطان نے انہیں پھر ایک نئی قسم کی دہریت اور نیچریت میں مبتلا کر دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ٥ (الجاثیۃ ۴۵: ۲۳)۔
ترجمہ: "آیا تو نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے اپنی ہوا اور خواہش کو اپنا معبود اور مقصود بنایا اور باوجود تحصیل علم یعنی سوجھ بوجھ کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں اور دل پر غفلت کی مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس اللہ کے بعد کون اسے ہدایت دے سکتا ہے۔ آیا تم اس سے عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔" اس قسم کا ایک اور ارشاد ہے: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ٥ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ٥ (الانعام ۶: ۱۱۱-۱۱۲)۔ ترجمہ: "اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی نازل کر دیں اور مردے جی کر ان سے ہم کلام ہو جائیں اور حشر نشر قائم کر کے انہیں پہلے سے دکھا دیا جاوے پھر بھی یہ (ازلی شقی) ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ لیکن اکثر لوگ (ہدایتِ ازلی) سے جاہل ہیں۔ کیونکہ ہم نے ہر نبی کے مقابلے اور مخالفت پر انسان اور جن شیطان دشمن بنا دیئے ہیں جن میں سے بعض (شیطان الجن) بعض (شیطان الانس) کی طرف فریب اور جھوٹ کی ملمع باتیں القا کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ایسا نہ

کر سکتے پس اللہ تعالیٰ نے مصلحتاً بطور امتحان انہیں ایسا کرنے کی مہلت دی ہے۔ پس اے میرے نبی ﷺ! تو بھی انہیں چھوڑ دے کہ وہ اپنے جھوٹ اور فریب سے تمہارا مقابلہ کرتے رہیں۔'' مذکورہ بالا آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہر زمانے میں اہل باطل شیاطین الانس اور شیاطین الجن کا اہلِ حق انبیا اور اولیا کے درمیان دشمنی، عداوت اور مقابلے کا نقشہ کھینچا ہے۔ خصوصاً آج کل کے یورپین سپر چولسٹوں کا خاکہ مذکورہ بالا آیتوں میں پوری طرح دکھایا گیا ہے کہ مردے آکر ان سے ہم کلام ہو رہے ہیں پھر بھی دہریت اور بے دینی کا بھوت بدستور ان کے سروں پر سوار ہے۔ پس اصل ہدایت من جانب اللہ ہے۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو ظاہری اور کسبی علم سے عاری ہیں اور انہوں نے عالمِ غیب کی لطیف مخلوق جن ملائکہ اور ارواح میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا ہے لیکن اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، یومِ آخرت، دوزخ، جنت اور حساب کتاب وغیرہ تمام چیزوں پر اس طرح کامل یقین رکھتے ہیں گویا کہ انہوں نے ان سب غیبی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ برخلاف اس کے آج کل کے شقی ازلی ہیں جو ظاہری اور کسبی علوم وفنون میں افلاطونِ زمان ہیں اور آئے دن اپنے حلقوں کے اندر ان غیبی ارواح کے عینی مشاہدے اور نظارے کر رہے ہیں لیکن ان کی بے دینی اور دہریت میں سرِ مو فرق نہیں آتا۔

صد ہزاران فضل داند از علوم — جانِ خود را می نداند آن ظلوم
داند او خاصیت ہر جوہرے — در بیانِ جوہر خود چون خرے
خویش را صافی کن از اوصاف خود — تا بہ بینی ذات پاک صافِ خود
بینی اندر دل علومِ انبیا — بے کتاب و بے مُعید و اوستا

(رومی)

اب ہم حاضرات وتسخیراتِ جنات کے بعد ملائکہ اور فرشتوں کی حاضرات اور تسخیرات کا ذکر کرتے ہیں۔ جن چونکہ انسان کی طرح مکلّف مخلوق ہے اور ان کا لطیف طبقہ اور غیبی عالم چونکہ انسانوں کے عالم شہادت کے بہت قریب ہے اور ان کے اثرات جنونی آسیب اور آزار کی صورت میں انسانوں کے اندر نظر آتے ہیں۔ جب کہ جن کسی مرد، عورت یا بچے پر مسلط ہو جاتا ہے اور گاہے خواب یا بیداری میں بعض لوگ جنات سے دوچار ہوتے ہیں۔

لہٰذا انسان ان کے وجود کا کسی نہ کسی طرح قائل ہو جاتا ہے اور ان کی حاضرات اور تسخیر بھی تھوڑی بہت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ لیکن عام طور پر ملائکہ اور فرشتوں کو ایک فوق الفطرت اور سمجھ اور ادراک سے بالاتر چیز خیال کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ فرشتوں اور ملائکہ کی آمد و رفت اور حاضرات محض انبیا اور مرسلین کے ساتھ متعلق، مخصوص اور محدود ہے اور انبیا کے بغیر خواہ کوئی ولی ہی کیوں نہ ہو یہ حیثیت اور طاقت حاصل نہیں ہو سکتی کہ فرشتوں کو دیکھ سکیں یا ان سے ملاقات کر سکیں یا ان سے کوئی کام لے سکیں۔ لیکن عام لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہماری خدمت پر مامور ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰمٓ السجدة ۴۱: ۳۰ ـ ۳۱)۔ ترجمہ: ''وہ لوگ جنہوں نے الست کا وعدہ وفا کر کے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اس اقرار پر قائم رہے۔ ہم ایسے لوگوں پر اپنے فرشتے نازل کرتے ہیں جو انہیں یوں بشارتیں دیتے ہیں کہ تمہارے لیے کوئی خوف اور غم نہیں ہے۔ اور تمہیں خوشخبری ہو بہشت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے اور ہم تمہارے رفیق اور شفیق ہیں دنیا کی حیاتی کے اندر اور آخرت میں۔'' اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کیساتھ ملائکہ کی رفاقت اور حمایت دنیا کی زندگی میں بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کراماً کاتبین جو ہمارے دائیں بائیں ہمارے نیک و بداعمال کے ہر وقت کاتب اور نگران ہیں ہمارے اعمال واقوال کا ریکارڈ رکھتے ہیں اور انہیں فائل بنا کر اللہ تعالیٰ کے دفتر میں پہنچاتے اور جمع کرتے ہیں۔ یہ فرشتے ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں رزق پہنچانے پر الگ فرشتے مامور ہیں۔ لیلۃ القدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا (القدر ۹۷: ۴)۔ یعنی اس رات فرشتے اور ارواح آسمان سے نازل ہوتے رہتے ہیں اور زمین و آسمان کے درمیان ان کی آمد و رفت اور تانتا لگا رہتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ہیں جنہیں سیاحین کہتے ہیں جو مومنوں کے حلقہ ہائے ذکر میں پہنچتے ہیں اور جب واپس بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں

تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم نے میرے بندوں کو زمین پر کس حالت میں پایا حالانکہ وہ ہر حال اور واقعہ سے واقف و آگاہ ہے۔ تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے انہیں تیرے ذکر فکر اور تسبیح و تحمید میں مشغول پایا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں انہیں اس کے عوض ایسی ابدی نعمتیں عطا کروں گا جو نہ ان کی آنکھوں نے کبھی دیکھی ہوں گی اور نہ ان کے کانوں نے ان نعمتوں کے بارے میں سنا ہوگا اور نہ ان کے دل پر ان نعمتوں کا گمان گزرا ہوگا۔ ایک حدیث میں یوں مذکور ہے: لَوْلَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْٓ اٰدَمَ لَنَظَرُوْٓا اِلٰی مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط یعنی اگر شیاطین بنی آدم کے قلوب کو اپنی آماجگاہ اور جولان گاہ نہ بناتے تو البتہ وہ آسمان اور زمین کے عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سامری ایک معمولی کاہن آدمی تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر اس کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھالی تھی۔ جس سے اس نے سونے چاندی کے بچھڑے میں جان ڈال دی تھی جسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم پوجنے لگ گئی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ o (الانعام ۶ : ۷۵)۔ ترجمہ: "اسی طرح دکھائے تھے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین اور آسمان کے عالم ملکوت تا کہ ان کا یقین پختہ ہو جائے۔"

ایک دفعہ رات کو ایک صحابیؓ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کا گھوڑا بدکنے لگا اور جب تک وہ نماز پڑھتا رہا اس کا گھوڑا بدکتا رہا۔ اس نے صبح آں حضرت ﷺ سے اس بات کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری نماز میں قرأت کو سننے کے لیے تیرے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوتا تھا جسے دیکھ کر رات کو تیرا گھوڑا ڈرتا اور بدکتا رہا۔

توریت اور انجیل میں مذکور ہے کہ جس وقت بلعم باعور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے حق میں بددعا کرنے کیلیے پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ تین دفعہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور اسے بددعا کرنے سے منع کیا۔ حالانکہ بلعم باعور معمولی

آدمی تھا۔ اسی طرح اہل سلف اولیا کاملین اور سابق بزرگانِ دین کے حالات میں بہت جگہ اس قسم کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے اسی دنیا میں فرشتوں سے ملاقات کی ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ سو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے خاص ممتاز اور برگزیدہ بندوں کو یہ توفیق بخش دے کہ وہ جس وقت چاہیں ملائکہ اور فرشتوں سے ملاقات کر کے ان سے استفادہ کر سکیں۔

حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپؒ کی آنکھ میں پھوڑا نکل آیا۔ بہتیری دوائیں ڈالی گئیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر یہ بات ٹھہری کہ اس پر عملِ جراحی کیا جائے۔ اتنے میں ان کے ایک طالب درویش نے عرض کیا کہ جناب آپریشن کی تکلیف نہ فرمائیے۔ اس سے خطرہ ہے کہ مبادا آنکھ کا ڈیلا پھٹ جائے۔ میں عالم ملکوت میں کسی فرشتے سے اس کی دوا دریافت کر لوں گا۔ آپؒ نے حکم دیا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ رات کو اس درویش نے مراقبہ کر کے ایک فرشتہ سے دوا دریافت کر لی کہ فلاں بوٹی کا پانی نکال کر آنکھ میں ٹپکایا جائے۔ چنانچہ ایسا کرنے سے آنکھ ٹھیک ہوگئی۔ اس پر ایک دوسرے درویش نے حضرت میاں میر صاحبؒ سے سوال کیا کہ جناب اس درویش کے مربی اور مرشد ہیں۔ کیا آپ خود فرشتوں سے اس کا علاج دریافت نہیں کر سکتے تھے؟ اس پر آپؒ نے فرمایا کہ میری منزل عالمِ ملکوت سے بالا ہے۔ میرے لیے ہتک اور توہین کی بات ہے کہ میں اپنی منزل سے نیچے اپنے سے ادنیٰ ملائکہ سے التجا اور استدعا کروں۔ اور میرا یہ طالب آج کل عالمِ ملکوت میں طیر سیر رکھتا ہے اور ان سے استمداد اور استفادہ کرنا اس کا منصبی کام ہے۔

غرض ملائکہ سے ملاقات، اِستفادہ اور استمداد کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس غیبی لطیف مخلوق کا دیکھنا اور معلوم کرنا باطنی حواس اور روحانی جسم کا کام ہے۔ مادی عقل اور ظاہری حواس کی تمام دوڑ دھوپ مادہ اور اربعہ عناصر کی چار دیواری تک محدود ہے۔ عالمِ غیب کا باطنی دروازہ ان ناطق حیوانوں پر بالکل مسدود ہے۔ جن لوگوں کا حوصلہ وسیع اور استعداد بلند ہوتی ہے وہ نفس کے ناسوتی مقام کو جلدی عبور کر لیتے ہیں اور حاضرات وتسخیر جنونیت کے ادنیٰ اور سفلی مقام سے نکل جاتے ہیں۔ ان کا لطیفۂ قلب ذکر اللہ اور تصور

اسم اللہ سے زندہ ہو جاتا ہے اور زبانِ قلب سے دعوت پڑھنے لگ جاتا ہے۔ انسان کے اندر یہ لطیفہ چونکہ عالم ملکوت میں واقع ہے اس لیے زبانِ قلب سے جب دعوت پڑھی جاتی ہے اس سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ سالک کے لطیفۂ قلب کی غذا اور خوراک بن جایا کرتی ہے۔ اور جب سالک یہ باطنی نعمت اور روحانی غذا ضرورت سے زیادہ پیدا کرتا ہے تو چونکہ یہ نور لطیفۂ قلب کی ہم جنس لطیف غیبی مخلوق ملائکہ اور فرشتوں کی بھی غذا ہے اس لیے سالک کی دعوت قلب کے وقت اپنی یہ مخصوص غذا حاصل کرنے کے لیے ملائکہ اور فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اس کے وظیفہ خوار بن کر اس کے کام میں معاون اور مددگار بن جاتے ہیں۔ اس قسم کا سالک عارف زندہ دل ملائکہ سے ملتا جلتا ہے اور ملائکہ اور فرشتوں کے اوصافِ حمیدہ سے متصف اور ان کے اخلاقِ سعیدہ سے متخلق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر، تلاوت، عبادت، طاعت اور نیک اعمال سے ایسے زندہ دل عارف کو پوری قوت اور قُوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ عالمِ ملکوت میں طیر سیر کرتا اور وہاں کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ سالک کے لیے اس مقام میں گرسنگی و سیری اور خواب و بیداری ایک ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں اس سے کشف و کرامات ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کشف و کرامات ظاہر کرے تو خلقت میں شہرت پذیر، صاحبِ رجوعات اور مشہور و معروف ہو جاتا ہے۔ یہ مقام بھی رجعت اور لغزش کا ہے۔ سالک کو اس مقام پر غرّہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ آگے قدم رکھنا چاہیے۔

در دشتِ جنونِ من جبریل زبون صیدے   یزدان بکمند آور اے ہمتِ مردانہ
(اقبالؔ)

بعض سالک اس مقام پر دکانِ مشیخیت کھول بیٹھتے ہیں اور غرّہ و فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی بے جا خوشامد، آؤ بھگت اور بے حد تعظیم و تکریم کی وجہ سے اس کا نفس موٹا اور مغرور بن جاتا ہے اور خودی اور انانیت کے گرداب میں پھنس جاتا ہے اور طریقت کے کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

اے طالب! یاد رکھ خود پسندی ایک سخت کفر ہے۔ خودی اور خدا اکٹھے نہیں ہو سکتے اور ایک ظرف میں نہیں سما سکتے۔ انسانی دل خانہ کعبہ اور بیت اللہ کی طرح ہے۔ اسے خودی

اور جملہ نفس و ہوا کے غیر معبودوں اور بتوں سے خالی رکھنا چاہیے۔

دل کعبۂ اعظم است بکن خالی از بتان   بیت المقدس است مکن جائے بت گران
(جامیؔ)

عارف سالک کا قبلۂ قلب اللہ تعالیٰ کا خاص حرم اور حقیقی کعبہ ہے اور اسکے دل کا سودا سویدا بمنزلہ حجرِ اسود کے ہے۔ اوّل الذکر کعبۂ دل اصل اور حقیقت ہے کیوں کہ وہ گزرگاہِ ربِّ جلیل ہے۔ اور کعبۂ آب و گِل اس کی نقل اور مجاز ہے کہ بنائے بندہ خلیل ہے۔ کعبے کے حجرِ اسود کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وہ بہشت کا ایک پتھر تھا جسے بہشت سے لاکر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کیا گیا۔ اور پہلے یہ پتھر بہت روشن اور چمکدار تھا لیکن طائفینِ کعبہ اور زائرینِ حجاج کے بوسوں سے ان کے گناہ اس پتھر میں جذب اور داخل ہوتے رہے ہیں۔ جس سے اب وہ سیاہ ہو گیا ہے۔ حدیث: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُزِلَ حَجَرُ الْاَسْوَدِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَھُوَ اَشَدُّ بَیَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْہُ خَطَایَا بَنِیْ اٰدَمَ (اَخْرَجَہُ التِّرْمَذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ "حَسَنٌ" "صَحِیْحٌ")۔ ترجمہ: ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مذکور ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا حجرِ اسود جنت سے نازل ہوا تھا اور بوقتِ نزول دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔ اسی طرح حجرِ اسود کے مقابلے میں دل کے سودا سویدا کا حال ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کے ذِکر سے عارف کا دل زندہ اور تابندہ ہو جاتا ہے تو اس کا سودا سویدا آنکھ کی پتلی کی طرح روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت عارف سالک مرجع خلائق ہو جاتا ہے تو لوگوں کی بے حد تعظیم و تکریم اور کثرتِ دست بوسی و قدم بوسی سے لوگوں کے گناہ اس کے اندر جذب ہوتے ہیں اور عارف سالک کے منور اور روشن دل کو سیاہ اور تاریک کر دیتے ہیں۔ پس سالک کو حتی الوسع شہرت اور رجوعاتِ خلق سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور لوگوں کی بے جا تعظیم و تکریم سے فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طفلِ نفس کو دیکھا کہ اس کا تمام جسم ضعیف، نحیف اور دُبلا پتلا ہے لیکن اس کا سر بہت موٹا ہے۔ حضرت بایزیدؒ

نے اپنے نفس سے پوچھا کہ اے نفس! تیرا سارا جسم بہت دبلا پتلا ہے لیکن تیرا سر اتنا موٹا کیوں ہے؟ نفس نے کہا یہ بات بتانے کی نہیں۔ بایزیدؒ نے کہا یہ بات تجھے ضرور بتانی پڑے گی۔ نفس نے کہا بات یہ ہے کہ میرے وجود کو آپ نے مجاہدوں، ریاضتوں اور بھوک پیاس سے بہت کمزور اور ناتواں کر دیا ہے۔ لیکن لوگوں میں بے حد رجوعات، تعظیم و تکریم اور تعریف و توصیف سے میرے سر کو ایک خمار اور نشہ چڑھتا ہے جس سے میرا سر پھولتا اور موٹا ہوتا ہے، سر کے اس قدر موٹا ہونے کی وجہ یہی ہے۔ بایزیدؒ نے دل میں کہا کہ اس باطنی کفر اور انانیت کا علاج چاہیے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ تھا۔ دل کے اس باطنی مرض کے سبب روزے کی نیت نہ کی۔ اور ایک روٹی اپنے ساتھ لے کر مریدوں اور طالبوں کے مجمع کے ہمراہ بازار میں چلے گئے اور جب بازار میں داخل ہوئے تو علیٰ رؤس الاشہاد روزِ روشن کو ایک ایک نوالہ توڑ کر کھاتے جاتے تھے اور بازار میں چلے جاتے تھے۔ بایزیدؒ کے اس غیر شرعی فعل کو دیکھ کر تمام لوگ ان سے پھر گئے اور جا بجا ان کی شکایت ہونے لگی۔ اس کے بعد بایزیدؒ نے اپنے نفس کو حاضر کر کے اس کی طرف دیکھا تو اب کی دفعہ اس کا سر بھی دیگر جسم کی طرح بہت چھوٹا اور کمزور تھا۔ نفس نے بایزیدؒ سے کہا میں نے اپنے سر کے موٹے اور بڑے ہونے کا سبب تجھ پر ظاہر کر کے اپنا ستیاناس کر دیا۔ بایزیدؒ نے کہا اے نفس! شکر ہے کہ تیرا کفر ٹوٹا۔ میرے لیے رمضان کے ایک روزے کا کفارا ادا کرنا آسان ہے لیکن تیری انانیت کا توڑنا بہت مشکل اور دشوار کام تھا۔ الحمدللہ اس کی تدبیر بن گئی۔ اے نفس! تیرا اور میرا بھلا اسی میں ہے کہ تو ضعیف اور ناتوان رہے بلکہ تیری بھلائی اور تیری نشو و نما تیری موت اور فنا میں ہے۔ دانہ اور تخم جب تک زمین کے اندر اپنے آپ کو فنا کر کے مٹا نہیں دیتا سرسبز، بلند اور زندہ نہیں ہوسکتا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو خودی کو بلند کرتے ہیں۔ شیطان نے خودی اور انانیت کا علم بلند کیا سر کے بل گرا اور راندۂ درگاہ ہوا۔

فرعون کو خدائی کے دعویٰ سے کیا ملا   بندہ جدا ہوا جو خودی سے خدا ملا

(نظیر اکبرآبادی)

یہاں ہم لفظ نفس کی ذرا تشریح کیے دیتے ہیں کیونکہ عوام کیا خواص بھی نفس کی حقیقت جاننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ نفس عربی میں جان، وجود اور ذات کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط (ال عمرٰن ۳:۲۸) اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں قیاسی گھوڑے دوڑانے اور چوں چرا کرنے سے پرہیز کرو۔ بعض لوگوں کو شیطان بطور وسوسہ ایسے خیالات میں مبتلا کر دیتا ہے کہ خدا کیوں کر بن گیا اور اسے کس نے پیدا کیا ہوگا اور اس سے پہلے کیا تھا۔ انہی وسوسوں کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ط (یٰس ۳۶:۷۸) کہ انسان میری ذات کے متعلق مثالیں قائم کرتا ہے حالانکہ اس نے اپنی خلقت کو بھلایا ہوا ہے اور اسے اپنا پتہ نہیں ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے متعلق ہر قسم کے خیال اور سوچ بچار خطرے سے خالی نہیں۔ سو آیا ہے کہ تَفَكَّرُوْا فِیْ اٰیَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَلَا تَفَكَّرُوْا فِیْ ذَاتِهٖ یعنی فکر کرو اس کی آیات وصفات میں اور نہ فکر کرو اس کی ذات میں۔ نفس سے مراد ذات اور جان اور کبھی دل بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ (یوسف ۱۲:۷۷)۔ ترجمہ: پس یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں بھائیوں سے چھپالیا۔ قولہ تعالیٰ: فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی o (طٰہٰ ۲۰:۶۷)۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گیا۔ کبھی نفس سے مراد شخص ہوتا ہے: لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (البقرۃ ۲:۲۸۶)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

یہ تو لفظ نفس کے عام ظاہری معنی ہیں جس کو ہر شخص سمجھتا ہے اور جانتا ہے۔ لیکن بعض مقامات پر قرآنِ کریم میں لفظ نفس اپنے حقیقی اور باطنی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جس کے صوفیائے کرام کے نزدیک مختلف مرتبے اور درجے ہیں یعنی (۱) نفسِ امارہ (۲) نفسِ لوامہ (۳) نفسِ ملہمہ (۴) اور نفسِ مطمئنہ۔ ہر نفس کا ذکر نمبروار ذیل کی آیات میں آیا ہے:

۱۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (یوسف ۱۲:۵۳)۔ ترجمہ: زلیخا نے کہا کہ میں اپنے نفس کی بریت نہیں کرتی اور اسے گناہ سے بری نہیں سمجھتی کیوں کہ یہ (شہوانی) نفس ہمیشہ برائی کا امر کرتا ہے۔ اس آیت میں نفسِ امارہ کا ذکر ہے۔

۲۔ اس آیت میں نفسِ لوامہ کا ذکر ہے۔ قولہ تعالیٰ: لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ o وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ o (القیمۃ ۷۵:۱-۲)۔ ترجمہ: خبردار میں قیامت کے دن کی قسم

کھاتا ہوں۔ اور نفسِ لوامہ یعنی گناہ پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔ سو نفسِ لوامہ نفسِ امارہ سے دوسرے درجے میں افضل ہے۔ اور اسے قیامت کے دن پر یقین ہوتا ہے اور ایسے نفس والے شخص کو اس کا نفس گناہ پر ملامت کرتا ہے۔ لیکن نفسِ امّارہ والا روزِ قیامت اور سزا و جزا پر یقین نہیں رکھتا ہے اور گناہ کے بعد ندامت اور پشیمانی محسوس نہیں کرتا۔ لیکن نفسِ لوامہ والا گناہ تو کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں اسے نفس ملامت کرتا ہے اور خوف اور ندامت دلاتا ہے۔

۳۔ تیسرے درجے پر نفسِ ملہمہ یعنی الہام والے کا اس آیت میں ذکر ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا o فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا o قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا o وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا o (الشمس ۹۱: ۷۔ ۱۰)۔ ترجمہ: ''پس میں قسم کھاتا ہوں نفسِ ملہمہ یعنی الہام پانے والے کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا اور اسکی اصلاح کر لی۔ پس اس نے الہام کے ذریعے سے اسے ملہمہ بنا کر نیکی اور برائی سے آگاہ کیا۔ تحقیق چھٹکارا پا گیا جس نے اس کو پاک اور مزکیٰ کیا۔ اور ہلاک ہوا جس نے اسے آلودہ اور خراب کیا۔ یہاں نفسِ ملہمہ کی صفت بیان کی گئی ہے۔

۴۔ چوتھے نمبر پر نفسِ مطمئنہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o (الفجر ۸۹: ۲۷۔ ۳۰) ترجمہ: ''اے نفسِ مطمئنہ مائل اور متوجہ ہو جا اپنے رب کی طرف ایسی حالت میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پس اب تو میرے خاص برگزیدہ بندوں کی صف میں شامل ہو جا اور میری جنت قرب و رضا میں داخل ہو جا۔'' اس آیت میں ایک باریک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ خاص بندوں کی صف میں داخل ہونے کے جنت میں کوئی بشر داخل نہیں ہو سکتا۔ جنت میں داخل ہونے سے پہلے خدا کے خاص بندوں کے گروہ میں شمولیت اور ان کی رفاقت لازمی امر ہے۔ بعض حاسد، متکبر لوگ اللہ تعالیٰ کے انبیا اور اولیا کی رفاقت اور پیروی سے روکنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراش کر لوگوں کو ان مقدس رفیقوں کی شمولیت سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ انبیا و

اولیا خواہ کتنے ہی بڑے پاک کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ہیچ اور ناچیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کے لیے ہر حال میں کافی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ نہ اللہ کے ہوتے ہیں اور نہ اللہ کے دوستوں کے۔ جو اللہ کے دوست ہیں وہ اللہ کے دوستوں یعنی انبیا اور اَولیاءِ اللہ کے بھی دوست ہوں گے اور جو اولیاء اللہ کے گلہ گو اور دشمن ہوں وہ اللہ کے بھی دشمن ہوں گے۔ کیوں کہ دوست کا دوست بھی انسان کا دوست ہے اور دوست کا دشمن اور بدخواہ انسان کا دشمن ہوا کرتا ہے۔ یہ لوگ شیطانی کبر اور حسد کے سبب اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی ضد اور مقابل و مخالف بنا کر سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے دوست اپنے مولا کے ساتھ متفق، متحد اور یکتا ہوتے ہیں اور اس کی ذات میں فنا اور بقا حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا o اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ (النسآء ۴: ۱۵۰۔ ۱۵۱)۔ ترجمہ: ''تحقیق وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان جدائی اور تفرقہ ڈالیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسولوں میں سے بعض کو یعنی اللہ کو تو مانتے ہیں اور بعض یعنی رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ ان کے بین بین کوئی راستہ نکالیں۔ یہ لوگ حقیقی طور پر کافر ہیں۔'' سچ پوچھو تو انسان کے اندر نفس اور ہوا تمام برائیوں، گناہوں، معصیتوں، ظلم و ستم، فسق و فجور، شرک، کفر اور نفاق کا موجب اور باعث ہے اور نفس ہی وہ بڑا آذر اور بت گر ہے جس نے انسان کے لیے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار شریک معبود اور بت کھڑے کر کے اسے اللہ تعالیٰ سے روگردان کیا ہوا ہے۔ کہیں سامری کے بچھڑے کی طرح سونے اور چاندی کے بت پوجے جاتے ہیں۔ کہیں عورت کی لچھمی کھڑی کر دی گئی ہے۔ اور اسے خوش کرنے کے لیے ہر قسم کا ناروا اور حرام پیسہ جمع کر کے اس کے قدموں پر نچھاور کیا جاتا ہے۔ کہیں زر، زمین اور زن کے بتوں کی خاطر ناحق خون بہائے جاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ کہیں

سیاسی علو اور اقتدار اور ہوسِ حکمرانی کے صنمِ اکبر کی دہلیز پر بڑے بڑے فلاسفر اور علما فضلا سر جھکا کر ڈنڈوت کرتے ہیں۔ کہیں جوع الارض اور تیل کے چشموں کے لیے لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ غرض دنیا میں جس قدر بے شمار غیر معبود پوجے جاتے ہیں اور جس قدر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں اور اس سے روگردانیاں کی جاتی ہیں ان سب کا واحد موجب اور باعث نفس اور ہوا ہے۔ اور پتھروں کے جامد بتوں کو تو محض بے وجہ بدنام کیا گیا ہے۔ کبھی کسی پتھر یا دھات کے بت نے کسی کو گناہ پر آمادہ نہیں کیا ہے اور نہ کسی کو معصیت کی ترغیب دی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان معاذ اللہ محض مہمل اور بے معنی ہے کہ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ (الجاثیۃ ۴۵: ۲۳)۔ ترجمہ: ''کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا ہے جس نے خواہشِ نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود علم کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا ہوا ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں اور کانوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔'' یہ آیت ان جاہل علما کے حق میں آئی ہے جو باہر سے ہر چیز کو شرک کا نام دیتے ہیں اور اندر اپنے نفس و ہوائے صنمِ اکبر کو سما رکھا ہے۔ افسوس کس قدر اندھیرا اور ظلم ہے کہ نفسانی کور چشم حاسد، بے عمل عالموں نے اپنے نفس کے صنمِ اکبر کو تو اپنے پہلوؤں میں پال رکھا ہے۔ دن رات اس کی پوجا پاٹ میں مصروف ہیں اور اللہ کے محبوں اور محبوبوں یعنی انبیا اور اولیا جو اللہ تعالیٰ کے راستے کے عمدہ رفیق اور راہنما اور معاون و مددگاہ ہیں ان کی امداد اور استعانت کو شرک کا نام دیتے ہیں اور بندگانِ خدا کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ یہ روایت نفسانی زبانی عالم اور باطنی علم سے جاہل کے حق میں آئی ہے: اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَکْبَرُ۔ علم بڑا بھاری حجاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس اور ہوا کی مخالفت میں دنیا کی تمام نیکیاں جن سے انسان دخولِ جنت کا حق دار بن جاتا ہے اسی ایک آیت میں جمع کر ڈالی ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ۝ (النّٰزعٰت ۷۹: ۴۰۔۴۱) ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے روز حساب

کے لیے حاضر ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روک لیا۔ پس بہشت ایسے شخص کا ہی ٹھکانا ہے۔''

غرض دین اور مذہب میں جس قدر غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں اور جس قدر لوگ گمراہیوں اور غلط اور باطل رستوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ سب نفس کی حقیقت سے جہالت اور بے خبری کے باعث صراطِ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کا بت تیار کیا اور بقولہٖ تعالیٰ: فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ (صٓ ۳۸: ۷۲)۔ ترجمہ: ''جب میں اس میں اپنا روح پھونک کر اسے اپنی خلافت سے سرفراز فرما لوں تو اے ملائکہ تم اس کے آگے سجدہ کر لو۔'' تو سب ملائکہ نے اسے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس نے حسد اور کبر کے سبب سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ''اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ (صٓ ۳۸: ۷۶) ''میں اس سے بہتر ہوں اور خلافتِ ارضی کا میں ہی مستحق ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اسے راندۂ درگاہ اور ملعون کر دیا۔ اس کے بعد اس نے آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی دشمنی اور گمراہی کا بیڑا اٹھایا۔ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ (صٓ ۳۸: ۸۲)۔ یعنی ''اے اللہ! تیری عزت کی قسم میں تمام بنی آدم کو گمراہ کر کے اپنے ہمراہ جہنم میں لے جاؤں گا۔'' تب ابلیس نے اپنے لشکر سمیت آدم علیہ السلام کے بت کا جائزہ لیا اور اس کے جسم کے اندر داخل ہو کر سر سے لے کر پاؤں تک ہر جگہ کو جانچ کر باہر آیا تو شیطانی لشکر نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے آدم علیہ السلام کو کیسا پایا تو شیطان نے جواب دیا کہ اس خلیفے اور اس کی نسل کو گمراہ کرنا میرے لیے بہت آسان ہے۔ اس کے جسم کے اندر متضاد عناصر مٹی، آگ، پانی اور ہوا ہیں۔ یہ متلون مزاج کبھی کسی بات پر قائم اور برقرار نہیں رہے گا اور اس کا تمام ڈھانچہ بالکل بے کار اور بے حکمت معلوم ہوتا ہے۔ صرف اس کے اندر گاؤدم گنبد کی شکل کا دل بائیں طرف لٹک رہا ہے۔ اس کے اندر داخل ہونے کا مجھے راستہ نہیں مل سکا۔ اس میں شاید اللہ تعالیٰ نے خلافت اور حکمت کا خزانہ رکھا ہو۔ لیکن خیر میں بھی اس میں اپنی جگہ بناتا ہوں۔ تب اس نے نفسانیت کے سبب اس پر تھوکا اور اس کے حسد اور کبر کی تھوک آدمؑ کی ناف کی جگہ پر پڑی جس سے آدم علیہ السلام کے جسم میں نفس کا تخم اور بیج پڑا اور آدم علیہ السلام کے وجود میں شیطان کا پہلا مورچہ اور کمین گاہ بنی۔ شیطان

نے اپنے لشکر سے کہا کہ میں اس تھوک اور نفس کے سبب آدم اور اسکی نسل کے اندر آیا جایا کروں گا اور اسے گمراہ کروں گا اور اپنی اسی تھوک کی تاثیر سے اس کے اندر اپنے حسد، کبر اور انانیت کی آگ بھڑکاؤں گا کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں اپنی طرف دعوت اور ہدایت کے لیے انبیا اور اولیا مبعوث فرمائے گا میں انہیں اسی نفس کی انانیت، حسد اور کبر کے سبب ان سے بدظن کر کے ان کی پیروی، رہنمائی اور رہبری سے انہیں روک لوں گا اور صراطِ مستقیم کا دروازہ ان پر بند اور مسدود کر دوں گا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دن بہشت میں آدم علیہ السلام کی نظر ساقِ عرش پر پڑی اور وہاں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لکھا ہوا دیکھا تو اس نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ تو واحد لاشریک ہے۔ تیرے نام کے ساتھ یہ دوسرا نام محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! یہ نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی آخر الزمان کا ہے جو تیری نسل سے ہوگا اور اے آدم! تجھ سے خطا واقع ہوگی اور تیرے اس فرزند ارجمند کی شفاعت سے تیری خطا معاف ہوگی۔ جس کی طرف اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ اور قیامت کے روز لواء الحمد یعنی شفاعت کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور تمام انبیا اور مرسلین میرے اس جھنڈے کے تلے ہوں گے۔ آدم علیہ السلام نے جب سنا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص میری شفاعت کرے گا تو اس نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ بیٹے کو باپ کا شفیع بنایا جا رہا ہے۔ اور شیطانی تھوک کے اثر سے آدمؑ کے اندر نفسانیت اور انانیت کی آگ بھڑک اٹھی اور نفس کا تخم پھوٹ پڑا اور نفس کی بنیاد پڑی۔ اور حسد، کبر، طمع، حرص وغیرہ اوصاف سے نفس کا خمیر بنا۔ حرص کے سبب آدم علیہ السلام نے بتقاضائے اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ شَجَرَۃ" مَمْنُوعَہ کھالیا اور بہشت بریں سے نکالے گئے۔ پس آدم علیہ السلام کی نسل اور اولاد میں یہی نفسانیت اور انانیت بطور ورثہ چلی آئی اور خدا کے پاک برگزیدہ بندوں کی رفاقت اور راہنمائی سے مانع ہوئی اور شیطانی توحید کا بہانہ بنایا۔ قولہٗ تعالیٰ: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَ ھُمُ الْھُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (بنیٓ اسرآئیل ۱۷: ۹۴) ۔ترجمہ: ''اور نہیں منع کیا انسان کو کبھی کسی چیز نے کہ اللہ پر ایمان لے آویں مگر اس بات نے کہ اللہ تعالیٰ

نے ہم جیسے انسان ہمارے لیے رسول بنا کر بھیجے ہیں۔''

نفس آدم را برآورد از بہشت / نفس کافر بد بلائے اہل زشت

(رومیؒ)

پس نفس میں حسد، کبر اور بخل کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے اور وہ کسی بشر کو اپنے سے بہتر اور برتر ماننے کو تیار نہیں ہوتا اور یہ صفت بخل کی اس کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط (النسآء ۴: ۱۲۸) ۔ترجمہ: ''اور نفسوں پر بخل مسلط کیا گیا ہے۔'' اور دوسری جگہ آیا ہے وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (التغابن ۶۴: ۱۶) ۔ترجمہ: ''اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے ہیں پس وہ چھٹکارا پانے والوں میں سے ہیں۔'' اور اسی نفس کے فطرتی بخل کے سبب آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ یہ علامت انسان کے بخل کے لیے کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ: جس شخص کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا وہ گویا بہشت کا راستہ بھول گیا۔ آپ ﷺ اس حدیث سے اس زمانے کے حاسد، منافقین کے ایمان کا اندازہ لگا سکتے ہیں جن کا دن رات کا مشغلہ ہی انبیا اور اولیا کی شان کو گھٹانا بلکہ ان کا الٹا گلہ کرنا بنا ہوا ہے۔

یہ نفس کا فطرتی بخل، حسد اور کینہ ہی تو ہے جو پہلے پہل خود ابلیس کے لیے آدم علیہ السلام کو سجدۂ تعظیم و تکریم کرنے سے رکاوٹ بنا اور پھر اسکے تھوک کے سبب آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد میں بطور ورثہ چلی آئی اور انبیا اور اولیا کی ہر قسم کی تعظیم و تکریم کے لیے رکاوٹ بنا۔

ہر انسان کے اندر یہی نفس ابلیس کی طرح اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (الاعراف ۷: ۱۲) اور فرعون کی طرح اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ○ (النّٰزعٰت ۷۹: ۲۴) کہہ کر اپنی بڑائی اور برتری کا نقارہ بجاتا ہے اور ہر شخص کے کان میں یہی کہتا ہے کہ ہم چومن دیگرے نیست کہ تیرے برابر اور کوئی نہیں ہے۔

نفس ما را کمتر از فرعون نیست / لیک اورا عون ما را عون نیست

(رومیؒ)

جب تک اپنے سے کسی برتر ہستی کا اقرار نہ کیا جائے اور اس کی راہبری، راہنمائی اور پیشوائی میں اپنے نفس اور ماسویٰ ہوا کو چھوڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر اپنے مولا کی طرف قدم نہ رکھا جائے اور اس کی طرف سلوک اور طریقت کا راستہ طے نہ کیا جائے خالی زبانی اور شیطانی توحید سے نہ نفس مرتا ہے اور نہ اس کی سرکوبی ہوتی ہے اور نہ نفس اور ہوا سے نجات ملتی ہے بلکہ ظاہری علم اور بدنی عبادت کے سبب انانیت اور خودی سے اور زیادہ فربہ اور موٹا ہوتا ہے اور جب تک نفس نہ مرے دل زندہ نہیں ہوتا۔

نفس نتوان کشت الا ظل پیر　　　دامن این نفس کش را سخت گیر

(رومی)

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامات بیان فرمائی ہیں

جولوگ صرف زبانی اقرار اور خالی خشک توحید پر اکتفا کر کے اللہ کی طرف چلنے کی ہمت نہیں رکھتے انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے کے راہبروں اور راہ نماؤں سے کیا سروکار ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور وصال سے ناامید اور بیزار ہیں۔ صرف خالی زبانی اقرار تو منافق لوگ بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منافقون کی ذیل کی آیتوں میں نمبروار ان لوگوں کا خوب نقشہ کھینچا ہے: قولہ تعالیٰ (۱) اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳ : ۱) ترجمہ: ''جب آئے تیرے پاس منافق لوگ یہ کہتے ہوئے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو سچ مچ اللہ کا رسول ﷺ ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تو اسکا رسول ﷺ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق اس زبانی اقرار میں جھوٹے ہیں۔'' (۲) اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳ : ۲) ترجمہ: ''انہوں نے اپنا نفاق چھپانے کے لیے زبانی اقرار اور اس پر قسمیں کھانے کو آڑ اور ڈھال بنا رکھا ہے۔ دراصل ان کے نفاق کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے خود رکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو روکتے ہیں اور یہی سب سے برا کام ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' (۳) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳ : ۳) ترجمہ: ''یہ اس لیے ہے کہ زبانی طور پر تو وہ ایمان لے آئے ہیں لیکن اندر دل سے کافر ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر مہر لگا دی ہے لیکن وہ اس بات کو نہیں سمجھتے۔'' (۴) وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ (المنافقون ۶۳ : ۴)۔ ترجمہ: ''جب تو منافقوں کو دیکھتا ہے تو ان کے ظاہری جسمانی اعمال تجھے تعجب میں ڈال دیتے ہیں۔ اور جب وہ زبانی اقرار کرتے ہیں تو تو ان کی باتیں سنتا ہے لیکن ان کی مثالیں ایسی ہیں کہ گویا یہ خشک لکڑی کے بت ہیں جو دیوار سے لگا دیئے گئے ہیں۔'' (۵) يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۫ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳ : ۴)۔ ترجمہ: ''لوگ گمان کرتے ہیں کہ ان کا یہ زبانی اقرار اور ظاہری چیخ و پکار صحیح اور درست ہے۔ حالاں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں۔ ان سے دور رہو اور بچو۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں۔'' (۶) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳ : ۵) ۔ ترجمہ: ''جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ بارگاہِ الٰہی میں تمہاری شفاعت کرے اور تمہارے لیے بخشش مانگے تو وہ اپنا سر موڑتے اور منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے رک جاتے ہیں۔'' یہ منافق شفاعت کا خالی لفظ سن کر آتش زیر پا ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل اور منصف ہے۔ وہاں شفاعت اور سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور سفارش عدل کے منافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ متکبر ہیں۔

تفسیر

۱۔ پہلی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار اور صرف خشک توحید کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے جھگڑا اور بحث و مباحثہ کرتے بلکہ قسمیں تک کھا جاتے ہیں۔ اس خشک توحید اور زبانی اقرار کے سبب یہ لوگ خشک جامد لکڑی کے بت ہیں جن میں ایمان اور تصدیق کی روح نہیں ہے۔

۲۔ دوسری علامت منافقوں کی یہ ہے کہ یہ لوگ خود بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے رکے ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس راستے سے روکتے ہیں۔ یہ زبانی طور پر اہل اقرار ہیں

لیکن دل سے بیزار ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے شمعِ جمال کے اقرار میں سچے ہوتے تو اس طرف دوڑتے اور پروانہ وار اس پر گرتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ ط (الذّٰریٰت ۵۱ : ۵۰) کہ اللہ کی طرف دوڑو لیکن یہ لوگ الٹا اس راستے کے منکر اور اس سے رکے ہوئے ہیں اور اس راستے کے دوسرے طالبوں اور سالکوں کو روکتے ہیں۔

۳۔ ان کی اصل حقیقت یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دوستوں کے دشمن ہیں اور ہر بات میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی تحقیر اور تنقیص کرتے ہیں۔ اور اپنی اس عداوت کو زبانی توحید کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کور چشم مردہ دل نفسانی لوگوں کی صحبت سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے اور ان سے دور رہنا چاہیے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور اس کے دوستوں کے دشمن ہیں تو اللہ تعالیٰ کے کہاں کے دوست آ گئے ہیں۔

۵۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف کے راستے کے منکر اور اس راستے کے رہبروں اور رہنماؤں سے بدظن اور بدگمان ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے یہ لوگ کدھر بہکے جا رہے ہیں۔

۶۔ چھٹی علامت ان کی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب انہیں کہا جائے کہ آؤ تا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ تمہاری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرے یا اس کے اولیا تمہارے لیے مغفرت مانگیں تو ان کے اندر نفسانیت، انانیت، حسد اور کبر کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس راستے سے منہ موڑتے اور سر مروڑ لیتے ہیں۔ اور اس راستے سے ان کے رکنے اور باز رہنے کی اصل وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ: وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ○ (المنٰفقون ۶۳ : ۵) کہ یہ لوگ اس راستے سے اس واسطے رکے ہوئے ہیں کہ وہ شیطان کی طرح متکبر اور مغرور ہیں۔ سورۂ منافقون میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ان منافقوں کی زبانی توحید کی اور رسمی رواجی اور ظاہری عبادت کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں مانتے تو اس کی طرف ضرور چلتے۔ جب یہ اس کی طرف باطنی راستے کے منکر اور اس راستے کے رہبروں اور

رہنماؤں کے دشمن اور بدخواہ ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور اپنے نفاق، حسد اور کبر کو توحید کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔ نیز یہ لوگ اس آیت کی آڑ لیتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ اور بعض لوگوں نے سارے قرآنِ کریم کو چھوڑ کر صرف اس آیت کو اپنے گھر کے دروازوں پر لکھا ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو موحد خیال کرتے ہیں اور دوسرے انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے پیروؤں اور محبوں کو مشرک خیال کرتے ہیں۔

اب ہم سورۂ فاتحہ کی اس آیت: اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○ کی خاص تفسیر اور تشریح بیان کرتے ہیں۔ ذرا غور اور فکر فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ "اے اللہ! ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔" یہ فقرہ شرطیہ ہے۔ اور اس کی جزا، مطلب اور مُراد اللہ تعالیٰ اگلی آیتوں میں یوں بیان فرماتے ہیں: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ۙ یعنی اے اللہ اس غرض سے ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیری مدد طلب کرتے ہیں کہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے جو ہمیں تیری رضامندی، قرب اور وصال تک پہنچا دے۔ آگے اس راستے کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵ۙ کہ ان لوگوں کا سیدھا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ اب ان لوگوں کی صفت قرآنِ کریم میں تلاش کرنی ہے کہ وہ کون سے لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔ سو قرآنِ کریم خود ان برگزیدہ لوگوں کو اس آیت میں واضح طور پر بیان فرماتے ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے: وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۵ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ○ (النسآء ۴ : ۶۹ ۔ ۷۰)۔ ترجمہ: وہ لوگ ہیں ساتھ ان کے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ وہ انبیا، صدیقین، شہداء اور صالحین لوگوں کا گروہ ہے۔ اور آگے بیان ہے وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ○ (النسآء ۴ : ۶۹) اور صراطِ مستقیم پر چلنے چلانے کے لیے یہ لوگ بہترین رفیق اور راہ نما ہیں۔ اور آخر میں نفسِ مطمئنہ کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرما کر قصہ تمام کر دیتے ہیں۔ آیت یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ٥ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ٥ (الفجر ۸۹: ۲۷ ـ ۳۰)۔ترجمہ: کہ ''اے نفسِ مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی طرف مڑ جا اس حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو اور میرے خاص بندوں میں شامل ہو کر بہشت میں داخل ہو جا۔'' یعنی بہشت میں داخل ہونے کے لیے خدا کے خاص بندوں میں شمولیت لازمی گردانی گئی ہے۔اب غور کرنے کا مقام ہے کہ جس آیت کو سارے قرآنِ کریم میں چن کر یہ حاسد، متکبر لوگ انبیا اور اولیا کی مخالفت میں غلط طور پر پیش کرتے ہیں وہی آیت ان مقدس لوگوں کی عین پیروی اور رہنمائی کی تاکید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جنتِ قرب وصال میں داخل ہونے کے لیے انعام کیے ہوئے انبیا، صدیق، شہدا اور صالحین کی پیروی اور راہنمائی کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور شیطانی کبر اور شیطانی حسد کے مارے ہوئے اللہ تعالیٰ کی صراطِ مستقیم سے بہت دور اور گمراہ ہیں۔ اور خالی جھوٹی زبانی توحید کے مدعی حقیقت سے بھٹکے ہوئے شیطان کی طرح راندۂ درگاہ اور گمراہ ہیں۔ شیطان کو بھی آدم علیہ السلام کے سجدے سے نفسانی حسد اور کبر مانع ہوئی۔ اور توحید کو آڑ بنا کر لَا اَسْجُدُ لِغَیْرِ اللّٰہِ (میں غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتا) کہہ دیا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے   اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا
پلنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا   نہ مارا نفسِ امارہ کو گر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک سے اکسیر ہوتا   اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
(محمد ابراہیم ذوقؔ)

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور نفس کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے راستے کے طالب اور سالکوں کو ہر دو آفاق اور انفس میں آیات اور نشانات دکھاتا ہے حتّٰے کہ ان پر حق ثابت ہو جاتا ہے۔قولہٗ تعالیٰ: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (حٰمٓ السجدة ۴۱: ۵۳)۔ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم دکھاتے جاتے ہیں انہیں (یعنی اپنے طالبوں کو) عالمِ آفاق اور عالمِ انفس میں اپنی آیات اور نشانات یہاں تک کہ ان پر حق ثابت اور ظاہر ہو جائے۔'' مذکورہ آیات میں ہر دو عالمِ آفاق اور عالمِ انفس کا ذکر آیا ہے اور تمام کائنات ان ہر دو عوالم پر مشتمل ہے۔

عالمِ آفاق کو عالمِ خلق، عالمِ ظاہر، عالمِ شہادت، عالمِ مادی، عالمِ کثیف، عالمِ صورت اور عالمِ مجاز بھی کہتے ہیں۔اور یہ وہ عالم ہے جو انسان کو ظاہری پانچ حواس کے ذریعے معلوم اور محسوس ہوتا ہے۔

دوسرے عالمِ انفس کو عالمِ بالا، عالمِ باطن، عالمِ غیب، عالمِ لطیف، عالمِ معنی اور عالمِ حقیقی بھی کہتے ہیں۔اور یہ عالم باطنی اور غیبی حواس سے محسوس اور معلوم ہوتا ہے۔اور ظاہری حواس سے یہ عالم اوجھل، مخفی اور پوشیدہ ہے۔عالمِ انفس اصل ہے اور عالمِ آفاق اس کا فرع، ظِل اور عکس ہے۔ ہر دو عالم میں ایک ہی طرح کی زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے اور باقی تمام اشیا اور ہر دو طرح کی کثیف مادی اور لطیف روحانی مخلوق آباد ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اکثر عالمِ غیب کی اصلی حقیقت لطیف جہان اور اس کی مخلوق سے بحث فرماتا ہے۔ کیوں کہ اصل دین کا معاملہ عالمِ غیب سے متعلق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الٓمّٓ ٥ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ج فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ٥ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرة ۲: ۱ ـ ۳)۔ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور یہ ہدایت ہے ان پرہیزگار متقی لوگوں کے لیے جو عالمِ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔'' عام طور پر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرة ۲: ۳) سے بغیر دیکھے ایمان لانا مراد کیا گیا ہے۔ وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کیوں کہ ایمان اور یقین دیکھنے سے صحیح، مضبوط اور درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ یقین کے تین درجے ہیں: اول علم الیقین، دوم عین الیقین، سوم حق الیقین جس سے شناخت، دید اور دریافت مراد ہے۔ جس طرح ہر معاملے اور واقعہ کی نسبت کسی شخص کی گواہی اور شہادت تب صحیح ہوتی ہے جب کہ وہ معاملے اور واقعہ کو دیکھے ہوئے ہوتا ہے۔ ورنہ بغیر دیکھے گواہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت اور شہادت میں وہی صاحب عین الیقین والے سالک اور روشن ضمیر عارف لوگ ہی سچے ہو سکتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے غیبی واقعات اور باطنی معاملات کو جن کا ذِکر قرآنِ کریم میں آیا ہے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یعنی ان کا کلمہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَ الرَّسُوْلُ اللّٰه صحیح اور درست ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین اور ایمان کو

مضبوط کرنے کے لیے انہیں ملکوت السمٰوٰت والارض دکھائے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (الانعام ۶: ۷۵)۔ ترجمہ: ''اور اس طرح ہم دکھاتے رہے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے آسمانوں اور زمین کے غیبی مملکت تاکہ وہ اہلِ یقین میں سے ہو جائے۔'' بلکہ حضرت ابراہیم، اللہ تعالیٰ سے خود اطمینانِ قلب اور استحکامِ ایمان کے لیے اس قسم کی استدعا اور التجا کرتے رہے۔ جیسا کہ ان آیتوں میں مذکور ہے: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ (البقرۃ ۲: ۲۶۰)۔ ترجمہ: اور جب کہ سوال کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم کیا تو نہیں مانتا کہ میں مردے زندہ کر لیتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک میں مانتا ہوں لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرا اطمینانِ قلب ہو جائے۔ تب اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کرنے کا معاملہ ابراہیمؑ کو دکھا دیا۔ اور اگر بغیر دیکھے ایمان لانے کی کوئی وقعت اور حقیقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السمٰوٰت والارض دکھا کر ان کا یقین بڑھاتے۔ اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں مردہ جلا کر دیکھنے کی استدعا کرتے۔ سو یقین اور ایمان دیکھنے پر موقوف ہے اور بغیر دیکھے کلمہ شہادت پڑھنے والوں کا کلمہ رسمی رواجی ہے اور ہرگز درست نہیں ہے۔ اور یہ کلمہ تو منافقین کا کلمہ ہے۔ جیسا کہ ہم پچھلی آیتوں میں بیان کر آئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ○ (المنٰفقون ۶۳: ۱)۔ سو ایمان کا سارا معاملہ غیب میں ہے۔ جیسا کہ ایمان کی شرائط میں مذکور ہے: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے صفات و اسما اور اس کے ملائکہ اور کتب اور اس کے رسول اور یومِ آخرت اور سزا و جزا وغیرہ سب غیب کی مخفی چیزیں ہیں۔ اور جب تک مومن ان غیبی مخفی چیزوں کو دیکھ نہ پائے اس کا یومنون بالغیب ہونا اور کلمہ شہادت، ایمان صحیح اور درست ہرگز نہیں ہوتا۔ جو منافق کورچشم ازل سے اس غیبی حقیقی دنیا سے اندھا ہے اس کا رسمی رواجی تقلیدی ایمان خدا

کے نزدیک پر کاہ کے برابر بھی قدر اور قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ اُلٹا منافقین کی طرح ان کا زبانی کلمہ ان پر وبالِ جان اور زوالِ ایمان کا موجب اور باعث بن جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (بنیٓ اسرآئیل ۱۷: ۷۲)۔ ترجمہ: ''جو شخص اس دنیا میں اس غیبی دنیا سے اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور گمراہی میں پڑا ہوگا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ جو یہ ذکر آیا ہے کہ آپ ﷺ نے ستارے، چاند اور سورج کو یکے بعد دیگرے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ میرا رب ہے۔ ان آیات کی حقیقی تفصیل اور اصلی تفسیر نہایت ضروری ہے۔ قولہ تعالیٰ: فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ (الانعام ۶: ۷۶)۔ یعنی جس وقت ابراہیم علیہ السلام پر رات چھا گئی اور آپؑ نے ایک ستارے کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ ستارا غروب ہو گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر آپؑ نے جب چاند کو چمکتے دیکھا تو آپؑ نے کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن اس کے غروب ہونے پر آپؑ اس سے بھی بیزار ہو گئے۔ پھر آپؑ نے سورج کو دیکھا تو اسے اپنا رب اور معبود سمجھا۔ لیکن اس کو غروب ہوتے دیکھ کر اس سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ بعدہٗ رب کا حقیقی نور دیکھ کر کہہ دیا اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام ۶: ۷۹) یعنی ''میں اپنے ربِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں۔ اب میں غیر معبودوں میں پھنسنے کا نہیں ہوں اور اب میں حقیقی موحد ہوں۔''

سو تمام کائنات عالمِ آفاق اور عالمِ انفس کے دو عالموں پر مشتمل ہے۔ جس طرح عالمِ آفاق میں مادی ستارے، چاند اور سورج ہیں اسی طرح عالمِ انفس میں بھی لطیف ستارے چاند اور سورج ہیں۔ جب سالک اللہ تعالیٰ کی طرف باطن میں منازلِ سلوک طے کرتا ہے تو سالک کو مختلف باطنی مقامات، منازل اور حالات سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور اس پر مختلف تجلیات ہوتے ہیں۔ چنانچہ تجلیٔ نفس مقام ناسوت میں انوارِ افعال سے کوکب اور ستارے کی صورت میں سالک پر نمودار ہوتی ہے۔ بعض سالکوں پر جب پہلے اس قسم کی تجلی کا ظہور

ہوتا ہے تو وہ اسے غلطی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب سالک اس مقام سے ترقی کر کے آگے گذر جاتا ہے تو وہ تجلی غائب اور معدوم ہو جاتی ہے۔ اس وقت سالک سمجھ لیتا ہے کہ یہ غائب اور معدوم ہونے والی تجلی عارضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی اس سے آگے ہے جو لازوال اور دائمی ہے۔ اس کے بعد سالک پر تجلیٔ قلب مقامِ ملکوت میں انوارِ اسما سے چاند کی صورت میں وارد ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ تجلی ذرا پہلی تجلی سے بڑی اور روشن تر ہوتی ہے اس لیے سالک اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن بعد چندے یہ تجلی بھی زائل ہو جاتی ہے اور سالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اصلی تجلی نہیں ہے۔ جب سالک اس سے آگے ترقی کر کے گذر جاتا ہے تو تجلیٔ روح مقامِ جبروت میں انوارِ صفات میں سے سورج کی صورت میں سالک پر ظاہر ہوتی ہے تو سالک خیال کرتا ہے کہ یہ بُرّاق اور روشن نور اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور ہوگا۔ لیکن طے مقامات میں جب سالک اس نور کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور وہ نور زائل اور غائب ہو جاتا ہے تو اسے بھی لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ٥ (الانعام ٦ : ٧٦) کہہ کر ترک کر دیتا ہے۔ اس کے بعد سالک کے اوپر مکانِ لاہوت میں اللہ تعالیٰ کی اصلی ذاتی انوار کی تجلی بے کیف اور بے جہت، بے چون و بے چگون طور پر نمودار ہوتی ہے جو کسی صورت میں معدوم اور زائل نہیں ہوتی۔ اس وقت سالک معلوم کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی، اصلی اور ذاتی تجلی ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی طرح اصلی توحید کے مرتبے پر فائز اور اللہ تعالیٰ کے قربِ حقیقی سے ہم کنار ہو کر بول اٹھتا ہے: اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ٥ (الانعام ٦ : ٧٩)۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں اور تمام ماسوائے انوارِ افعال، اسما اور صفات کے شرک سے چھٹکارا پا کر حقیقی طور پر عارفِ کامل ہو گیا ہوں۔

مردہ دل نفسانی اور ظاہری زبانی عالموں نے مذکورہ بالا آیت کی جو یوں تفسیر کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مادی اور آفاقی ستارے چاند اور سورج کو پہلی بار دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ یہ میرا معبود اور رب ہے۔ حالاں کہ ایک اُولوالعزم پیغمبر کی یہ شان نہیں ہو سکتی کہ وہ اجرامِ فلکی جنہیں وہ روزمرہ دیکھتا ہے اپنا معبود بنا لیوے۔ انہیں پہلی بار دیکھنے کے

لیے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ گھڑ لیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی والدہ نے نمرود کے خوف سے کسی پہاڑ کی غار میں چھپا رکھا تھا اور اس کی وہاں خفیہ طور پر پرورش کیا کرتی تھی۔ حالاں کہ اس نے اپنے باپ اور چچا آذر اور تارخ کے گھر پر پرورش پائی تھی اور یہاں وہ جوان ہوئے تھے۔ اور یہ صورت کبھی ممکن نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے آسمان پر ایک ہی ستارہ دیکھا ہو۔ ستارے ہمیشہ بہت دمکتے نظر آتے ہیں۔ دیگر ستارہ، چاند اور سورج اگر ان کے دیکھتے ہی غروب ہو گئے تھے تو ان کا صرف ایک دفعہ غروب ہو جانا ہی اس بات کی دلیل کیوں کر ہو گئی کہ وہ پرستش کے قابل نہیں ہیں۔ حالاں کہ وہ پھر اپنے وقت پر ظاہر اور نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ اور ان مادی اجرام کے غروب ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً اپنا جلوہ کیوں کر دکھا دیا۔ اور اس سے پہلے انہیں کیوں غیر معبودوں میں پھنسائے رکھا۔ حالاں کہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل سے ہدایت فرمائی ہوتی ہے اور وہ ان آفاقی غیر معبودوں کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: کُنْتُ نَبِیًّا وَّکَانَ الْاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَ الطِّیْنِ کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کا گارا اور خمیر تھا۔ اور ہر پیغمبر کا دل بچپن سے ہی نورِ عرفان سے پُر اور منور ہوتا ہے۔ اس قسم کی دور از عقل تاویلیں محض اللہ تعالیٰ کی اصلی حقیقی باطنی غیبی لطیف دنیا سے اندھے پن اور بے خبری کی پیداوار ہیں۔ اور یہ ظاہر بین کور چشم عالم ان تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کے ذمہ دار ہیں جو غیر مذہب والوں نے قرآنِ کریم پر کیے ہیں۔ مثلاً ان آفاقی چاند اور سورج وغیرہ کی نسبت ظاہر بین علما کے اس مسئلے پر آج ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ پڑ رہی ہے کہ چاند پہلے آسمان پر ہے اور سورج چوتھے آسمان پر ہے۔ حالانکہ روس اور امریکہ کے مصنوعی راکٹ سیارے چاند سے گذر کر سورج کی فضا میں جا پہنچے ہیں اور ان کے یہ مصنوعی راکٹ تینوں آسمانوں سے پار ہو گئے ہیں۔ جب ان ظاہر بین علما کو یہ بات کہی جاتی ہے تو ان سے سوائے اس کے اور کوئی بات بن نہیں پاتی کہ یہ بات بالکل جھوٹ اور غلط ہے۔ اور چاند اور سورج تک کوئی مصنوعی سیارہ یا راکٹ نہیں گیا۔ غرض قرآنِ کریم میں جن ستاروں، چاند اور سورج کا ذکر آتا ہے وہ انفس کے باطنی غیبی لطیف دنیا کے کوکب، چاند اور

سورج ہیں اور وہ باطنی حقیقی دنیا میں اپنی صحیح شان سے اپنے اپنے فلک اور آسمانوں پر جلوہ گر ہیں۔ اور ان میں اللہ تعالیٰ کے عالمِ امر کی لطیف غیبی مخلوق، ملائکہ اور ارواح رہتے ہیں اور وہاں تمام کائنات کے باطنی امور طے پاتے ہیں۔ اگر امریکہ اور روس کے مصنوعی سیارے اور راکٹ فی سیکنڈ پدموں اور سنکھوں میں بلکہ لاتعداد میل کی رفتار سے فضائے آسمانی کی طرف ابد تک اڑتے رہیں، وہ پھر پھرا کر اپنی اسی جگہ گھوم کر آ جائیں گے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے عالمِ انفس، عالمِ غیب اور عالمِ لطیف کے پہلے آسمان کو بھی نہیں چھُو سکیں گے۔ چہ جائیکہ وہ اس کے پار چلے جائیں۔ بلکہ ان تک پہنچنا اور ان کے پار ہونا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور سلطان سے ممکن ہو سکتا ہے اور یہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کے برگزیدہ باطنی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○ (الرحمٰن ۵۵: ۳۳) ۔ترجمہ: ”اے گروہ عالمِ جن اور انس اگر تمہیں طاقت حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود آسمان اور زمین سے نکل جاؤ۔ لیکن تم نہ نکل سکو گے مگر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی باطنی ہمت اور توفیق سے۔“

غرض ان غیبی لطیف لامحدود وسیع اور عریض آسمانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی لطیف غیبی مخلوق ملائکہ اور ارواح ہی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی باطنی روحانی توفیق سے پرواز کرتے اور چڑھتے ہیں۔ اور بعض جن بھی بسبب لطافت ان غیبی آسمانوں کی طرف غیبی امور معلوم کرنے کے لیے چڑھ جاتے ہیں۔ لیکن انہیں فرشتے شہابِ ثاقب کی مثل نوری پتھروں سے مار بھگاتے ہیں۔ بھلا اس مادی چاند، سورج اور ستاروں کی فضا میں جو شہابِ ثاقب اِدھر اُدھر چھوٹتے نظر آتے ہیں یہ وہ باطنی شہابِ ثاقب نہیں جنہیں فرشتے شیاطین کو مارتے ہیں۔ البتہ یہ ان مادی سائنس دان شیاطین کے لیے رجوم ہو سکتے ہیں جو اپنے مادی راکٹ اور مصنوعی سیارے دنیا کی مادی فضا میں اڑاتے ہیں اور انہیں شہابِ ثاقب (SHOOTING STARS) کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا ہے۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی نسبت بھی ظاہر بین علما اور عارفین کاملین اولیا کے درمیان اختلافِ رائے کی وجہ بھی عالمِ انفس اور عالمِ غیب کی حقیقت سے بے خبری

ہے۔ اس واسطے بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معراج محض ایک خواب تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ معراج روحانی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ معراج جسمانی تھا۔ غرض اس قسم کے تمام اشکال کی وجہ حقیقتِ حال سے بے خبری ہے۔ جن لوگوں نے باطنی طیر سیر نہیں کی وہ زبانی تاویلات یا کتابی روایات یا عقلی توجیہات کے ذریعے کبھی معراج کی حقیقت کو پا نہیں سکتے۔ مشتے نمونہ از خروارے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ صرف صاحبِ الہام ولی ہی نبی کی وحی کی صحیح حقیقت اور کیفیت معلوم کر سکتے ہیں۔ اور صاحبِ کرامت اولیا ہی انبیا کے معجزات کا صحیح پتہ لگا سکتے ہیں۔ ورنہ دِل کے اندھے نفسانی علما ان مسائل میں ہمیشہ لغزشیں اور ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔ اور ان کے لڑائی جھگڑے اور بحث مباحثے کبھی ختم نہیں ہوتے اور ہاتھی اور اندھوں والی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ بیت:

جنگِ ہفتاد و دو[۷۲] ملت ہمہ را عذر بنہ
چون ندید ند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ان دل کے اندھے نفسانی لوگوں کو جب یہ باطنی مراتب حاصل نہیں ہوتے تو ان کے انکار سے اپنی تسلی کرتے ہیں اور انبیا اور اولیا کو (معاذ اللہ) جھوٹا اور فریبی یا فریب خوردہ خیال کرتے ہیں اور اپنے ظاہری زبانی علم کے پندار میں خیال کرتے ہیں کہ ہم عالم وارثِ انبیا ہیں۔ اگر یہ باطنی مراتب اور روحانی کمالات ہوتے تو ہمیں ضرور حاصل ہوتے۔ علم دو قسم کا ہے: ایک علمِ ظاہری زبانی کتابی، دوم علمِ باطنی ربانی اور وہبی۔ پہلا علمِ ظاہر علما سے بطور درس تدریس کتابوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن علمِ باطنی بلاواسطہ وہبی اور فضلی طور پر اللہ تعالیٰ سے براہ راست حاصل ہوتا ہے: جس کا تھوڑا سا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ (الکہف ۱۸: ۶۵) ۔ترجمہ: ”پس موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے ایک خاص بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا اور اسے اپنی طرف سے باطنی علم عطا کیا تھا۔

ان ہر دو ظاہری اور باطنی کتابی اور وہبی علوم کا ذکر ان آیات میں آیا ہے۔ قولہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ

الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ق وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ o ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ o مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ط بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ o (الجمعة ۶۲ : ۲ ۔ ۵)۔ ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے اپنا رسول مبعوث فرمایا کہ جو انہیں میری آیات بیان فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں میری کتاب قرآن کی تعلیم دیتا ہے اور اس کتاب کے اسرار اور حکمتیں سکھاتا ہے۔ درآنحالیکہ وہ پہلے تھے گمراہی میں اور سب سے پس ماندہ۔ جب کہ وہ آ ملے تھے ان سے اور اللہ بڑے غلبے اور حکمت والا ہے۔ یہ نعمت (باطنی علم) محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ ظاہری کسبی کتابی علم کا بھی ذکر فرماتے ہیں گو نام یہود کا لیا ہے) مثال ظاہری بے عمل علما کی ان علمائے یہود کی ہے کہ جنہیں توریت کا ظاہری علم دیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے اسے عملی طور پر دل سے نہ اٹھایا۔ ان کی مثال گدھے کی ہے کہ جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ یہ بُری مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں اور دِل کے اندھوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

انبیا اور اولیا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں طور پر باطن میں وارداتِ غیبی اور فتوحاتِ لاریبی کا نزول ہوتا ہے۔ صرف اِن میں مراتب اور درجات کا فرق ہوتا ہے۔ ولی کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باطنی القا ہوتا ہے اسے الہام کہا جاتا ہے اور نبی کے دل پر باطنی القا کو وحی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ولی کی خوارق کو کرامت کہتے ہیں لیکن نبی کے خوارق کو معجزات کا نام دیا جاتا ہے۔ اِسی طرح نبی کے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے آسمانوں، عرش و کرسی کی طرف باطنی پرواز کو معراج کہا جاتا ہے۔ لیکن ولی کے باطنی صعود اور عُروج کو باطنی طیر سیر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ غرض نبی اور ولی کے باطنی کمالات اور روحانی مشاہدات میں ہر طرح کی پوری مماثلت اور تمام مشابہت پائی جاتی ہے۔

نبی اور ولی کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے باطنی لطائف زندہ ہو جاتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں زندہ اور تابندہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط (البقرة ۲ : ۲۵۷)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو اس پر سچے دل سے ایمان لے آئے ہیں انہیں مادے کی کثیف ظلمت سے نکال کر عالمِ غیب کی لطیف نوری دنیا میں داخل کر دیتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْھَا ط (الانعام ۶ : ۱۲۲)۔ ترجمہ: ''آیا وہ شخص جو تھا مردہ پھر ہم نے اسے اپنے نور سے زندہ کر دیا اور اُسے ایسا نور عطا کیا کہ جس کے ذریعے وہ لوگوں کے نفوس کے اندر چلتا پھرتا ہے ایسے شخص کی مثل ہو سکتا ہے کہ جو مادے کے اندھیرے میں گرفتار ہے اور اس سے کبھی نکلنے والا نہیں ہے۔'' سو جس سعادت مند شخص کو اللہ تعالیٰ خلقِ خُدا کی طرف رہنمائی اور ہدایت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس کے باطنی لطائف کو اپنے نور سے زندہ فرما دیتا ہے اور اِن لطائف سے وُہ عالمِ انفس و عالمِ غیب میں طیر سیر کرتا ہے اور اسے کئی باطنی نوری وجود عطا کر دیتا ہے جس کے تمام اعضا اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ غرض تمام باطنی کمالات اور رُوحانی کشف و کرامات اور عجیب و غریب خوارق ان غیبی لطیف نوری اجسام کے کرشمے ہوتے ہیں۔ اِن باطنی نوری اجسام کی تائید میں ہم یہاں صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے آں حضرت ﷺ نے یَتَقَرَّبُ الْعَبْدُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَکُوْنُ عَیْنَیْہِ یَبْصُرُبِیْ وَاُذُنَیْہِ یَسْمَعُ بِیْ وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَنْطِقُ بِیْ وَاَیْدِیَہٗ یَبْطِشُ بِیْ وَرِجْلَیْہِ یَمْشِیْ بِیْ ۔ ترجمہ: ''آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ کثرتِ نوافل یعنی زائد عبادت کی وجہ سے میری طرف قریب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں اُس کے کان بن جاتا ہوں وہ مجھ سے سنتا ہے اور اُس کی زبان بن جاتا ہوں میرے ساتھ بولتا ہے اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں وہ مجھ سے چلتا اور پکڑتا ہے۔''

غرض اس قسم کی قرآنی آیات اور احادیث بکثرت ہیں جن سے ایک منصف مزاج، حق جُو اور حقیقت شناس انسان کو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے بعض سعادت مند اصحاب کے وجود میں ایسی پاک نوری لطیف شخصیت پیدا ہو جاتی ہے

جس سے وہ باطن کی لطیف غیبی دُنیا میں طیر سیر کرتا ہے۔ اِنسان کے اِس کثیف عنصری جثّے
کے اندر نفس کا ایک لطیف جثہ اس طرح زندہ اور بیدار ہو جاتا ہے جس طرح انڈے کے
اندر بچہ اور اس نفس کے جثّے کے اندر دل اور قلب کا لطیف جثہ زندہ اور نمودار ہو جاتا ہے۔
اور دل کے لطیف جثّے کے اندر روح کا لطیف الطف جثہ پیدا اور ہویدا ہو جاتا ہے اور ہر
لطیف جثہ اپنے اندر کثیف جثّے کے اندر اس طرح جاری اور ساری اور مخفی ہوتا ہے جس
طرح دودھ کے اندر مکھن اور مکھن کے اندر گھی ہوتا ہے۔ اس طرح کے باطنی سات لطیف
جثّے ایک دوسرے کے اندر پیدا اور ہویدا ہو جاتے ہیں۔ اور سالک عارف کامل ہر جثّے کے
ساتھ اس کے مطابق سات لطیف عالموں میں یا سات لطیف غیبی آسمانوں میں طیر سیر کرتا
ہے۔ وہ سات لطائف یہ ہیں: لطیفۂ نفس، لطیفۂ قلب، لطیفۂ رُوح، لطیفۂ سِر، لطیفۂ خفی،
لطیفۂ اخفیٰ اور لطیفۂ انا۔ ہر لطیفہ کا اس کے مطابق الگ لطیف عالم ہے اور اس کی اپنی نوعیت
کی خاص سیر ہے اور خاص حال، مقام، رنگ اور اس کا مخصوص ذِکر ہے۔ اِن سات لطائف
کے مُطابق قرآن کریم کے بھی سات بطون ہیں جیسا کہ آیا ہے: اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَهْرٌ" وَّ بَطْنٌ"
وَلِكُلِّ بَطْنٍ بَطْنٌ" اِلٰى سَبْعِ بُطُوْنٍ۔ ترجمہ: یعنی قرآن مجید کا ایک ظاہر اور باطن ہے۔ اور
ہر باطن کا ایک الگ باطن ہے سات بطون تک۔ ان سات لطائف کا ایک جامع چارٹ
یعنی نقشہ ہم نے عرفان حصہ اوّل میں دیا ہے۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

عارف کامل جب ان باطنی لطائف کی لطیف زبان سے ذکر اللہ کرتا ہے یا قرآن مجید
کی تلاوت کرتا ہے تو اس لطیف زبان کا ذکر اور دعوتِ قرآن اس لطیف غیبی دنیا کے دروازہ
کھولنے کی کلید اور کنجی بن جاتا ہے اور عارف کامل اس لطیف عالم اور غیبی دنیا میں داخل
ہو جاتا ہے اور وہاں کی طیر سیر کرتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا
هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ
الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (الانعام ۶: ۵۹) ۔ ترجمہ: اور اللہ
کے پاس ہیں غیب کی کُنجیاں۔ نہیں جانتا ان کنجیوں کو مگر وہ الخ۔ سو یاد رہے کہ یہ غیب کی
کنجیاں اللہ تعالیٰ نے اس لیے اپنے پاس نہیں رکھی ہیں کہ وہ خود ان سے غیب کے دروازے
کھولتا ہے اور اُن کے بغیر وہ غیب کے دروازے نہیں کھول سکتا بلکہ عالم غیب اور شہادت ہر

وقت اُس پر عیاں ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (سبا ۳۴: ۳)۔ قولہٗ تعالیٰ:
لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ○ (ال عمرٰن ۳: ۵)۔ بلکہ یہ کنجیاں
اس نے اپنے خاص برگزیدہ بندوں کے لیے رکھی ہیں۔ اور جنہیں وہ کنجیاں عطا کرتا ہے وہ
ان کنجیوں سے عالمِ غیب کے مختلف دروازے کھول لیتا ہے اور عالمِ غیب کا نظارہ اور اس کی
سیر کر لیتا ہے۔

جیسا کہ معراج کی رات حضرت رسول اکرم صلعم پر جبرئیلؑ کی معیت میں عالمِ غیب
کے مختلف دروازے کھلتے رہے اور آپ ﷺ نے سات آسمانوں اور عرش وکُرسی، لوح وقلم،
جنت و دوزخ وغیرہ کی سیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے غیبی مملکت کے تمام خزانے آپ ﷺ کو
دکھائے گئے۔ اب ناظرین کے ازدیادِ یقین اور اطمینانِ قلب کے لیے یہ فقیر اسی قسم کا اپنا
ایک ابتدائی مشاہدہ اور تجربہ بیان کرتا ہے۔ جس کے مطالعہ سے انشاء اللہ عالمِ غیب کی
کنجیوں کی نوعیت اور کیفیت ناظرین پر کھل جائے گی۔

ایک دفعہ جب اس فقیر نے سورۂ مزمل کی دعوت پڑھنی شروع کی تو ہر رات حسب
معمول سورۂ مزمل مخصوص تعداد میں مزار حضرت سلطان العارفینؒ پر پڑھتا رہا۔ ایک دن اس
فقیر نے ترکِ دُنیا اور ایثار نفس کا ایک خاص عملی مظاہرہ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے حضرت
سلطان العارفینؒ کی روح پرفتوح خوش ہوئی۔ اس رات حسبِ معمول مزار کے پاس کھڑے
ہو کر اس فقیر نے سورۂ مزمل کی دعوت پڑھی اور اپنی جگہ پر واپس آ کر سو گیا تو میں نے دیکھا
کہ میرے جسمِ عنصری سے ایک لطیف جسم باہر نکل آیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے اپنی لطیف
زبان سے ایک دفعہ درود شریف اور پھر سورۂ فاتحہ اور پھر درود شریف ادا کیا۔ اس طرح سورۂ
فاتحہ پڑھتے ہی مجھ پر عالمِ غیب کا دروازہ کھل گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ میرا لطیف جسم
بقائمی ہوش وحواس غیب کی دنیا میں داخل ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ میرے نیچے کوئی
سواری ہے۔ اس سواری نے مجھے کہا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے اسے کہا کہ
حضرت سلطان العارفینؒ کو ملنے کا اشتیاق ہے۔ اس پر وہ سواری مجھے اوپر کی طرف اڑا کر
لے گئی اور میں مختلف مقامات سے گزر کر ایک بالا خانے پر پہنچا جس کے تین سبز رنگ کے

دریچے تھے۔ ان میں سے درمیان والے دریچے کے سامنے مجھے لا کر کھڑا کر دیا گیا اور خود وہ سواری اس دریچے کے اندر داخل ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں وہ دریچہ کھل گیا اور اس میں سے ایک چاند جیسے نہایت نورانی چہرے والے بزرگ نمودار ہوئے۔ آپؒ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ سے وہ تمام مکان روشن ہوگیا۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ آپؒ نے سلام کا جواب دیا اور اس فقیر کو واپسی کی اجازت فرمائی۔ اس کے بعد وہ باطنی سواری اس فقیر کو وہاں سے اڑا کر لے آئی۔ میں جب وہاں سے اپنے جسمِ عنصری کے قریب پہنچا تو اسے بدستور بے حس وحرکت محوِ خواب پایا۔ اس کے بعد میرا باطنی لطیف جثہ اس کے اندر داخل ہوا اور اسے لباس کی طرح پہن لیا۔ عالمِ غیب کے اس باطنی طیر سیر کے وقت میرے تمام ہوش و حواس بالکل بجا تھے اور میں پوری بیداری کے عالم میں تھا۔ خواب وخیال کا اس میں مطلق شائبہ تک نہ تھا۔ اس طرح مجھے دعوت سورۂ مزمل کی ظاہری اور سورۂ فاتحہ کی باطنی غیبی مفتاح اور کلید گویا حاصل ہوگئی۔

اس کے بعد جب کبھی یہ فقیر کسی روحانی اہل قبور کی قبر پر رات کو جا کر سورۂ مزمل کی دعوت پڑھ کر مراقبہ کرتا یا سو جاتا تو میرا باطنی لطیف جثہ سابق طور پر باطنی زبان سے ایک دفعہ درود شریف بعد سورۂ فاتحہ اور پھر درود شریف پڑھ کر جثۂ عنصری سے باہر آ جاتا اور بحر عالمِ غیب میں ڈوب جاتا۔ اور اہل قبر رُوحانی سے ملاقی، ہم سخن اور ہم کلام ہو جاتا اور اس رُوحانی سے اپنی مطلب برآری میں مدد حاصل کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنے باطنی مربی اور رُوحانی پیشوا حضرت سلطان العارفینؒ کی جناب سے سورۂ مزمل اور سورۂ فاتحہ کی اس کلید اور مفتاحِ غیب کے حصول کے بعد کئی دفعہ مزاروں پر سورۂ مزمل اور سورۂ فاتحہ یہ فقیر پڑھتا رہا ہے۔ اور مختلف رُوحانیوں سے اِسی طرح عالمِ برزخ میں ملاقات ہوتی رہی ہے اور غیب کے دروازے کھلتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہدِ حال ہے کہ جو کچھ اس فقیر نے مفتاح عالم غیب کی مثال کے طور پر واقعہ بیان کیا ہے اس میں ذرّہ بھر جھوٹ، افترا اور مبالغے کا دخل نہیں ہے اور یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور وہم گمان اور خواب وخیال کی دنیا سے یہ معاملہ بالکل بالا ہے۔ اس طرح رسمی، رواجی اور ظاہری زبانی طور پر اگر کوئی شخص تمام عمر کسی رُوحانی کی قبر پر دعوتِ قرآن اور فاتحہ پڑھے وہ ہرگز روحانی کو

حاضر نہیں کر سکتا اور نہ ملاقات کر سکتا ہے اور نہ بغیر عطائے کلیدِ دعوت کسی پر عالمِ غیب کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ تمام قرآنی سورتیں اور آیات اور اسمائے حسنیٰ اور اسم اللہ ذات اور کلمہ طیبہ اور دیگر کلمات طیبات عالمِ غیب کے لیے مفاتیح اور کلیدات کا حکم رکھتے ہیں۔ لیکن ان کلیدات کے لیے خاص پاک لطیف جسم اور پاک لطیف زبان کی ضرورت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاک برگزیدہ بندوں یعنی اللہ کے باطنی خزانچیوں کے قبضے میں یہ عالم غیب کی کنجیاں ہوتی ہیں جسے چاہتے ہیں اللہ کے امر سے عطا کرتے ہیں اور ہر ابوالہوس نفسانی آدمی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ اور جو اس نعمتِ عظمیٰ کے اہل ہوتے ہیں ان کے لیے بار گاہِ رب العزت سے ان کلیدات کا امر اور لائسنس جاری ہو جاتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ط بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ط (الرعد ۱۳ : ۳۱) ۔ ترجمہ: اور اگر قرآن شریف عوام کے لیے ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا اس سے مردے اہلِ قبور ہم کلام ہو جاتے بلکہ قرآن کریم کی اس خاصیت کی کلید اور امر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور وہ خاص اہل لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ سو عالم لطیف اور عالمِ غیب کے مختلف دروازے ہیں اور ان کی مختلف کلیدات اور کنجیاں ہیں۔ اور ہر عالم لطیف سے بالا اور اس کے اوپر اعلیٰ اور اولیٰ ایک اور زیادہ لطیف الطف عالم ہے۔ اور اس کے دخول اور طیر سیر کے لیے اسکے مطابق لطیف پاک جسم اور لطیف زبان کی ضرورت ہے۔ اور جب کوئی سالک عارف کامل عالمِ غیب میں ان باطنی دروازوں میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ایک پاک لطیف جسم اور لطیف زبان سے قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کی دعوت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے امر سے اس پر عالمِ غیب کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ اس عالمِ غیب میں داخل ہو کر اس کی سیر اور نظارہ کرتا ہے۔

آج کل امریکہ اور روس جو مصنوعی سیارے اور راکٹ اس مادی دنیا کے عالمِ آفاق کی فضا میں اڑا رہے ہیں ان کی یہ آفاقی اور مادی تگ ودو اور ظاہری جسمانی پرواز عالمِ انفس اور عالمِ غیب میں انبیاء اللہ کے باطنی معراج اور اولیاء اللہ کے روحانی طیر سیر کی ایک بہت ادنیٰ اور معمولی نقل ہے۔ ان ہر دو آفاق اور انفس کی فضا میں پرواز کے لیے چند چیزیں لازمی اور ضروری ہوتی ہیں:

اوّل: عالم بالا میں پرواز کے لیے ایسی صورت پیدا کی جائے کہ مصنوعی سیارہ یا راکٹ کسی طرح زمین کی کشش سے باہر نکالا جائے۔

دوم: اس میں بڑی بھاری الیکٹرک یا ایٹمی پاور اور طاقت بھری ہو جو اسے اوپر لے جائے۔

سوم: اسے اجرامِ فلکی میں سے کسی ستارے یا چاند اور سورج کی کشش لاحق ہو جو اسے خود اپنی طرف کھینچ کر لے جائے۔

چہارم: اس پر مختلف وزنی اور ہلکے خول چڑھے ہوئے ہوں کہ جب اسے زیادہ لطیف فضا میں پرواز کرنے کی ضرورت پڑے تو وہاں اس سے وزنی خول اتر جائے اور اس سے آگے زیادہ ہلکی جسامت سے پرواز کے قابل ہو۔ چونکہ ظاہری اور مادی پرواز نقل ہے اور باطنی اور روحانی پرواز اصل ہے لہٰذا ہر دو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ باطنی پرواز کے عارف سالک کے جسم کے اندر سات قسم کے لطیف الطف جثّے ایک دوسرے کے اوپر خول کی طرح چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ روحانی اہل اللہ کے باطنی راکٹ کے اندر اللہ تعالیٰ کے اسم کے نور کی الیکٹرک پاور بھری ہوتی ہے جو اسے پوری سرعت اور تیزی سے اوپر اٹھالے جاتی ہے۔ اہل اللہ کے کثیف مادی جسم کو زمین کی کشش ثقل لاحق ہوتی ہے لیکن اس کے لطیف باطنی جثوں کو کششِ ثقل لاحق نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ عالمِ بالا کی طرف اس طرح جاتا ہے جیسا کہ بلندی سے زمین کی طرف کوئی بھاری پتھر وغیرہ گرتا ہے۔ جب سالک عارف عالمِ بالا کی طرف اللہ تعالیٰ کی نوری پاور سے پرواز کرتا ہے تو وہ اپنے کثیف مادی اور عنصری جسم کو یہاں چھوڑ دیتا ہے۔ اور یہ کثیف وزنی خول اس سے اتر جاتا ہے اور نفس کے لطیف جسم سے عالم ناسوت کی فضا کو طے کرتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ عالمِ ملکوت کی زیادہ لطیف دنیا میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت وہ نفس کے کثیف خول کو اتار کر قلب کے لطیف تر جثّے کے ساتھ عالم ملکوت کی فضا میں پرواز کرتا ہے۔ اس سے آگے جب سالک عالمِ جبروت کی زیادہ لطیف غیبی فضا میں پرواز شروع کرتا ہے تو اس وقت قلب کے خول کو اتار کر روح کے لطیف تر مَرکب اور سواری کو پکڑ لیتا ہے اور عالم جبروت کے روحانی مقام پر پرواز کرتا ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس لطیفۂ سِرّ، لطیفۂ خفی، لطیفۂ اخفیٰ اور لطیفۂ انا کو قیاس کر لینا چاہیے۔

باطنی پرواز کے مذکورہ بالا مضمون کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے سے ناظرین پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی فلاسفی اور حقیقت کسی قدر واضح اور ظاہر ہو جائے گی۔ اور علمائے ظاہر اور اولیائے باطن کے درمیان معراج کے روحانی اور جسمانی اختلافات اور جملہ شکوک اور شبہات انشاءاللہ رفع ہو جائیں گے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج عالمِ انفس اور عالمِ غیب کی طرف باطنی پرواز کا اعلیٰ ترین اور افضل ترین نمونہ تھا۔ آپ ﷺ کی باطنی روحانی سواری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطنی برق اور اللہ تعالیٰ کے نوری الیکٹرسٹی (ELECTRICITY) قسم کی چیز تھی جیسا کہ لفظ براق سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس نے آپ ﷺ کا مَرکب بن کر آپ ﷺ کو عالمِ بالا کی طرف اڑایا۔

معراج کی رات آپ ﷺ کے نفس کے لطیفے نے آپ ﷺ کے جسمِ عنصری کے کثیف خول کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے اندر یا جس مقام پر باختلافِ روایات اس رات آپ ﷺ موجود تھے کو اتار لیا تھا۔ اور آپ ﷺ کے نفس کے لطیف جثّے نے بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کی طرف جبرئیلؑ کی رفاقت اور براق کی باطنی برقی طاقت اور پاور سے پرواز فرمائی اور وہاں تمام انبیا کی امامت فرمائی۔ یہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کا شک اور اشکال رفع ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک معراج کی رات میرے حجرے کے اندر موجود رہا اور حجرے سے غائب نہیں ہوا۔ (دوم) اگر آپ ﷺ کثیف عنصری جسم سے ظاہر طور پر بیت المقدس پہنچ کر انبیا کی امامت فرماتے تو کم از کم بیت المقدس کے مجاورین زائرین اور وہاں کے راہبین آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی جماعتِ انبیا کو ضرور کسی نہ کسی صورت میں دیکھ پاتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ معاملہ باطنی تھا اور ظاہری حواس کی پہنچ سے بالاتر تھا۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیا کے نفوس کے لطیف جسموں میں امامت اور جماعت فرمائی اور دیگر لطیف جثوں میں مختلف آسمانوں پر ان سے ملاقات کی جیسا کہ معراج کی حدیثوں میں مذکور ہے۔ اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پہ پہنچے جو جبرئیل علیہ السلام کا آخری مقام ہے اور اس سے آگے پرواز کا ارادہ فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام نے آگے رفاقت سے معذرت ظاہر کی

اور کہا کہ اگر ایک ذرّہ اور آگے تجاوز کروں گا تو میرے پرواز کے پر جل جائیں گے۔

بیت

اگر یک سرِ مُوئے برتر پرم فروغ تجلّی بسوزد پرم

(سعدی)

یہاں پر آپ ﷺ نے اعلیٰ ملکوتی خول اتار لیا اور براق کی برقی طاقت بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ آپ ﷺ یہاں سے رفرف کے زیادہ لطیف نوری جسم سے لاہوت لامکان کے بے مثل بے مثال عالم میں داخل ہوئے۔ اور وہاں اور اس سے آگے اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ کے مشاہدات سے مشرف ہوئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے نہایت مخفی اور پوشیدہ اسرار کی وحی سے بقول فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی o (النجم ۵۳ : ۱۰) سے سرفراز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص برگزیدہ بندے جن کو باطنی اور غیبی دنیا میں طیر سیر حاصل ہوئی ہو وہ بطور مشتے نمونہ از خروارے معراج کی حقیقت اور کیفیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ نفسانی کورچشم دل کے اندھے ان باطنی باتوں کو کیا جانیں۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

انبیائے عظام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات اور قرآن کریم میں خلافِ عقل آیاتِ بینات اور خوارق کے سمجھنے میں نفسانی ظاہر بین عالموں کا ظاہری کتابی علم اور سائنس پروردہ مغرب زدہ نیچریوں اور ملحدوں کی مادی عقل ہر جگہ لغزشیں اور ٹھوکریں کھاتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر جگہ قرآنی آیات کے معانی اور تاویلات میں ان کی غلط تفاسیر سے اشکالات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ انہیں لاکھوں دلائل کے ذریعے عالم غیب کا قائل کرایا جائے اور طرح طرح کے براہین سے سمجھایا جائے یہ مادی عقل والے اور کتابی علم والے بطور اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (الاعراف ۷ : ۱۷۶) مادی زندگی کے دوام کا دم بھرتے ہیں اور مادے کے ہی چکر میں پھرتے ہیں اور ہرگز غیبی باطنی دنیا کو کسی صورت ماننے میں نہیں آتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ o (الانفال ۸ : ۲۲) ۔ ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے برے (انسان نما) حیوان وہ ہیں جو دل کے بہرے اور گونگے ہیں اور کسی طرح نہیں سمجھائے جا سکتے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں

کہ دین کا سارا معاملہ غیب پر قائم اور عالمِ غیب سے متعلق ہے۔ جو لوگ عالمِ غیب سے اندھے ہیں اور اس عالم کی حقیقت سے منکر ہیں اور مادی دنیا کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں یا دین کے ہر معاملے کو مادی دنیا اور اپنی مادی عقل پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا دین بچوں کا کھیل اور مضحکہ خیز بن کر رہ جاتا ہے۔ اور جب دین کے منکرین اور مذہب کے مخالفین کی طرف سے ان پر اعتراضات اور شکوک و شبہات کی بوچھاڑ پڑتی ہے تو بغلیں جھانکنے لگ جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ دین کے مقابلے میں عقل کو استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہر خلافِ عقل بات کو مان لینا چاہیے جس سے مخالفین کی کچھ تسلی تو نہیں ہوتی بلکہ انہیں دینی مسائل کا مضحکہ اڑانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر دین کا ہر معاملہ انسانی سمجھ سے باہر اور عقل کے خلاف ہے تو معلوم ہوا کہ دین اور مذہب کی بنیاد جہالت پر ہے اور تمام ادیان اور مذاہب (معاذ اللہ) زمانۂ جہالت کی پیداوار ہیں اور ایسی جہالت کی پیروی کی کیا ضرورت ہے۔ حالاں کہ دین اور مذہب کا ہر معاملہ عقل کے عین موافق بلکہ عقلِ کل کی پیدوار ہے اور دین کا ایک چھوٹا اور ادنیٰ سا مسئلہ بھی عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ظاہر بین مادی زبانی علماء اپنی خشک توحید کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے علم بردار تھے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں کی طرح صرف زبانی خشک توحید کے دعوے دار نہیں تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہِ باطن کے سالکِ اعظم اور سلوکِ طریقت کے راہوار تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَقَالَ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ o (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۹۹) ۔ ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف (باطن میں) چلنے والا ہوں وہ مجھے عنقریب اپنی طرف ہدایت فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت ۲۹ : ۶۹) ۔ ترجمہ: اور جو لوگ ہماری طلب میں کوشش اور مجاہدہ کریں گے ہم انہیں اپنی طرف ہدایت کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو عملی طور پر کامل موحد تھے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں غیر معبودوں اور ماسوائے مقصودوں سے بے زار اور روگردان انہیں اپنا جانی اور ایمانی دشمن خیال کرتے تھے اور دنیا کے تمام کاروبار یعنی رزق کی

فراخی اور تنگی، بدن کی بیماری اور صحت بلکہ زندگی اور موت کے تمام مراحل اور منازل میں اللہ تعالیٰ کو ہی کفیل اور وکیل سمجھتے تھے۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ (الشعراء ۲۶: ۷۷۔۸۱)۔ ترجمہ: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ رب العالمین کے ماسویٰ جملہ معبود اور مقصود میرے دشمن ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے سامنے حائل ہوں اور میرا معبود وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پس وہ مجھے اپنی طرف ہدایت فرمائے گا۔ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا بخشتا ہے۔ اور وہی مجھے مارتا اور جلاتا ہے۔'' پس اللہ تعالیٰ کے راستے کے باطنی سالک کے لیے ہر وہ شے جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے اسے روکے وہ اس کے لیے دشمن کا حکم رکھتی ہے۔ خواہ وہ اپنا نفس، مال، بال بچے ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ (التغابن ۶۴: ۱۴) ۔ ترجمہ: ''تمہاری بیویوں اور بچوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔''

کیا یہ زبانی توحید کے مدعی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عملی توحید کو پہنچ سکتے ہیں۔ حالانکہ جب انہیں کوئی دنیاوی مشکل پیش آتی ہے تو ظالم بدکار دنیاداروں، فاسق، فاجر، بے دین اہل کاروں اور کافر، مشرک حاکموں کے دروازے پر استمداد کے لیے چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ اگر بیمار ہو جائیں تو کافر ڈاکٹروں سے علاج معالجہ کرانے سے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ خواہ وہ انہیں بطور دوا شراب جیسی ام الخبائث اور خنزیر کے معدے کا جوہر ہی پیش کر دیں یہ بصد خوشی اسے پی جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ان کی زبانی توحید کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ ان کے حسد اور کبر والی توحید میں اس وقت شیطانی طوفان برپا ہوتا ہے جب کہ کسی خدا کے برگزیدہ بندے اور اس کے نبی یا ولی سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں راہبری یا رہنمائی کی امداد طلب کی جائے یا کسی معالج القلوب اور طبیب الارواح سے باطنی، قلبی اور روحانی امراض کی تداوی اور علاج حاصل کیا جائے۔ یا کسی باطنی روحانی عالم سے جسے اللہ تعالیٰ نے علم مِنْ لَّدُنَّا (الکہف ۱۸: ۶۵) سے سرفراز فرمایا ہو اس کے دروازے پر علم باطنی حاصل کرنے کے لیے حاضری دی جائے۔ ان کور چشم، منافق، زبانی توحید کے مدعی، نفس کے بندوں کو عملی موحد اور اللہ تعالیٰ کے طالب سالک اور اس کی راہ میں نفس اور جان کی قربانی دینے والے جانباز پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے جو دنیائے دوں کے حریص اور اس کے اقتدار کے طالب اور ہر فعل اور عمل میں ان کا اصلی مقصود اور غرض و غایت دنیوی علو اور ظاہری عز و جاہ ہو وہ اپنی توحید میں کسی طرح بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیرو نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ پیغمبر ہیں جنہوں نے پہلے پہل روئے زمین پر خانہ کعبہ اور بیت اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ تعمیر کی اور اس کا عکس اور نقشہ بیت المعمور یعنی باطنی اور نوری کعبہ سے لیا گیا۔ اور وہ باطنی کعبۂ جان و دل اصل ہے۔ اور کعبۂ آب و گل اس کی نقل اور عکس ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان ہر دو میں بڑی مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور بزرگانِ دین اور سلف صالحین نے اپنے اشعار اور تصانیف میں ان ہر دو صوری اور معنوی، مجازی و حقیقی، مادی اور روحانی، ظاہری اور باطنی کعبوں کی طرف اشارے فرمائے ہیں۔ جیسا کہ مولانا روم صاحبؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:

دل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہِ خلیل آذر است   دل گذرگاہِ جلیل اکبر است

اور ہر شخص نے اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق اپنا قبلہ اور کعبہ چن لیا ہے۔ اور اس کے حج زیارت، طواف، قربانی اور مناسک کو ذریعۂ نجات بنا لیا ہے۔ جو لوگ عالمِ غیب کے حقیقی، باطنی اور روحانی دنیا سے بے بہرہ اور بیگانہ ہیں اور محض مادی حواس اور ظاہری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں انہوں نے کعبۂ آب و گل یعنی نقل کو اختیار کر لیا ہے۔ اور جو لوگ باطنی حواس کے مالک اور عالم غیب کی حقیقی دنیا سے واقف ہیں انہوں نے کعبۂ جان و دل یعنی اصلی کعبہ کو چن لیا ہے۔ احادیث اور تفاسیر کی بعض روایات سے ان ہر دو کعبوں، ان کے حج اور قربانیوں کے بیانات سے حقیقتِ حال پر روشنی پڑتی ہے۔ اور دینی عقل اور مذہبی فراست رکھنے والے اصحاب اصل اور نقل، حقیقت اور مجاز کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسلام نے سال میں دو عیدیں مقرر کی ہیں: ایک رمضان المبارک کے بعد عید الفطر اور دوم ماہِ ذی الحجہ کو عید الضحیٰ۔ اوّل الذکر چھوٹی عید اور موخر الذکر کو بڑی عید بھی کہتے ہیں۔

عیدالفطر کے روز مسلمان اس لیے خوشی مناتے ہیں کہ مسلمانوں نے تیس دن روزے رکھے۔ اللہ کے لیے بھوکے پیاسے رہے۔ نمازیں پڑھیں اور اللہ کا فرمان بجالائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں خوشی اور عید منائی۔ عیدالضحیٰ دراصل ان لوگوں کی عید ہے جو وطن اور اہل وعیال کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی خانہ کعبہ اور بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے دور دراز سفر کی صعوبتیں اختیار کر لیتے ہیں اور وہاں اللہ کے گھر میں حاضری دیتے ہیں۔ چنانچہ حاجی لوگ اس کامیابی اور سعادت کی خوشی میں عید مناتے ہیں۔ ہر دو عیدوں میں لوگ غسل کرتے ہیں، عمدہ نئے کپڑے پہنتے ہیں اور خوشبو وغیرہ لگا کر آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہیں۔ دراصل گو یہ ہر دو عیدیں اس دنیا میں ایک وقتی تہوار ہیں لیکن ان ہر دو عیدوں کے پیچھے اسلام کا ایک بڑا بھاری فلسفہ کارفرما ہے۔ جو کہ ایک عظیم الشان ٹھوس حقیقت اور اصل ہے اور یہ اس کی مجازی صورت اور نقل ہے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ اور اس کی عید تو ان اہلِ عقبیٰ، دیندار، زاہد، عابد اور متقی لوگوں کی نقل ہے جنہوں نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کی سب نافرمانیوں اور کل مناہی سے مرتے دم تک روزہ رکھ لیا اور ایمان کی سلامتی سے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چنانچہ وہ موت کے بعد بہشتی لباس اور جنتی حلّے پہنے ہوئے بہشت میں اپنے مومن بھائیوں سے ملیں گے۔ ایک دوسرے کو ایمان کی مبارکباد دیں گے اور بہشت کی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی دل پر ان کا خیال گزرا ہے۔ جیسا کہ آیا ہے: اَلدُّنْیَا یَوْم" وَلَنَا فِیْهَا صَوْم" یعنی دنیا کی تمام حیاتی کو ہم نے ایک دن سمجھ لیا ہے اور ہم اس میں اللہ تعالیٰ کی تمام مناہی سے روزہ دار ہیں۔ اور عیدالضحیٰ کی عید جسے عید قربان بھی کہتے ہیں ان سرفروش جانباز عاشقانِ الٰہی کی نقل ہے جو سر دھڑ اور جان و مال کی بازی لگا کر سر ہتھیلی پر رکھ کر اور محبوب نفس کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ محبوبِ حقیقی کی طلب میں نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اسی دنیا میں اس کے دیدار سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت پیر محبوب سبحانی قدس سرہٗ فرما گئے ہیں۔

شکر للہ کہ نہ مردیم و رسیدیم بدوست
آفرین باد بر این ہمتِ مردانۂ ما

اس لیے اسے بڑی عید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وصال اور اس کے لقا اور دیدار کے

مقابلے میں بہشت اور اس کی نعمتیں ہیچ ہیں۔ مَنْ لَهُ الْمَوْلٰی فَلَهُ الْكُلُ۔

دنیا طلبا چہ گوئمیت مغروری
عقبیٰ طلبا چہ گوئمیت مزدوری
مولیٰ طلبا کہ داغ مولیٰ داری
در ہر دو جہان مظفر و منصوری

(ابوسعید ابوالخیر)

طَالِبُ الدُّنْيَا جَاهِل"، طَالِبُ الْعُقْبٰی عَاقِل" وَطَالِبُ الْمَوْلٰی كَامِل".

حساب صد ہزار عاقل بحشر بگذرد یک دم
حساب یک دم عاشق بصد محشر نمے گنجد

(حضرت معین الدین چشتی)

اب ہم اس جگہ عید قربان اور حج بیت اللہ کے اصل اور نقل کا تھوڑا سا حال بیان کرتے ہیں۔ حج بیت اللہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں پر اپنا بیت المعمور یعنی باطنی قبلۃ القلوب جو اللہ تعالیٰ کی خاص خلوت گاہ ہے دکھا دی کہ اس کے نمونے پر مکہ مکرمہ کی فلاں جگہ میں ہمارا گھر اور عبادت گاہ تیار کرو۔ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (الانعام ۶ : ۷۵)۔ ترجمہ: "اور اسی طرح دکھا دیئے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کے ملکوت کہ اسے یقین ہو جائے۔" چنانچہ اسی نمونے پر حضرت ابراہیمؑ نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ تیار کیا اور وہ لوگوں کے لیے پہلی عبادت گاہ بنی اور مسلمانوں پر اس کا حج اور اس کے مناسک یعنی طواف اور قربانی وغیرہ فرض کر دیئے گئے اور اس کے لیے ذوالحجہ کی دسویں تاریخ مقرر ہو گئی اور آج تک اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ بیت المعمور آسمانوں میں ایک غیبی لطیف نوری مقام ہے جو فرشتوں کی آماجگاہ ہے اور ان سے معمور ہے۔ اور دن رات فرشتے اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی عبادت اور حمد و ثنا میں مشغول ہیں۔ اور وہ اصل ہے اور بیت اللہ اس کی نقل ہے۔ جہاں حجاج دن رات طواف کرتے ہیں اور حمد و تسبیح پڑھتے ہیں۔ کیوں کہ جس طرح بدن کے ساتھ جان اور روحِ رواں ہے اسی طرح ہر ظاہر کے ساتھ باطن اور عالمِ شہادت کے بالمقابل ایک غیبی لطیف جہان ہے۔ اور ہر دینی معاملے کا اصل غیب میں ہے اور شہادت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی نقل اور ظلّ ہے۔

یہاں ہم قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنانا شروع کیا تو ہر دفعہ خانہ کعبہ کی عمارت گر پڑتی تھی اور قائم نہیں رہتی تھی۔ سو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا۔ جواب ملا کہ اس کے لیے قربانی دو۔ چنانچہ بار بار زیادہ سے زیادہ اونٹ بطور قربانی پیش کیے گئے لیکن قربانی کا مطالبہ جاری رہا۔ آخر امر ہوا کہ سب سے محبوب ترین اور عزیز ترین چیز کی قربانی پیش کرو۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ؕ (ال عمرٰن ۳: ۹۲)۔ ترجمہ: ''اے میرے بندو تم نیکی اور میری رضا ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم میری راہ میں وہ چیز نہ خرچ کرو گے جو تمہیں محبوب اور پیاری ہے۔ غرض اس بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میری سب سے پیاری متاع میرا محبوب بیٹا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسے قربان کرنے کا ارادہ کر لیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محض آزمانا ہی منظور تھا نہ کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا اور ہلاک کرانا۔ چنانچہ ان کی بجائے بہشت سے دنبہ لایا گیا اور اسے چھری تلے دے کر حضرت اسمٰعیلؑ کو بچا لیا گیا۔ اور آج تک حاجی لوگ مقامِ منیٰ میں اس کی تبع میں باقی مسلمان لوگ اپنے اپنے وطنوں میں بطور سنتِ ابراہیمیؑ قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں جو اہل اللہ لوگ بیت المعمور اور دل کا اصلی کعبہ استوار کرنا چاہتے ہیں وہ اس کے لیے زیادہ محبوب تر چیز اپنے نفس کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ اور واقعی نفس بال بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ غرض تمام خویشوں سے زیادہ محبوب اور عزیز چیز ہے۔ جیسا کہ حضرت سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے عمرؓ! میں آپؓ کے نزدیک کس قدر محبوب اور پیارا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یا حضرت ﷺ! آپ ﷺ مجھے اپنے بال بچوں، بھائی بہنوں اور ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ! کیا میں تجھے اپنے نفس سے جو تیرے بائیں پہلو میں ہے زیادہ محبوب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یا حضرت ﷺ! آپ ﷺ بے شک مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر حضور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْاٰنَ کَمُلَتْ اِیْمَانُکَ یَا عُمَر کہ ''اے عمرؓ اب تیرا ایمان کامل ہو گیا۔''

دنیا میں ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ اسی نفس کی خاطر لوگ اپنے ماں باپ، بال بچوں اور بہن بھائیوں وغیرہ کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ نیز ہم پچھلے صفحوں میں بیان کر آئے ہیں کہ تبوک کی لڑائی سے واپسی پر حضور ﷺ نے کفار اور مشرکین کے ساتھ لڑنے کو جہادِ اصغر قرار دیا لیکن نفس کے ساتھ جنگ کو جہادِ اکبر بتایا۔ لہٰذا نفس کی قربانی بڑی بھاری اکبر قربانی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ اپنے طالبوں اور عاشقوں سے کعبۂ اعظم دل کی استواری کے لیے نفس کی بڑی بھاری قربانی طلب کرتا ہے۔ کیونکہ نفس ہی بڑا بھاری آزر اور بت گر ہے جو دل کے کعبۂ اعظم میں طرح طرح کے کبر، حسد، حرص، طمع، شہوت، شرک، کفر اور نفاق وغیرہ کے بت داخل کرتا اور بساتا ہے اور دل کے کعبۂ اکبر کو بت خانہ بناتا ہے۔

دل کعبۂ اعظم است بکن خالی از بتان　　بیت المقدس است مکن جائے بت گران

(رومیؒ)

کیونکہ کافروں کے تراشے ہوئے پتھروں کے ظاہری اور مادی بتوں سے یہ معنوی بت بہت سخت اور خطرناک ہیں۔ بے چارے پتھر کے بت تو مفت میں بدنام ہیں کبھی انسان کو پتھر کے بت نے گناہ کی ترغیب نہ دی ہوگی۔ لیکن نفس اور ہوا کے بڑے بھاری بت نے جہلا تو کیا بڑے بڑے علما اور فضلاء کو گمراہ کر کے اپنی پرستش پر لگایا ہوا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ ط (الجاثیۃ ۴۵: ۲۳)۔ ترجمہ: ''آیا پس تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی ہوا یعنی خواہشِ نفسانی کو اپنا معبود بنایا اور باوجود علم کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔''

بے شک اللہ کی راہ میں نفس کی قربانی پیش کرنے سے دل کا کعبۂ اعظم قائم اور استوار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ربِّ جلیل کی خاص خلوت گاہ ہے۔ جیسا کہ اس حدیث قدسی سے ثابت ہے: لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَآئِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمین میں سماتا ہوں لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

پرتو حسنت نہ گنجد در زمین و آسمان   لیک حیرانم کہ درحریمِ سینہ چون جا کردۂ

(جامیؔ)

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ خانہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے اور خانہ کعبہ کی تعظیم اور حرمت کی بات ہورہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اور اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ اے کعبہ! تو بے شک حرمت اور عزت کا گھر ہے لیکن ایک مومن کا دل تجھ سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جیسا کہ مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مثنوی

دِل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

کعبہ بنگاہِ خلیل آذر است   دِل گذرگاہِ جلیل اکبر است

ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے: قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام: اَلْمُؤْمِنُ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْکَعْبَۃِ وَالْمُؤْمِنُ اَطْیَبُ وَاَطْھَرُ وَالْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ۔ ترجمہ: ''حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک خانہ کعبہ سے افضل ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں فرشتے سے بھی پاک صاف اور عزت والا ہے۔'' ایک دوسرے مقام پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کے دل کی نسبت یوں فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کے غلاف کو جلا دے اور اس کی عمارت کو گرا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادے۔ اس سے مومن کے دل کو آزار پہنچانا بڑا بھاری گناہ ہے۔ کسی نے اس حدیث کا اردو ترجمہ اس بیت میں خوب کیا ہے:

مسجد کو کھود ڈالیے مندر کو پھونکیے

دل کو نہ توڑیئے یہ خدا کا مقام ہے

مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

مثنوی

ابلہان تعظیمِ مسجد می کنند   در جفائے اہلِ دل جدّ می کنند

آن مجازست این حقیقت اے خران   نیست مسجد جز دُرون سروران

مسجدے کاں اندرونِ اولیاست   سجدہ گاہِ جملہ است آنجا خدا است

ترجمہ: ''مادی سوجھ بوجھ والے بے وقوف لوگ مسجد کی تو تعظیم اور عزت کرتے ہیں لیکن اہلِ دل اور اہل اللہ کا دل دکھاتے ہیں۔ حالانکہ مسجد آب و گل ایک مجازی صورت ہے اور مومن اہل اللہ کا دل اس کی حقیقت ہے۔ اصلی مسجد مگر ان اہل اللہ پاک لوگوں کا دل ہے۔ اصلی مسجد جو اولیاء اللہ کے دلوں میں ہے وہ تمام مخلوقات کی سجدہ گاہ ہے کیونکہ اس میں معبودِ برحق خلوت نشین ہے۔''

یاد رہے کہ دل یہ گوشت کا گاؤ دم لوتھڑا نہیں ہے جو بائیں جانب انسانی جوف کے اندر لٹک رہا ہے جو غلیظ گندے خون سے بھرا رہتا ہے۔ بلکہ اصطلاحِ تصوف میں دل انسانی جسم میں ایک وسیع اور عظیم الشان نوری جوہر اور حق نما آئینہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے نوری اسم ذات سے روشن اور تابندہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ربِ جلیل کا جلوہ گاہ بن جاتا ہے۔ اور فرشتوں اور ملائکہ بلکہ تمام مخلوقات کا سجدہ گاہ بن جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو خلافتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمانے اور اس کے اندر اپنا روح پھونکنے اور تمام اسما سکھانے اور اس کے سر پر تاج وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بنی اسرآئیل ۱۷: ۷۰) رکھنے اور اسے ملائکہ کا مسجود بنانے میں یہی راز مضمر تھا۔

بیت

گر نبودے نورِ حق اندر وجود   کے ملائک خاک را کردے سجود

(رومیؔ)

غرض دل جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آئینۂ حق نما بن کر اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے منور ہو جاتا ہے تو اس میں عظیم الشان وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور تمام کائنات اس میں رائی کے دانے کے برابر نظر آتی ہے۔ اسی لحاظ سے بزرگانِ دین نے ایسے دل کو عرش اللہ، قلزم کے بحرِ عمیق اور قافِ قدس سے تشبیہہ دی ہے۔ جیسا کہ ہمارے روحانی مربی حضرت سلطان العارفین قدس سرّہٗ اپنے پنجابی دوہے میں فرما گئے ہیں:

دِل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانڑے ھُو

چوداں طبق دلے دے اندر جتھاں عشق تنبو ونج تانڑے ھُو

اسی حقیقت کو حضرت پیر محبوبِ سبحانیؒ نے اپنے قصیدے کے ایک بیت کے اندر یوں ادا فرمایا ہے:

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا　　　کَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

یعنی جب میں نے اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ تمام مجھے اپنے دل کے آئینہ میں رائی کے ایک دانے کے برابر نظر آئے۔ نہیں دیکھتے تھے کہ آنکھ کی پتلی کس قدر چھوٹی چیز ہے مگر نورِ بصیرت کی وجہ سے تمام زمین و آسمان اس میں نظر آ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب عارف سالک کے دل کا سودا سویدا اللہ تعالیٰ کے نور سے منور اور ہویدا ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی غیر مخلوق نور جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے سامنے تمام مخلوق یعنی زمین و آسمان بلکہ چودہ طبق کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ حضرت صائبؒ نے ان ابیات میں دل کی وسعت کا کیا عمدہ نقشہ کھینچا ہے:

ابیات

چرخ است حلقہ در دولت سرائے دِل　　　عرش است پردہ حرمِ کبریائے دِل
دِل آن چُنان کہ ہست اگر جلوہ گر شود　　　نہ اطلسِ سپہر بگردِ قبائے دِل
گر گے کہ زیرِ پوست بخونِ تو تشنہ است　　　یوسف شود ز پرتوِ نورِ صفائے دِل
ماخود چہ ذرّہ ایم کہ نۂ محملِ سپہر　　　رقص الجمل کنند زبانگ ِدرائے دِل

دست از کتابِ خانۂ یونانیان بشو
صد شہرِ عقل گردِ سرِ روستائے دِل

خانہ کعبہ کو بالکل حقیقی قبلۂ قلب کے نمونے پر بنایا گیا ہے اور حجرِ اسود کو دل کے سودا سویدا کے طور پر اس میں قائم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کی نسبت اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حجرِ اسود بہشت کا ایک نوری پتھر تھا جسے بہشت سے اٹھا کر یہاں لگا دیا گیا ہے۔ اور جو حجاج اسے بوسہ دیتے ہیں ان کے گناہ اس میں دھنس جاتے ہیں جس سے وہ سیاہ ہو گیا ہے۔ غرض یہ اس عارفِ کامل کے دل کی مثال ہے کہ جو اللہ کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور جب لوگ تعظیم و تکریم کی وجہ سے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں تو ان کے گناہوں کو اس کا دِل جذب کرتا ہے اور اس کے دل کا سودا سویدا ضرور مکدّر اور تاریک ہو جاتا ہے۔ ظاہر بین

نفسانی لوگوں کے حج اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اہلِ باطن اولیاء اللہ کے حج میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ چھوٹے نادان، کم فہم بچے لکڑی کے گھوڑوں پر سوار ہو کر اور چھڑیوں کے نیزے اٹھا کر نیزہ بازی اور گھوڑ دوڑ کا شوق پورا کرتے ہیں۔ چھوٹی بچیاں پرانے چیتھڑوں اور کپڑوں کی گڈیوں اور پٹولوں کی شادی بیاہ رچاتی، سہرے گاتی اور ان سے دل بہلاتی ہیں۔ غرض بچیوں اور بچوں کا یہ نقلی کھیل اور مشغلہ اصلی گھوڑ دوڑ اور حقیقی شادی کی محض نقل ہے۔

شیرِ قالیں اور ہے شیرِ نیستان اور ہے

اہلِ باطن سالک اہل اللہ لوگ اللہ کی راہ میں جان اور سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں اور نفس کا سر کٹواتے ہیں۔ اور ظاہر بین نفسانی لوگ نفس کے بدلے دنبے، بکرے اور جانوروں کو ذبح کر ڈالتے ہیں اور سر کے بدلے محض سر کے بال کٹواتے ہیں۔ اس سر کی بازی میں اہل اللہ کے راہ میں جب کبھی شیطان اور ابلیس حائل ہو کر رکاوٹ ڈالتا ہے تو وہ اصلی ابلیس کو باطنی پتھروں سے سنگسار کر کے راستہ صاف کر لیتے ہیں۔ لیکن نفسانی بیچارے مٹی اور پتھر کے فرضی مناروں کی طرف چند کنکریاں پھینکنے پر اکتفا کر لیتے ہیں اور خون کا ٹیکہ لگا کر شہیدوں میں نام لکھواتے ہیں۔ لیکن اصل کجا اور نقل کجا۔

چراغ مردہ کجا زندہ آفتاب کجا　　　ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا
(حافظ)

غرض حاجی حرم اور ہیں اور حاجی کرم اور۔ حاجی بطن اور ہیں اور حاجی باطن اور۔ حاجی ثواب اور ہیں اور حاجی بے حجاب اور۔ حاجی ثواب محض خانہ کعبۂ آب و گل کا طواف کر کے ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں۔ لیکن جس وقت اہل اللہ حاجی بے حجاب حج کرنے جاتے ہیں تو وہاں صاحبِ خانہ اللہ تعالیٰ سے ملاقی اور مشرفِ دیدار ہوتے ہیں۔ اور جب مدینہ منورہ جا کر روضہ پر حاضر ہوتے ہیں تو حضور پر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ اور تربت مبارک سے باہر آ کر انہیں مشروحاً اپنی زیارت سے مشرف فرماتے ہیں اور مصافحہ اور معانقہ فرما کر دولتِ باطنی سے مالا مال فرماتے ہیں۔ اور حرمین شریفین کا نور دائمی طور پر ان کے دل کے اندر ہمیشہ کے لیے جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ

ہمارے روحانی پیشوا حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے ان فارسی اور ہندی ابیات سے ہویدا ہے:

ابیاتِ فارسی

کعبہ را دردِل بہ بینم جان کنم بروے فِدا
در مدینہ دائماً ہم صحبتم با مصطفےٰ ﷺ

پنجابی ابیات

باہو باغ بہاراں کھڑیا نرگس ناز نرم دا ھُوْ
دل وچہ کعبہ صحیح کیتوسے پاکوں پاک پرم دا ھُوْ
طالب طلب طواف تمامی حُبّ حضور حرم دا ھُوْ
گیا حجاب تھیو سے حاجی حضرت باہوؒ اللہ بخشیا راہ کرم دا ھُوْ

ہم ''عرفان حصہ اوّل'' میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیان کے اندر کسی قدر نفس کی حقیقت پر روشنی ڈال آئے ہیں کہ جس وقت آدم علیہ السلام کا بت تیار ہو رہا تھا تو ابلیس لعین نے حسد اور بغض کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی لاش پر تھوک دیا تھا اور اس لعین کی تھوک ناف کی جگہ پر جا پڑی تھی جس سے آدم علیہ السلام کے وجود کے اندر نفس کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ اور یہاں سے آدم علیہ السلام اور اس کی نسل میں شیطانی کبر، انانیت اور خودی کا مضبوط مورچہ قائم ہو گیا اور یہی آدم علیہ السلام کے بہشت سے نکلنے کا موجب اور باعث بن گیا تھا۔

بیت

نفسِ کافر بد بلائے اہلِ زِشت نفس آدم را بر آورد از بہشت
(رومیؒ)

اب اسی نفس و ہوا کی بیخ کنی اور استیصال سے ہی آدم اور آدمی واپس بہشت کے دخول کا مستحق اور حق دار بن سکتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىo (النّٰزعٰت ۷۹: ۴۰-۴۱)۔ ترجمہ: ''اور جو شخص اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لیے حاضر ہونے سے ڈرا اور نفس کو ہوا سے روکا پس جنت اس کا ٹھکانا بن گیا۔'' نفس کی خودی، انانیت اور ہستی کو جب تک نہ مٹایا جائے انسان کے لطیفۂ

قلب کا ملکوتی جثہ زندہ نہیں ہوتا اور اسی پاک ملکوتی جثّہ کے بغیر انسان بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نہیں دیکھتے کہ دانہ اور تخم جب تک زمین کے اندر اپنے آپ کو مٹا نہیں دیتا ہرگز سر سبز نہیں ہوتا اور نہ پھلتا پھولتا ہے۔ سو نفس کی فنا میں اس کی بقا ہے اور اسے اپنی خودی کو بلند کرنا اور قائم رکھنا اس کی تباہی کا موجب ہے۔ کیوں کہ اس طرح وہ خدا کا شریک بن جاتا ہے۔ اس لیے حدیث قدسی میں آیا ہے: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ لَا اُشْرِكُ فِيْهِ غَيْرِيْ۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''کبر میری چادر ہے۔ میں اس میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتا''۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ ذَرَّةٌ'' مِنَ الْكِبْرِ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ''۔ یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر اور انانیت ہو گی وہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہو گا۔ دیکھو یہاں اس حدیث کی پچھلی آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىo (النّٰزعٰت ۷۹: ۴۰-۴۱) سے کیسی عمدہ تطبیق ہو رہی ہے۔ اب بھی اگر کوئی نفس کو نہ پہچانے اور اس کی خودی کو بلند کرتا پھرے تو یہ اس کی اللہ تعالیٰ سے بیگانگی اور جہالت کی علامت ہے۔ کیونکہ نفس کی پہچان میں ہی رب کی پہچان ہے۔ حدیث شریف: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ اور جس نے اپنے نفس کی اللہ کی راہ میں فنا کے راز کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کے راز کو جان لیا۔ حدیث: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَاءِ۔ یعنی جس شخص نے نفس کو اللہ کی راہ میں فنا کر دیا وہ اللہ کے ساتھ زندۂ جاوید ہو گیا۔ مذکورہ حدیث کی اس حدیث سے پوری تطبیق ہوتی ہے۔ حدیث قدسی: مَنْ عَرَفَنِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ فَقَدْ عَشَقَنِيْ وَمَنْ عَشَقَنِيْ فَقَدْ قَتَلْتُهٗ وَمَنْ قَتَلْتُهٗ فَعَلَيَّ دِيَتُهٗ وَاَنَا دِيَتُهٗ۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''جو شخص مجھے پہچان لیتا ہے وہ میرا محبّ بن جاتا ہے اور میرا محبّ بعدہٗ میرا عاشق بن جاتا ہے اور جو میرا عاشق بن جاتا ہے میں اسے قتل کر دیتا ہوں اور جسے میں قتل کر دیتا ہوں اس کی دیت اور خون بہا مجھ پر لازم ہو جاتی ہے اور اس کی خون بہا کے بدلے مَیں اس کا ہو جاتا ہوں اور اسے اپنے نور سے زندۂ جاوید بنا دیتا ہوں۔'' نفس کے قتل کرنے اور مٹانے سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ اسے ریاضت، مجاہدے اور بھوک پیاس سے ہلاک کر دیا جائے۔ یہ تو ایک قسم کی خودکشی ہے جو حرام ہے۔ بلکہ اس کے مذموم

حیوانی خواہشات اور بدنفسانی عادات کے بدلے اسے عمدہ شرعی اخلاق سے متخلق اور پاک روحانی صفات سے متصف کر دیا جائے۔ اور یوں اسے حیوانیت کے درکِ اسفل السافلین سے نکال کر انسانیت کے اعلیٰ احسنِ تقویم پر پہنچا دیا جائے۔ اور پھر ناسوت کے سفلی مراتب سے ملکوت کے اعلیٰ مدارج پر چڑھا دیا جائے۔ اور یہ اس کے لیے گویا بطور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْ معنوی موت اور روحانی زندگی بن جاتی ہے۔ اور سلوک کے باطنی راستے میں سالک کو کئی موقعوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ بقول جامی صاحبؒ:

یک بار میر دہر کسے بے چارہ جامیؒ بارہا

اب نفس کے قتل اور دل کی زندگی کی دلیل قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ (البقرہ ۲ : ۲۶۰)۔ ترجمہ: ”اور جب سوال کیا ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ کیا تو نہیں مانتا کہ میں مردے زندہ کرتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرا ایمان تو ہے لیکن اے ربّ! اس سوال سے میری مراد نفس کا اطمینان اور دل کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ چار پرندے لے لے اور انہیں اپنے ساتھ سدھا اور ہلا۔ پھر ان میں سے بعض کے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھ دے اور انہیں بلا تو وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے اور تو جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔“ یہاں پرندوں سے مراد مختلف انسانی خصائل اور صفات ہیں۔ جیسے خروسِ شہوت، طاؤسِ زینت، کبوترِ ہوا اور زاغِ حرص وغیرہ۔ جو اگر وحشی اور جنگلی ہوں تو سرکش اور خودسر ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں باز کی طرح سدھایا اور سکھایا جائے تو وہ مالک کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک غیر شرع فاسق، فاجر یا کافر مشرک آدمی کے خصائل اور عادات وحشی اور سرکش جنگلی جانور کی طرح ہوتے ہیں کہ جدھر منہ آیا شترِ بے مہار کی طرح چلا گیا۔ لیکن جب کوئی سالک مالک اس کی ناک میں شریعت اور مذہبِ اسلام کی نکیل ڈال دیتا ہے تو جدھر مالک چاہتا ہے اسے لیجاتا ہے۔ اس کے بعد سالک کے لیے طریقت

میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کی روحانی اور باطنی موت کی باری آتی ہے کہ جب سالک اپنے نفس کو اللہ کی محبت اور عشق کی چھری سے ہلاک کر دیتا ہے تو اس وقت یہ خواہشاتِ نفسانی اور جذباتِ انسانی اس طرح معدوم ہو جاتے ہیں کہ گویا انہیں کچل کر اور ریزہ ریزہ کر کے کہیں دور پہاڑوں پر رکھ دیا گیا ہے۔ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس محبت کی سچی وادی میں قدم رکھا ہو یا کم از کم عشقِ مجازی میں مبتلا ہوا ہو کہ انسان اپنی اس دھن میں اپنی نفسانی خواہشات تو کیا کھانے پینے سے بھی رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی عارف کا شعر ہے:

شتر چوں مست مے گردد دہانش از علف بندند
اگر تو عاشقِ حقی چرا میل تو با خار است

اَلْعِشْقُ نَارٌ یَحْرِقُ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ۔ یعنی عشق ایک آگ ہوتی ہے جو محبوب کی محبت کے سوا باقی تمام جذبات کو جلا دیتی ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جب موسمِ گرما کے سخت دنوں میں روزہ دار کو شدت کی پیاس لگی ہو تو اس وقت گو بھوک بھی موجود ہوتی ہے لیکن پیاس کی شدت کے سبب وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح انسانی جذبات اور نفسانی خواہشات کو سمجھ لیا جائے کہ وہ سالک کے وجود سے محبت کی شدت کے وقت بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے وصل سے سیراب اور بہرہ یاب ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سالک کے تمام فطرتی اور انسانی جذبات کو اپنے امر سے زندہ کر کے بلاتا ہے اور وہ اس غالب حکمت والے کے امر سے پھر سالک کے وجود کی طرف دوڑ کر آ جاتے ہیں۔

رُباعی

در بندِ جہان مباش و آزاد بزی — و زبادہ خراب گردد آباد بزی
تا زندۂ از مرگ نباشی ایمن — یک بار بمیر تا ابد شاد بزی

(عمر خیام)

جو لوگ نفس کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہ بے چارے نفس کے قتل، اس کی قربانی اور دل کے لطیفہ کی زندگی اور قبلۂ قلب کی استواری کے راز ہائے سربستہ کو کیا جانیں۔

اب اس نفس کے قتل کی دلیل اور توجیہہ بیان کی جاتی ہے کیوں کہ ظاہر بین کتابی نفسانی عالم جو نفس کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہ ہر بات کے لیے قرآن سے دلیل چاہتے ہیں۔ اور

اگر قرآنی آیت پیش کی جائے تو وہاں اس کی عجیب وغریب دوراز عقل تاویلیں اور توجیہیں کرتے ہیں۔ ان آیتوں میں نفس کے قتل کا صریح حکم ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (النسآء ۴: ۶۶ ـ ۶۸)۔ ترجمہ: ’’اور اگر ہم ان پر یہ بات فرض کر دیتے کہ اپنے نفسوں کو اللہ کی راہ میں قتل کر ڈالو یا اس کی طلب میں اپنے وطن سے نکل جاؤ تو نہیں کر سکیں گے یہ اہم کام مگر ان میں سے بہت تھوڑے۔ اگر وہ یہ کام کر لیں جس کی انہیں تلقین کی جاتی ہے تو ان کے لیے یہ کام بڑے خیر اور بھاری ثواب کا کام ہوگا۔ اور ہم اس کے بدلے انہیں اجرِ عظیم عطا کریں گے اور انہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کریں گے۔‘‘ نیز موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو سونے اور چاندی کے بچھڑے کی پرستش کی پاداش میں نفس کے قتل کا امر اور حکم ہوا تھا۔ قولہ تعالیٰ: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرۃ ۲: ۵۴)۔ ترجمہ: ’’اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم! تم نے (سونے اور چاندی) کے بچھڑے کو اپنا معبود بنانے سے اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس اپنے رب کے سامنے توبہ کرو اور اپنے (سونے چاندی پوجنے والے) نفوس کو قتل کرو۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔‘‘

یہاں گو نفس کے قتل کا صریح امر ہے لیکن ظاہر بین اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر لوگ اس کو مادی عقل سے منطبق کرنے کے لیے بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں اور اپنی تاویل میں اپنے نفس کو تو بچاتے ہیں لیکن بنی اسرائیلؑ کے لاکھوں آدمیوں کو معمولی غلطی کی پاداش میں تہ تیغ کر ڈالتے ہیں۔ بھلا یہ کس قدر مضحکہ خیز تاویل ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے واپس آئے اور اپنے بھائی ہارون پر ناراض ہونے کے بعد سامری کو بدعا دی اور اس کے بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہا دی اس وقت تمام بنی اسرائیل اپنے کیے

پر نادم اور پشیمان ہو گئے تھے۔ اور حدیث میں آیا ہے اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ پھر انہیں خواہ مخواہ قتل کرانا کس قدر ظلم اور اندھیر ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام ایک کافر قبطی کو مُکّہ مار کر قتل کرنے کو بھاری گناہ سمجھتے ہیں اور بار بار اس کے لیے معافی مانگتے ہیں اور ممکن ہے وہ کافر واجب القتل ہو۔ قولہ تعالیٰ: فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (القصص ۲۸: ۱۵ ـ ۱۶)۔ یہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے آدمی کو چھڑانے کے لیے مُکّہ مارا۔ حالانکہ اسے قتل کرنے کے ارادے سے نہیں مارا تھا لیکن اتفاقاً وہ مر گیا۔ لیکن موسیٰؑ نے اس غلطی کو کتنی بھاری اہمیت دی اور اسے شیطانی عمل سے موسوم کیا اور بار بار اس گناہ کی معافی چاہتے رہے۔ سو ظاہر بین لوگوں کی اس قسم کی تاویلیں نفس کی حقیقت سے بے خبری کی پیداوار ہیں۔ اور یہ لوگ قرآنی آیات بینات کی اس طرح کی دور دراز عقل تاویلیں کر کے حق کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں۔ نفس کے قتل کی تاویل میں ان ظاہر بین بے چاروں نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے لیکن نفس کی حقیقت سے بے خبری کے سبب کہاں دور جا پڑے کہ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے ان لاکھوں انسانوں کو جنہوں نے چند روز غلطی سے بچھڑے کی پوجا کی تھی حکم دیا کہ ان کی مشکیں باندھ دی جائیں اور انہیں اکڑوں بٹھا دیا جائے اور بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو جنہوں نے بچھڑا نہیں پوجا تھا حکم دیا کہ اپنے بھائی بندوں کی گردنیں اڑا دو۔ پھر ان پر اسی وقت ایک ایسی تاریک آندھی چل پڑی کہ کسی کو کچھ نظر نہیں آتا تھا تاکہ کوئی شخص اپنے خویش واقارب کے قتل میں جھجک محسوس نہ کرے۔ اسی طرح لاکھوں انسانوں کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا گیا۔

واضح ہو کہ قرآنِ کریم ایسا جامع کلام ہے کہ اس سے ہر قسم کا ادنیٰ، اعلیٰ، عام، خاص اور اہلِ ظاہر و باطن لوگ اپنا اپنا مطلب نکال کر لوگ اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق فیض یاب اور بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمِ یعنی مجھے جامع کلام عطا فرمایا گیا ہے۔ اس سے ہر دو

قرآن وحدیث مقصود ہے۔

اسلام کے معنی تسلیم کرنے کے ہیں اور اسلام ہی دراصل تسلیم و رضا کا مذہب ہے اور حضرت ابراہیمؑ ہی اس مذہب کے بانی مبانی اور اسے اس نام سے موسوم کرنے والے ہیں۔قولہٗ تعالیٰ: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵ۙ (الحج ۲۲: ۷۸) ۔ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ نے اس دین میں تم پر کوئی تکلیف اور حرج نہیں رکھا۔ یہ تو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب ہے اور اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔‘‘غرض مسلم اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے آگے گردن رکھ دے اور اس کے امر میں چوں چرا نہ کرے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر امر کو صبر اور تحمل سے برداشت کرے۔ سو یہ مذہب ہر قسم کے حرج اور تکلیف سے پاک ہے۔ برخلاف اس کے دیگر ادیان مثلاً عیسوی، موسیٰ مذاہب، بدھ مت اور ہندومت وغیرہ کے اندر راہبوں، لاماؤں اور جوگیوں نے اپنی ریاکارانہ اور عیارانہ غیر فطری سخت ناروا مجاہدوں اور ریاضتوں سے حرج اور تکلیف کے مذاہب بنادیا ہے۔ قرآنِ کریم میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خطاب فرمایا ہے ہر جگہ آپؑ کی صفتِ تسلیم و رضا کو سراہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: قولہٗ تعالیٰ: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۱۳۱)۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تسلیم و رضا اختیار کر تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کے ہر امر کے آگے تسلیم و رضا اختیار کرنے والا ہوں اور راہِ سلوک باطنی میں تسلیم و رضا بڑا بھاری مقام ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ (النسآء ۴: ۱۲۵) ۔ ترجمہ: ’’اور ایسے دینؐ سے کون سا دین عمدہ اور بہتر ہوسکتا ہے جس کا پیرو اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف رکھے اور وہ احسان کرنے والا ہو۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت اسلام اور توحید کا پیروکار بن جائے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۸۳۔۸۴)۔ ترجمہ: اور تحقیق نوحؑ کے پیرووں میں سے ابراہیمؑ تھے جو آئے اپنے ربّ کی طرف قلبِ سلیم کے ساتھ۔ یعنی ایسے دل کے ساتھ جو تسلیم و رضا کی صفت سے موصوف تھا۔ قولہٗ تعالیٰ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ (البقرۃ ۲: ۱۲۸)۔ ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیرِ کعبہ کے وقت یہ دعا مانگی اے اللہ! ہمیں مسلمان (یعنی اہل تسلیم و رضا) بنا۔ اور ہماری اولاد کو بھی پیکرِ تسلیم و رضا بنا۔ اور پھر ارشاد ہے فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۳۔۱۰۵)۔ ترجمہ: ’’اور جب حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ ہر دو نے تسلیم و رضا اختیار کر لیا اور اسے ماتھے کے بل لٹا دیا۔ ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیمؑ! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔‘‘ یہاں ماتھے کے بل لٹانے سے صاف تسلیم و رضا کے آگے نفس کی گردن جھکانا اور سر بسجود ہونا مراد اور مقصود ہے۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کے ہر آزمائشی اور امتحانی امور میں پیکرِ تسلیم و رضا اور اسی صفتِ تسلیم و رضا کے سبب آپؑ کو تمام اسلامی ملت کا پیشوا گردانا گیا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (البقرۃ ۲: ۱۲۴)۔ ترجمہ: ’’اور جب آزمایا اس کے رب نے ابراہیم علیہ السلام کو چند امور میں تو وہ ان آزمائشوں میں پورا اترا۔ تب رب نے اسے فرمایا کہ اے ابراہیم علیہ السلام اب ہم تمہیں لوگوں کا پیشوا اور امام بناتے ہیں۔‘‘ سو ان آزمائشی امور میں دو بڑے اہم امور تھے: ایک تبلیغی امر تھا اور دوم ہجرت کا امر۔ تبلیغی امر نینوا اور بابل کے بڑے جابر اور قاہر فرمانروا نمرود کے خلاف تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا اور اپنے مختلف مجسمے بنوا کر لوگوں کو ان کے پوجنے اور پرستش پر مجبور اور مامور کیا ہوا تھا۔ ایسے متکبر، سرکش، ظالم اور سفاک بادشاہ کی خدائی کا انکار کرنا اور اس کی رعیت کو اس کی پرستش سے روکنا اور خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت اور ترغیب دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنے نفس کو قربان کرنے کے برابر تھا۔ لیکن آپؑ نے بڑے صبر اور استقلال سے اس آزمائش کو نبھایا۔ دوسرا امتحان اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وادیٔ مکہ کے ایسے بنجر اجاڑ چٹانوں پر محض اللہ تعالیٰ کے توکل اور بے یار و مددگار اکیلے چھوڑنے کا تھا جہاں نہ تو کہیں پانی کا نام و نشان تھا اور نہ کھانے کا کوئی سامان تھا۔ غرض یہ بھی اپنے نفس کو تسلیم و رضا کی چھری سے ذبح اور قتل کرنے کے مترادف تھا۔ غرض سچ مچ حضرت ابراہیمؑ تسلیم و رضا کے

مجسم پیکر تھے اور خنجرِ تسلیم و رضا سے اپنے نفس کو قتل کرنے والے اور اس کے بدلے ہر دو کعبۂ اصغر آب و گل اور کعبۂ اعظم قلب و دل کو زندہ اور قائم کرنے والے تھے۔

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگراست
(مرزا مظہر جان جاناں)

رجوعاتِ خلق، عزّ و جاہ اور شہرت ابتدائے حال میں سالک کے لیے سمِ قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ البتہ جب اس کا سلوک ختم ہو جاتا ہے اور اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب، وصال اور مشاہدے سے مشرف ہو جاتا ہے تو پھر اگر اللہ تعالیٰ اسے بطور وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ٥ (الانشراح ۹۴: ۴) اپنی مخلوق میں معزز اور ممتاز فرمادے اور ہژدہ ہزار عالمِ علوی اور سفلی کے اندر مشہور اور معروف بنادے تو اس وقت اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لیے طالب کو چاہیے کہ اثنائے سلوک وطلب میں شہرت اور انگشت نمائی سے حتی الوسع پرہیز کرے۔ عارف زندہ دل لوگ ملائکہ اور فرشتوں اور ارواح کو دیکھتے ہیں اور ان سے ملاقی ہو کر ان سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک نوری لطیف غیبی جثہ عطا فرماتا ہے اور اس کے باطنی حواس کھول دیتا ہے۔ ان غیبی لطیف مخلوقات کا دیکھنا ظاہری حواس کا کام ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ مادی جزوی عقل والے ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ باور کر سکتے ہیں۔ کیونکہ عام نفسانی لوگ اگرچہ ظاہری مادی جثوں سے زندہ ہیں اور ظاہری حواس سے دنیا کی چیزیں دیکھتے ہیں لیکن باطنی دنیا سے بے خبر ہیں۔ کیوں کہ ان کے قلوب عالمِ غیب میں مادے کے لحاف اوڑھے ہوئے بے خبر سوتے ہیں۔ یا اس مادی دنیا کے رحم میں چھوٹے بچے اور جنین کی طرح پڑے پھرتے ہیں اور روحانی دنیا کے عالمِ کبیر میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ سو دنیا کے اس وسیع مکان کے اندر جس کا فرش زمین اور چھت آسمان ہے تمام نفسانی لوگ سوئے ہوئے ہیں اور اہل اللہ بیدار ہیں۔ سوئے ہوئے اپنے آپ سے اور غیروں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ لیکن بیدار لوگ ظاہری اور باطنی دنیا میں نظار اور اپنے اردگرد کی چیزوں سے آگاہ اور خبردار ہوتے ہیں۔

ملائکہ اور فرشتوں کے ظہور کا مخصوص وقت نصف رات کے بعد طلوع فجر تک ہے۔ اسی وقت میں ان کا ظہور اور حاضرات بہت جلدی اور آسانی سے ہوتا ہے۔ ان کی حاضرات اور

آمد کے وقت ایک خاص قسم کی بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے۔ عبادت، طاعت، ذکر، فکر اور تلاوت میں لذت اور فرحت آنے لگتی ہے۔ گاہے رقت طاری ہو جاتی ہے۔ وجود بھاری اور ثقیل معلوم ہوتا ہے۔ ملائکہ کی تجلی اور نور بالکل سفید براق ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے تجلیات اور الہامات سر کے اوپر یا دائیں طرف خوشبو کے ہمراہ نمودار ہوتے ہیں۔ لیکن جنات کی تجلی ناری سُرخی مائل ہوتی ہے۔ ان کی تجلی اور آواز بائیں طرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس کے ہمراہ بدبو ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کا شعلہ و آواز پیٹھ پیچھے یا بائیں طرف سے مع تعفن ظاہر ہوتا ہے۔ ملائکہ اور فرشتوں کی حاضرات اور واردات سے عبادت اور اطاعت کی طرف رغبت اور ذکر فکر میں لذت اور یقین و اعتقاد میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کی آمد کے وقت بے وجہ دل میں گھبراہٹ، تنگی اور تشویش پیدا ہوتی ہے اور نفسانی و دنیوی خطرات اور وساوس کا دل پر ہجوم ہوتا ہے۔ فرشتے اور ملائکہ اکثر مثالی صورت لے کر انسان کے پاس آتے ہیں۔ اپنی اصلی صورت میں بہت کم ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے انسان کی طرح لیکن بہت گول اور مدوّر ہوتے ہیں۔ اور ان کے جسم پر مخصوص لطیف نوری پر و بال بھی ہوتے ہیں۔ ملائکہ اور فرشتے تعداد میں جنات اور انسانوں سے بہت زیادہ ہیں۔ زمین، سات آسمان، لوح و قلم اور عرش و کرسی غرض اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات ان سے معمور اور بھرپور ہے۔ ان کی بے شمار اقسام ہیں اور ہر ایک قسم کے الگ الگ کام ہیں۔ اور ہر کام کے مطابق ان کے مختلف نام ہیں۔ ان کے تمام تفصیلی حالات سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ط (المدثر ۷۴: ۳۱)۔ فرشتوں کی جسمانی طاقت، عقل و فراست اور قوتِ پرواز عام جنات اور انسانوں سے بہت بڑھ کر ہوتی ہے۔ لیکن خدا کے خاص برگزیدہ بندے عام ملائکہ اور فرشتوں سے مرتبے اور درجے میں بڑھ جاتے ہیں۔ اس فقیرؒ نے جن، ملائکہ اور ارواح کو بہت دفعہ ہوش و حواس اور بیداری کی حالت میں دیکھا بھالا اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ حتّٰی کہ اکثر ملائکہ مقربین بھی دیکھے گئے ہیں اور ان سے دم ملا کر اتحاد حاصل کیا گیا اور ان سے تمتع اور استفادہ کیا گیا۔ اکثر دفعہ جب کبھی ہمارے شہر کے اندر کسی کی موت واقع ہوتی تو یہ فقیرؒ عزرائیل علیہ السلام کو متوفی کی روح کی شقاوت اور سعادت کے

مطابق اپنے مخصوص انداز اور صورت میں اپنے معاونین ملائکہ کے ہمراہ نازل ہوتے دیکھتا جس سے روح کی شقاوت اور سعادت کا پتہ لگ جاتا اور گاہے قبضِ روح سے پہلے ملک الموت سے ملاقات ہوجایا کرتی۔

چنانچہ ایک دفعہ ہمارے شہر کے اندر ایک معمر سفید ریش شخص جو بہت نیک، صالح اور عابد، زاہد، مسکین آدمی تھے وہ بیمار ہوگئے۔ جس رات ان کا انتقال ہونے والا تھا مجھے اس کی روح کے قبض ہونے کی کیفیت یوں نظر آئی کہ میں نے عزرائیل علیہ السلام کو اس رات ایک بڑے سفید بگلے کی صورت میں فضائے آسمانی سے نازل ہوتے دیکھا کہ اس متوفی نیک آدمی کے گھر پر اس طرح منڈلا رہا ہے اور چکر لگا رہا ہے۔ جس طرح عموماً بگلے پانی کے تالاب پر مچھلیاں پکڑنے کے لیے منڈلایا کرتے ہیں۔ چند دفعہ چکر لگانے کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ اس گھر پر اس طرح جھپٹا اور نازل ہوا جس طرح بگلا مچھلی پکڑنے کے لیے پانی کے تالاب پر جھپٹتا ہے۔ جب وہ آسمانی پرندہ اس گھر کے تالاب میں سے روح کی مچھلی کو پکڑ کر واپس فضا اور ہوا میں نمودار ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس پرندے کا سر اور چہرہ بعینہٖ اس متوفی بزرگ کا سا بن گیا اور ہوا میں لٹو کبوتر کی طرح پلٹے کھاتا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے گیت گاتا ہوا اوپر آسمان کی طرف اڑتا اور چڑھتا گیا حتّٰی کہ نظر سے غائب ہوگیا۔ اس وقت اس کا نوری چہرہ اس قدر منور، مزین اور خوش نما تھا اور اس کی حمد وتسبیح کے کلمات اور نغمے اس قدر دل فریب اور دل آویز تھے کہ اس سے بہت دیر تک مجھ پر وجد کی حالت طاری رہی۔ قولہٗ تعالیٰ: اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّیۡرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ (النور ۲۴ : ۴۱)۔ اس طرح عزرائیل مختلف حالتوں میں ہر متوفی اور مرنے والے کی حیثیت کے مطابق اور اس کی شقاوت اور سعادت کے موافق علیحدہ علیحدہ جلالی و جمالی صورتوں میں روح کو قبض کرنے کے لیے نازل اور نمودار ہوتے نظر آتے ہیں۔ اور گاہے گاہے قبضِ روح سے پہلے مصافحہ، ملاقات اور بات چیت ہو ہی جاتی ہے۔

جس وقت سالک دعوت میں منتہی ہوجاتا ہے تو اس کا دم دعوت سے زندہ ہوجاتا ہے۔ اس وقت اسے دعوت کے لیے زبان ہلانے اور ہونٹوں کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ نظر، توجہ اور دم سے کام لیتا ہے۔ ایسا زندہ دم عامل ہر فرشتے، ہر ولی اور ہر نبی سے دم ملا

کر اتحاد پیدا کرلیتا ہے اور اس فرشتے، ولی اور نبی کے نور اور پاور سے بھر جاتا ہے۔ اور جس قدر اس کے اندر استعداد، وسعت اور توفیق ہوتی ہے اس نور اور پاور سے کام لیتا ہے۔ اور اس طرح استفادہ اور استمداد حاصل کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی زندہ دم عامل کو ضرورت ہے کہ بارش کے لیے دعا کرے تو وہ تصور اسم اللہ ذات کے ذریعے میکائیل فرشتے سے اپنا دم ملا لیتا ہے۔ چونکہ یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش برسانے پر مامور ہے لہٰذا عامل زندہ دم عارف جس وقت میکائیل فرشتے سے اتحاد پیدا کرکے اس کے نور اور طاقت سے بھر جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش کی استدعا اور التجا کے لیے متوجہ ہوتا ہے تو اسی وقت بارش کا اہتمام اور انتظام ہوجاتا ہے۔ یا اگر کسی موذی، کافر، مرتد، دشمنِ جان اور عدوِ ایمان کی ہلاکت اور بربادی کا ارادہ کرتا ہے تو اپنا دم حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ملا کر اس کے نور سے پر اور مملو ہوجاتا ہے۔ اور جب ایسی حالت میں دشمن کی طرف متوجہ ہوکر نظر، جذب اور قبض سے اس کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی روح کو قبض کرلیتا ہے۔ اسی طرح اپنا دم فرشتہ اسرافیل سے ملا کر جس گاؤں، گھر، شہر اور ملک کو جذبِ قہر وجلالِ اسرافیلی سے اپنی دم میں پکڑ کر کھینچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ گھر اور شہر ویران ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اپنا دم حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملا کر قوتِ نورِ جبریلی سے مملو ہوکر جبرائیلی کام کرتا ہے۔ قرآنِ کریم کی اصلی شانِ نزول اور قرآنی آیات اور سورتوں کے اثرات، اسرار اور معارف سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر پیغمبر، ولی، نبی، امام، مجتہد، غوث، قطب، شہید اور ہر صاحب نسبت باطنی سے دم ملا کر اس کی روحانیت اور معیت سے جو کام لینا چاہے لے لیتا ہے۔ اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ باطن میں ہر نبی، ہر ولی اور ہر فرشتے کو ایک مخصوص صفت، ایک خاص روحانی طاقت اور باطنی کمال عطا فرمایا گیا ہے اور وہ اس میں یکتائے روزگار ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دم میں بیمار، مجنون اور کوڑھی جذامی وغیرہ مریضوں کو اچھا اور تندرست کرنے اور مُردوں کو جلانے کی روحانی طاقت بدرجۂ اتم رکھی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات کی حاضرات اور تسخیر کا علم اور عمل بدرجۂ کمال عطا کیا گیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیروں میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ اسی

طرح ہر پیغمبر، ہر نبی اور ہر ولی کو اللہ تعالیٰ نے کسی مخصوص کمال اور فن سے نوازا ہے اور وہ فن اور کمال اسی کا مخصوص حصہ ہے کہ وہ اس ہنر اور کمال میں دوسرے لوگوں سے ممتاز اور ممیّز ہے اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کی طرف ایک خاص نئی صفت سے متجلّی ہوا ہے۔ اس لیے ہر مخلوق میں اختلافِ رنگ و بو اور امتیازِ خُلق وخو واقع ہوا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس مخلوق کے کمال اور فن سے استفادہ اور استمداد حاصل کرنا ہو عملِ حاضرات کے ذریعے اسی سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاؤں تلے بے خبری میں ایک کیڑا کچلا گیا۔ مجھے بہت افسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق بے وجہ میرے ہاتھوں ضائع ہوگئی ہے۔ چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف اس کے دوبارہ احیاء اور پھر زندہ ہونے کی غرض سے ملتجی اور مستدعی ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو میری طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دم سے اس کیڑے کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ اسی طرح ہر کام کا قیاس کر لینا چاہیے۔ دنیا کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کمال رکھا ہے جو اس کا حصہ ہوتا ہے۔ مثلاً بڑھئی لکڑی کا کام کرتا ہے۔ لوہار لوہے کی چیزیں بناتا ہے۔ ٹھٹیرا دھات سے برتن بناتا ہے۔ سنار زیورات گھڑتا اور جوڑتا ہے۔ معمار مکان تعمیر کرتا ہے۔ سو جو کام کرنا ہو اسی کام والے سے کرایا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا کپڑا پھٹ گیا ہے۔ اب اسے سینا ہے تو ایک دمڑی کی سوئی سے یہ کپڑا سیا جا سکتا ہے۔ اس کے بغیر دنیا کے تمام قیمتی اوزار بیکار ہیں۔ یا کوئی خاص بیماری لاحق ہے تو اس کے واسطے کسی مخصوص دوا کی حاجت ہوگی۔ سو باطنی اور روحانی دنیا میں ہر اہلِ کمال اور صاحبِ فن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور چونکہ عالمِ غیب و شہادت کی ہر ظاہر و باطن مخلوق خواہ وہ ذی روح ہے یا بے روح اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت کا کمال ودیعت رکھا ہے۔ لہٰذا ہر ایک سے استفادہ اور استمداد گویا اللہ تعالیٰ ہی سے استمداد ہے۔ اور اس سے انکار یا اعراض کرنا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی قدرت اور حکمت کا انکار اور بطلان ہے۔ اس موقع پر خشک توحید کی آڑ لینا محض علامتِ بے نصیبی اور حرمان ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اتنا بلند ایوان ہے کہ اسے پھاندنا محال ہے۔ دنیا میں ہر قدرت کے لیے ایک سبب، ہر روح کے لیے ایک جسم اور ہر حقیقت کے لیے ایک لباسِ مجاز ہے۔ اگر آنے والے کی آرزو ہے تو آئے حق کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا اور باز ہے اور اگر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اے طالب! اگر تو پیاسا ہے تو پانی طلب کر۔ اس سے تیری پیاس بجھے گی۔ ورنہ خالی ہاتھ پھیلانے اور آرزو کرنے سے تیری پیاس نہیں بجھ سکتی۔
كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ط وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝
(الرعد۱۳: ۱۴)۔

جو شخص ملائکہ کی حاضرات اور تسخیرات کا ارادہ کرے اور اس کے لیے ریاضت اختیار کرے وہ دورانِ خلوت میں پاک وصاف اور ستھرا رہے۔ خوشبو لگائے۔ جملہ جلالی و جمالی اشیا یعنی ترکِ حیوانات کرے۔ حقہ نوشی اور منشی اشیا کا تو نام تک نہ لے۔ ہر وقت باوضو رہے۔ کافر، مشرک، منافق، فاسق، فاجر اور بدچلن لوگوں کی صحبت سے کنارہ کرے۔ کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور کم لوگوں سے ملنا اپنا شیوہ بنالے۔ اپنے دل کو دنیوی خطرات، نفسانی شہوات اور شیطانی خیالات سے پاک وصاف رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، حمد و ثنا، تمجید و تہلیل، تلاوت، عبادت اور اطاعت و ریاضت میں دل و جان سے محو اور منہمک ہو جائے۔ اپنی خلوت گاہ کو قبر اور اپنے آپ کو مردہ تصور کرے۔ دنیا اور دنیا والوں سے بالکل قطع تعلق کر لے۔ اور تصور اسمِ اللہ ذات یا ذکر کلمہ طیب لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ نفی اثبات یا تصور اسمِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ کائنات یا تصور اور ذکر اسماء الحسنٰی متبرکات یا نماز نفلات یا تلاوت قرآن آیات یا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں سے جو شغل کسی استاد، مربی اور مرشد کامل کی ہدایت سے اپنے لیے مفید اور موافق پائے اس میں مشغول ہو جائے۔ مذکورہ بالا ہدایات پر عمل کرنے سے طالب اللہ کا دل پاک صاف اور نورِ ذکر اللہ سے زندہ و تابندہ ہو جاتا ہے۔ اس کا دل بیت اللہ کی طرح جولان گاہ اور آماجگاہِ ملائکہ اور طواف گاہ و سجدہ گاہِ روحانیین بن جاتا ہے اور فرشتے اس کے مطیع، تابعدار اور فرماں بردار اور اس کے ہر کام میں معاون اور مددگار بن جاتے ہیں۔

اس کے بعد اگر طالب سالک اس منزل اور مقامِ ملکوت سے ترقی کر کے آگے مقامِ

روح میں قدم رکھتا ہے تو اس کا لطیفۂ روح زندہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ زبانِ روح سے دعوتِ قرآن پڑھتا ہے۔ روحانی ہر طرف سے کلام اللہ کی نوری غذا حاصل کرنے کے لیے اہلِ دعوت کے پاس آتے ہیں اور اپنی نوری غذا حاصل کر کے خوش وقت اور مسرور ہو کر اس کی ہر طرح سے امداد اور اعانت کرتے ہیں۔ ایسا زندہ روح آدمی جب کسی کامل عارف ولی یا شہید کی قبر کے پاس دعوتِ قرآنِ کریم شروع کرتا ہے تو روحانی اہلِ قبر نورِ قرآن کی بو پا کر اپنے بحرِ عالمِ غیب سے اس طرح اہلِ دعوت کی طرف طیر سیر کرتا آتا ہے جس طرح کوئی مچھلی پانی میں سے آٹے یا کسی خوراک کی بو پا کر آٹا ڈالنے والے کے پاس دوڑتی ہوئی آتی ہے۔

یہاں ایک مردہ دل نفسانی آدمی اعتراض کر سکتا ہے کہ قبر تو مٹی کا ایک ڈھیر ہوتا ہے جس کے اندر مردے کی بوسیدہ ہڈیوں کے سوائے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ روح اگر چیز ہے تو وہ عالمِ بالا بہشت یا عرش کے کنگروں میں سبز پرندوں کی شکل میں قیام رکھتی ہوگی۔ سو یاد رہے کہ قبر کے اندر واقعی مردے کی بوسیدہ ہڈیاں ہی ہوتی ہیں اور روح کا پرندہ جب اپنے جسمِ عنصری اور مادی پنجر کا پنجرا ٹوٹا ہوا پاتا ہے تو وہ ہمیشہ عالمِ بالا اور عالمِ برزخ کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ لیکن اس کا اپنی قبر اور عنصری جسم کے ساتھ اس قسم کا باطنی تعلق قائم رہتا ہے جس طرح پرندے کو اپنے گھونسلے اور آشیانے سے ہوتا ہے۔ روحانی قبر کے آشیانے کے پاس جس وقت قرآن مجید پڑھا جاتا ہے یا اسے قرآن اور فاتحہ وغیرہ کا ثواب بخشا جاتا ہے تو اسے عالمِ بالا اور عالمِ برزخ سے اعلام ہو جاتا ہے اور وہ اسے لینے کے لیے عالمِ غیب اور عالمِ برزخ سے اپنی قبر پر حاضر ہو جاتا ہے روحانی اپنی قبر اور اپنی جسد کے متصل اپنے غیبی برزخ کے اندر اس طرح ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح خواب میں انسان کے وسیع، لطیف، دور دراز جہان کے اندر چلا جاتا ہے اور بیدار ہونے پر اس کا باطنی لطیف جثہ واپس اپنے جسم اور چار پائی پر نمودار ہو جاتا ہے۔

اگر انسان خواب سے بیدار ہوتے وقت ذرا ہوش اور شعور سے کام لے تو خواب کی لطیف دنیا سے اپنے آپ کو اس طرح نکلتا ہوا پائے گا جس طرح مچھلی پانی سے اوپر آتی ہے۔ اس لیے خواب کو عربی میں اَخُ الْمَوْتِ یعنی موت کا بھائی کہا گیا ہے۔ اسی کے متعلق کسی کا فارسی شعر ہے:

اے برادرِ من ترا از زندگی دادم نشان   خواب را مرگِ سبک داں، مرگ را خواب گران

(اقبالؔ)

نیند کی حالت میں روح کا پرندہ اپنے جسم اور پنجر کے پنجرے سے ایک باطنی رشتے اور لطیف تاگے سے بندھا ہوا ہوتا ہے اور نیند کے وقت اس کی ڈور ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور وہ خواب کے لطیف عالم میں ڈوب جاتا ہے۔ لیکن موت کے وقت روح کی رسّی جسمِ عنصری سے یک دم ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط (الزمر ۳۹: ۴۲)۔ ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفس کو پورا پورا لے لیتا ہے (اور نفس وہ چیز ہے جو نیند کی حالت میں مر نہیں جاتی بلکہ زندہ رہتی ہے) پس اللہ تعالیٰ اس جسم کو تو پکڑ لیتا ہے جس پر موت واقع ہوتی ہے اور دوسری چیز روح کو اپنے معین وقت کے لیے بھیج دیتا ہے۔‘‘ سو روح کا تعلق قبر اور لاش کے ساتھ تقریباً اسی طرح رہتا ہے جس طرح پرندے کا تعلق اپنے گھونسلے اور درخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ روح زندگی کی حالت میں جسم کے گھونسلے میں انڈے یا چھوٹے بچے کی طرح موجود اور مقیم رہتی ہے۔ لیکن موت کے وقت اپنے انڈے اور گھونسلے سے پرواز کر جاتی ہے اور پھر اپنے ارادے اور اختیار سے جس وقت چاہے اپنے گھونسلے کے اندر آجاتی ہے۔

سالک عارف کا جب لطیفۂ قلب و روح بیضۂ ناسوتی توڑ کر زندہ ہو جاتا ہے یا وہ زندگی ہی میں بطور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا معنوی طور پر مر جاتا ہے اور اس کی روح اور جسم زندگی ہی میں ایک دوسرے سے جدا اور الگ الگ ہو جاتے ہیں اور وہ مادے کا کثیف عنصری لباس پہلے ہی اتار کر پھینک دیتا ہے اور روح کا لطیف لباس پہن لیتا ہے تو وہ عالمِ غیب اور عالمِ برزخ میں اپنے اختیار سے آتا اور جاتا ہے اور مراقبے کی حالت میں عالمِ غیب کی لطیف مخلوق سے ملتا جلتا ہے۔ خواب اور مراقبے میں صرف یہ فرق ہے کہ اہلِ خواب نفسانی مردہ دل خواب کی حالت میں بے اختیار، بے شعور اور بے ارادہ ہوتا ہے اور اتنا بھی نہیں جانتا کہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں خواب میں ہے یا بیداری میں۔ نفسانی آدمی خواب

کے اندر اکثر اپنے خیالات کی رو میں بہہ جاتا ہے اور جس خیال کی ہوا آتی ہے اس کے مردہ نفس کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتی ہے۔ حتٰی کہ کبھی انسان اچھے کام اور نیک عمل کر کے سوتا ہے اور برے خواب دیکھتا ہے اور گاہے برے کام کر کے سوتا ہے اور اچھے خواب دیکھتا ہے۔ غرض خواب میں انسان کا مردہ نفسانی لطیفہ بے جان لکڑی وغیرہ کی طرح عالمِ غیب کی آبی سطح لطیف پر ڈانواڈول، بے اختیار اور بے ارادہ ادھر ادھر تیرتا پھرتا ہے کہ جدھر کی رو یا ہوا آتی ہے اسے اسی طرف بہالے جاتی ہے۔ لیکن مراقبے کے اندر عارفِ زندہ دل سالک کا لطیفۂ قلب و روح زندہ مچھلی کی طرح بحرِ عالمِ غیب میں اپنے اختیار اور ارادے کے ساتھ چلتا پھرتا ہے اور جس مقام اور منزل کا ارادہ کرتا ہے وہاں پہنچ جاتا ہے اور جس لطیف غیبی مخلوق سے چاہتا ہے ملاقی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ محض زندہ دل عارف سالک ہی اہلِ قبور پر دعوت پڑھ کر روحانی سے ہم سخن، ہم کلام اور ملاقی ہوسکتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور انہیں فائدہ پہنچاتا ہے۔ نفسانی مردہ دل آدمی اگر ساری عمر کسی اہلِ قبر بزرگ کی قبر پر قرآن کریم پڑھتے گذار دے وہ روحانی کو نہ حاضر کرسکتا ہے اور نہ اس سے ملاقی ہوسکتا ہے۔ ہاں اگر روحانی چاہے خواب میں اسے اپنی زیارت کراسکتا ہے اور رمز و کنایہ اور اشارے سے اس کے سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ جس کی تعبیر و تاویل میں اہلِ خواب عجیب ششں و پنج میں مبتلا رہتا ہے۔ غرض خواب کی دنیا کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

نیز یاد رہے کہ مردہ دل نفسانی اور زندہ دل روحانی کی موت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نفسانی کی موت جان کندن یعنی عذاب و آلام کا مجموعہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن زندہ دل عارف سالک کی موت نوم العروس، جان دادن ایک گونہ نقل مکانی ہوتی ہے۔ کیوں کہ عارفِ زندہ دل آدمی بطور مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا زندگی میں کئی بار معنوی موت مر چکا ہوتا ہے۔ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام — سہ صد و ہفتاد قالب دیدہ ام

اور حضرتِ جامی علیہ الرحمۃ کا قول ہے:

یک بار میرد ہر کسے بے چارہ جامیؒ بارہا

اس کی جان اور روح کا مکھن جسم اور نفس کے دودھ اور چھاچھ پہلے الگ ہوا ہوتا ہے۔

سچ پوچھو تو مومن عارف زندہ دل آدمی کے لیے موت عین مراد اور موجب صد راحت و آسائش ہے کیوں کہ مومن عارف کے لیے یہ دنیا دار المحن، قید خانہ اور جائے آزمائش ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ۔ یعنی دنیا مومن کے لیے ایک قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔ جیل خانہ میں قیدی کی جملہ حرکات و سکنات اور تمام اعمال و افعال حتیٰ کہ اس کے پاخانہ اور پیشاب پھرنے پر بھی پابندی ہوتی ہے۔ اس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ اور بانئ اسلام نے از روئے شریعت مومن کی جملہ حرکات و سکنات حتٰی کہ اس کے پاخانہ اور پیشاب پھرنے پر بھی پابندی عائد کی ہے کہ جب وہ پاخانہ اور پیشاب پھرنے بیٹھے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ کر کے بیٹھے اور استنجا کے لیے تین ڈھیلے استعمال کرے۔ اور بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت فلاں دعا پڑھے۔ بلکہ مومن کے لیے یہ دنیا مادی جیل خانہ سے بھی سخت تر ہے۔ کیوں کہ ظاہری جیل خانہ کے قواعد اور پابندیوں میں قیدیوں کا ظاہری جسم چند خاص معمولی قواعد کا پابند ہوتا ہے لیکن مومن کا ظاہر و باطن یعنی جسم و جان، نفس، قلب اور روح سب کچھ مذہبی اور شرعی قوائد و قوانین میں سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا اور اسیر ہوتا ہے۔ لہٰذا موت کے ذریعے مومن عارف ان جملہ قیود اور پابندیوں سے آزاد ہو کر آخرت کے دوام دار الخلد میں ایسی ابدی نعمتوں اور سرمدی راحتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے جس کا قیاس بھی کسی کے دل پر نہیں گذر سکتا۔ برخلاف اس کے ایک کافر مشرک، فاسق فاجر اور بے دین آدمی دنیا میں جملہ ظاہری و باطنی اور تمام مذہبی و اخلاقی قیود اور ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ ہر طرح کی حلال حرام لذات اور عیش و عشرت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ نہ دنیا کا غم نہ آخرت کی فکر، شتر بے مہار کی طرح جدھر منہ آتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن موت واقع ہونے سے اس کی جملہ آزادیاں اور خوشیاں ختم ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے ابدی عذابوں اور آلام میں مبتلا ہو جاتا ہے جن کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اس کے لیے بہشت کا نمونہ تھی۔ سو موت اس کے لیے ابدی اور سرمدی عذاب اور آلام کا مجموعہ اور ٹھکانا ثابت ہوتی ہے۔ بفرضِ محال اگر دار الجزاء اور دارُالآخرت نہ بھی ہو تب بھی موت مومن مسکین کے لیے باعثِ صد راحت و سکون اور موجبِ

آسائش واطمینان ثابت ہوتی ہے۔ اور کافرِ بے ایمان کے لیے وجہ حزن واندوہ خاطر اور باعثِ ملال وحرمانِ جان واقع ہوتی ہے۔

بقدرِ ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را — دویدن، رفتن، استادن، نشستن، خفتن ومُردن

(صائبؔ)

خواب اور موت کی دنیا تقریباً ملتی جلتی ہے۔ جس طرح ہم خواب کے اندر اپنے اردگرد ایک دنیا دیکھتے ہیں جس میں ہمارے اس جہان کی مثل ایک جہان ہوتا ہے جس میں دنیا کی تمام چیزیں مثلاً شہر، جنگل، دریا، پہاڑ، زمین اور آسمان ہوتا ہے۔ خواب میں ہر شخص کا یہ وسیع جہان گویا اس کے خواب وخیال کا ایک لطیف گھر یا مکان ہوتا ہے اور اس میں سوائے خواب دیکھنے والے کے اور کسی غیر کا مطلق دخل نہیں ہوتا اور وہ مکان اس کے جسم اور جان کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب میں جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے ملتا ہے تو اس دوسرے آدمی کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسا بہت شاذ ونادر ہوتا ہے کہ دو شخص خواب میں ایک دوسرے سے ملیں یا کوئی بات یا معاملہ کریں اور بیدار ہونے پر ہر دو کو یکساں طور پر یاد اور معلوم ہو۔ موت کے بعد بھی انسان اپنے اردگرد اسی قسم کا ایک وسیع برزخی لطیف جہان اپنے دینی اعمال کے مطابق اور مذہبی حیثیت کے موافق پاتا ہے۔

نفسانی مردہ دل آدمی نہ تو زندگی میں اپنے آپ خواب وخیال کے ماحول سے اور نہ موت کے بعد اپنے برزخی جہان سے تجاوز کرسکتا ہے۔ بلکہ وہ زندگی اور ممات میں اپنے نفس کی ظلمت میں مقید اور محبوس رہتا ہے اور عارف زندہ دل لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنے باطنی لطیف جثّے سے لوگوں کے خواب کی دنیا اور اہلِ قبور کے برزخی جہان میں داخل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ط (الانعام ۶: ۱۲۲)۔ ترجمہ: ”آیا وہ شخص جو تھا مردہ پس ہم نے اس کو (اپنے نور) سے زندہ کردیا اور اس کو ہم نے ایک نوری وجود عطا کیا جس کے ذریعے وہ لوگوں کے لطیف جثّوں یعنی برزخی مکانوں میں چلتا ہے اس آدمی کے مثل ہوسکتا ہے جس کے اردگرد ایسا اندھیرا ہے جس سے وہ کسی طرح نکل نہیں سکتا۔“ مردہ دل نفسانی آدمی کے لیے اس کا یہ

برزخی تنگ وتاریک مکان اس کا دوزخ ہوتا ہے۔ مگر عارف زندہ دل کے آدمی کے لیے یہ برزخی لطیف جہان اس کی ایک وسیع وعریض جنت ہوتی ہے جسے باطن میں اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لا اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط (الحدید ۵۷: ۲۱)۔ ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ اہلِ بہشت سے خطاب فرمائے گا کہ آگے بڑھو اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔“ یہاں اس بہشت کی محض چوڑائی بیان کی گئی ہے۔ لمبائی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی برزخی کائنات دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے: ایک مکان، دوم زمان۔ انگریزی میں اسے SPACE AND TIME کہتے ہیں۔ سو باطن میں اس برزخی جہان کی وسعت یعنی SPACE چونکہ معلوم ہوتی ہے اس واسطے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کی زمانی لامحدود طوالت یعنی TIME کا پتہ نہیں لگتا اس واسطے یہاں صرف اس کے عرض کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا آسمان اور زمین کے برابر عرض ہے۔ یعنی اس میں ایک ایسا جہان ہے جس میں دنیا کی طرح زمین وآسمان ہے۔ ہر انسان کی یہ برزخی کائنات یا دارِ آخرت اس کی اپنی فطرت واستعداد اور نیک وبد اعمال کے مطابق یا تو بہت عمدہ اور خوشگوار بہشت ہوتی ہے یا دوزخ کا گڑھا۔ مطابق اس حدیث کے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرَاتِ النَّارِ۔ یعنی انسان کی قبر یا تو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتا ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ یہاں متوفی روحانی کے مقامِ قبر کو اس کی بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بتایا گیا ہے۔ سو اس سے صاف طور معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قبر روحانی کی بہشت کا باغ یا اس کے دوزخ کا گڑھا اس کی قبر اور لاش کے پاس اور اس کے گرد ہوتا ہے۔ یعنی اگر روحانی سبز پرندے کی طرح بہشت کے کسی باغ میں اڑتا ہے یا عرشِ بریں کے کنگرے یا مقامِ علیین تک پرواز کرتا ہے پھر بھی اس کا برزخی آشیانہ یا اس کا نوری لطیف پنگھوڑا یا لفٹ (LIFT) قبر ہی میں پڑا رہتا ہے۔ اور اگر اس کے دوزخ کا پیندا تحت الثریٰ کی گہرائیوں میں واقع ہو تو بھی اس کے برزخی کنوئیں کا دہانہ اس کی قبر کا غار ہی ہوتا

ہے۔ اور قبر اور لاش سے روحانی تعلق بہر حال قائم رہتا ہے اور اس کا ایک برزخی لطیف مکان اس کی قبر کے قریب ضرور موجود ہوتا ہے۔ اور اس کا ایک لطیف جثہ اس جگہ آمد و رفت رکھتا ہے۔ اہلِ بصیرت باطنی اہلِ قبور کے ان باطنی برزخی ناری غاروں اور نوری بلند ایوانوں کو قبر کے پاس اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے سینوں میں ایک ایسا باطنی نوری ٹیلی ویژن (TELEVISION) لگا ہوا ہوتا ہے جو ہر روحانی اہلِ قبر کے باطنی برزخی حالات کو اس میں دیکھتا ہے اور معلوم کرتا ہے۔ جسے عرفِ تصوف میں ''کشف القبور'' کے نام سے پکارتے ہیں۔

اہلِ قبور کے برزخی مقامات الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر ایک نیک بخت مومن صالح آدمی کی قبر ایک فاسق فاجر مشرک کافر کی قبر کے بہت قریب اور متصل ہی بنادی گئی ہے یا ان کی لاشیں کہیں اکٹھی ایک ہی جگہ خلط ملط کر دی گئی ہوں تو بھی ان کا برزخی عذاب و ثواب، باطنی دکھ سکھ اور روحانی رنج و راحت ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ایک ہی مکان یا ایک ہی چار پائی یا لحاف کے اندر دو آدمی سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی ڈراؤنا اور دردناک خواب دیکھ رہا ہوتا ہے اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور دوسرا عمدہ اور خوشگوار خواب دیکھ کر عیش اور لطف اٹھا رہا ہوتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۵۳) ۔ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی وہ قادر ذات ہے کہ جس نے دو مختلف دریاؤں کو ایک دوسرے کے پاس قریب قریب اور بالکل متصل رکھا۔ جن میں ایک کا پانی تو میٹھا اور خوشگوار ہے اور دوسرا کھاری تلخ ہے۔ اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے پردہ ڈالا اور ان کو آپس میں ملنے سے الگ اور جدا رکھا۔ قولہٗ تعالیٰ: فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ○ (الحدید ۵۷ : ۱۳) ۔ ترجمہ: ''پھر دارِ آخرت یا عالمِ برزخ میں مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک اونچی دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔ اور جس کے اندر کی طرف تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور راحت ہوگی اور اس کے باہر کی طرف عذاب اور دکھ ہوگا''۔

نیز روحانی اپنی ہڈیوں اور قبر کے ساتھ اضطراری اور مجبوری طور پر معلق اور بندھا ہوا

نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی قبر کا ڈھانچہ پرندے کے گھونسلے اور آشیانے کی طرح اس کا اختیاری مسکن اور وقتی نشیمن ہوتا ہے۔ چاہے اس میں آئے جائے اور چاہے آنا جانا چھوڑ دے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگانِ دین کے مزارات ایک زمانہ خوب مرجعِ خلائق اور منبعِ فیوضات و برکات رہے ہیں۔ لیکن جب ان پر بد رسومات اور بدعات شروع ہوگئی ہیں تو ان بزرگوں نے اپنے مزاروں پر آنا جانا اور فیض پہنچانا موقوف کر دیا ہے اور وہاں لوگوں کا آنا جانا اور فیض اٹھانا بند ہوگیا ہے۔ ان کی سابق پرانی رونق جاتی رہی اور وہ قبریں اور مزاریں متروک ہوگئی ہیں۔ دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش پیغمبر گذرے ہیں اور ہر پیغمبر کی امت میں بے شمار اولیاء اللہ ہو گذرے ہیں۔ حالاں کہ آج نہ ان پیغمبروں کے مزارات موجود ہیں اور نہ ان کی امت کے اولیاء اللہ کی قبروں کے اثر اور نشان نظر آتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کی ارواح زمین اور اہلِ زمین سے اپنا رشتہ اور تعلق توڑ کر مقام علیین اور ملا الاعلیٰ میں اپنا مسکن اور ٹھکانا بنالیتے ہیں۔ انہیں اگر کوئی اہلِ دعوت حاضر کرنا چاہے تو ان کا تعلق بجائے قبر اور جسم کے ان کے نام اور اسم سے ہوتا ہے۔ اور نام اور اسم کے واسطے اور ذریعے سے ان کی حاضرات کی جاتی ہے۔ لہٰذا نام اور اسم کا تعلق قبر اور جسم سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہے۔ اور یہی اسم اور مسمّٰے کا بڑا بھاری بھید اور اسرار ہے۔ اور تمام کائنات اور مخلوقات کے اسما اللہ تعالیٰ کے اسم ذات اور ان کی ذوات اس کی ذات میں شامل اور مندرج ہیں۔ اور وہی سب کا باعثِ کون و ایجاد اور مرجع و معاد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ (الجاثیۃ ۴۵ : ۱۳) ۔ سُئِلَ اِبْنُ عَبَّاسٌ مِنْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ الْاٰيٰتِ فَقَالَ فِىْ كُلِّ شَىْءٍ اِسْمٌ'' مِنْ اَسْمَآئِهٖ تَعَالٰى وَاِسْمُ كُلُّ شَىْءٍ مِّنْ اِسْمِهٖ تَعَالٰى ۔ یعنی ''ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کے اسما میں سے ایک اسم ہے اور ہر شے کے اسم کا ظہور اس کے اسم ذات سے ہے۔''

تصور اسم اللہ ذات جس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مُرشد کامل کی توجہ سے طالب سالک کے وجود میں قائم ہو جاتا ہے اور اس کا لطیفۂ قلب و روح نورِ اسم اللہ ذات سے زندہ ہو جاتا ہے تو اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام کا ریڈیو اسٹیشن قائم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم ذات اور نورِ کُن کی بجلی اس کلام کو ہر زمان اور ہر مکانِ غیب و شہود میں پہنچانے

کا ذریعہ اور واسطہ بن جاتی ہے۔ دیکھو ایک شخص ریڈیو سٹیشن یعنی کسی نشر گاہ میں بول رہا ہوتا ہے تو اس کی آواز تمام دنیا میں منتشر ہو جاتی ہے اور ہر ریڈیو میں سنائی دیتی ہے۔ لیکن اگر بغیر نشر گاہ کے وہی کلام کرے تو اس کا وہ کلام وہیں غائب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عامل کامل شخص کا قرآن تمام انس و جان، ملائکہ اور ارواح بلکہ تمام علوی و سفلی کائنات اور جملہ ظاہر و باطنی مخلوقات میں مسموع ہوتا ہے اور اجابت و قبولیت پاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں عرصہ تیس سال سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم سخن اور ہم کلام ہوں اور مخلوق جن و انس، ملائکہ اور ارواح سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہم سخن اور ہم کلام ہے۔ عارف سالک زندہ دل کامل اہلِ دعوت جب قرآن صحیح طور پر پڑھتا ہے تو وہ اپنے خالق اور مخلوق کے ساتھ بیک وقت متکلم اور ہم سخن ہوتا ہے۔ اگر قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا پاک قدیم غیر مخلوق کلام ہے تو اس کی تلاوت سے تمام علوی و سفلی، لطیف و کثیف، ظاہری و باطنی اور مادی و روحانی مخلوق کو مطیع و منقاد ہونا چاہیے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ط قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ o (حٰمٓ السجدة ۴۱ : ۱۱)۔ ترجمہ: ''پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کا قصد کیا۔ اور وہ ایک دھوئیں کی صورت میں نمودار تھا۔ تب آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ میری اطاعت کرو۔ چار و ناچار آسمان اور زمین نے عرض کیا کہ ہم حضور کے حکم کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔'' سو قرآن اگر اللہ تعالیٰ کا قدیم کلام ہے تو اس میں بھی وہی قدیم ابدی امر موجود ہے۔ اور تمام اہلِ آسمان اور اہلِ زمین اللہ تعالیٰ کے اس حکمِ جاریہ کے مطیع اور منقاد ہیں۔ اور سب اس کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اور اس کی اطاعت کے لیے دوڑتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم قدیم اٹل امر ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا o (الاحزاب ۳۳ : ۳۷)۔ سو قرآن کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے امرِ کُنْ کے مترادف اور اس کا نعم البدل ہے۔ اور ہر ممکن امر اور محال و دشوار کام اس کی دعوت اور تلاوت سے حل اور آسان ہو جاتا ہے۔ سو تمام دعوتوں اور کلاموں سے افضل، اعلیٰ، اتم اور جامع دعوت تلاوتِ قرآن مجید ہے۔ سو قرآن کی اصلی شان، اس کی غیر مخلوق عظمت اور قدیم ثقالت کا اندازہ اس وقت لگتا ہے جب کہ کوئی عارف کامل پاک طیب طاہر نوری وجود اور نوری زبان سے قرآن کی دعوت شروع کرتا ہے۔ مردہ دل نفسانی لوگ

اس کی قدر کیا جانیں۔ جس وقت کوئی زندہ دل عارف عامل کامل کسی بزرگ ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھتا ہے تو ہر دو اہلِ قبر روحانی اور اہلِ دعوت کامل کو بے اندازہ اور بے قیاس فیوضات اور برکات حاصل ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر روحانی اہلِ قبر اپنے برزخ کے غیبی لطیف دریا کے اندر اس طرح ڈوبا ہوا ہوتا ہے جس طرح مچھلی دریا کے پانی میں ڈوبی رہتی ہے۔ ہمارا مادی جہان اس بحرِ عالمِ غیب پر گویا ایک جزیرے کی طرح ہے اور اس میں چشموں کی طرح چھوٹے چھوٹے برزخی سوراخ قبروں کے مقام پر بنے ہوئے ہیں۔ جس میں روحانی وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت ثواب فاتحہ اور نورِ قرآن حاصل کرنے کے لیے مچھلی کی طرح سر نکالتا ہے اور نورِ قرآن لے کر پھر اپنے غیبی چشمے میں ڈوب کر بحرِ عالمِ غیب میں چلا جاتا ہے۔ اور گاہے اہلِ دعوت عامل کامل قرآنی نور کی ثقالت سے وزنی ہو کر روحانی کی قبر کے چشمے میں غوطہ لگا کر روحانی کے برزخی مقام میں اس سے جا ملتا ہے۔ یہی وہ برزخی مقام ہے جو دارِ دنیا اور دارِ آخرت کے درمیان بطور پل اور اسٹیشن قائم ہے اور آیت مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ o بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ o (الرحمٰن ۵۵ : ۱۹ ۔ ۲۰) اسی سے تعبیر ہے۔ سالک کا ظاہر مضغۂ قلب ایک صخرہ پتھر کی مانند دارِ دنیا اور عالمِ شہادت میں قائم ہے۔ اس کا لطیفۂ قلب مچھلی کی طرح اس کے نیچے آبِ حیات اسم اللہ ذات سے زندہ ہو کر بحرِ عالمِ غیب میں خلافِ عقل عجیب چال اختیار کر لیتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ کہف میں ہے: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰہُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا o فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِھِمَا نَسِیَا حُوْتَھُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا o فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰہُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا ھٰذَا نَصَبًا o قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَہٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ صلے عَجَبًا o (الکہف ۱۸ : ۶۰ ۔ ۶۳)۔ ترجمہ: ''اور جب موسیٰؑ نے اپنے شاگرد اور رفیق یوشع سے کہا کہ میں اپنے روحانی رہنما خضرؑ کی تلاش میں دوڑ دھوپ سے باز نہیں آؤں گا جب تک میں اسے عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کے مجمع البحرین پر بیٹھا ہوا نہ پا لوں خواہ اس سفر میں میری تمام عمر ہی گذر جائے۔ جب وہ اس مجمع البحرین پر پہنچے تو انہیں اپنی مچھلی کا کچھ خیال نہ رہا۔ موسیٰ علیہ السلام سو گئے اور یوشع وضو کرنے لگے۔ اور جب ایک بوند عالمِ غیب

کے پانی کی اس مچھلی پر گری تو وہ زندہ ہو کر عالمِ غیب کے سمندر میں تیرتی ہوئی دوڑ پڑی۔ جب وہ کچھ آگے چلے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا کہ ہمارے پاس چاشت کا کھانا اور مچھلی لاؤ۔ کیوں کہ اس سفر کی محنت سے کھا پی کر ذرا دم لے کر ستا لیں۔ تو اس پر یوشع نے جواب دیا کہ اے موسیٰؑ! آپؑ کو خبر نہیں کہ جب ہم اور تم اس پتھر کے نیچے بیٹھے تھے میں آپؑ سے اس مچھلی کا حال کہنا بھول گیا اور نہیں بھلایا مگر شیطان نے۔''

اب عرض یہ ہے کہ اس مچھلی نے تو زندہ ہو کر بحرِ عالمِ غیب میں خلافِ عقل عجیب چال اختیار کی۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی بات کی تو ہمیں تلاش اور ضرورت تھی اور اسی پر سلکِ باطنی کا سارا معاملہ موقوف ہے۔ کیونکہ مقامِ قلب جو عالمِ شہادت اور عالمِ غیب کے درمیان ایک درمیانی مجمع البحرین کا برزخی مقام ہے کہ ایک طرف وہ اپنے سنگین جامد صخرہ کی صورت میں عالمِ شہادت میں قائم ہے اور جب اس کے اندر سے قلب کا لطیف جُثہ مچھلی کی طرح عالمِ غیب کے قطرۂ آبِ حیات سے زندہ ہو جاتا ہے اور عالمِ غیب میں طیر سیر کرنے لگ جاتا ہے تو سالک عارف خضرؑ کی طرح عارف زندۂ جاوید ہو کر صاحبِ مجمع البحرین بن جاتا ہے اور اَجۡسَامُھُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَقُلُوۡبُھُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ دونوں جہان میں تصرف کرنے لگ جاتا ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز ورنہ در مجلسِ رندان خبرے نیست کہ نیست

(حافظ شیرازیؒ)

ہمارا یہ مادی جہان عالمِ غیب کے وسیع جہان کے مقابلے میں اس قدر تنگ و تاریک ہے جتنا بچے کے لیے ماں کا رحم اور پیٹ اس مادی جان کے مقابلے میں تنگ اور تاریک ہوتا ہے۔ عالمِ غیب کا جہان اِس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس میں تمام مادی جہان رائی کے دانے کے برابر نظر آتا ہے۔

فِیۡ تَفۡسِیۡرِ الشَّیۡخُ الۡاَکۡبَرُ اَنَّ فِیۡ عَالَمِ الۡغَیۡبِ سَمَاءٌ'' وَاَرۡض'' وَجِبَال'' وَبِحَار''ا وَعَرۡش'' وَکُرۡسِیّ وَشَمۡس'' وَ قَمَر'' وَ نُجُوۡم'' وَ ھٰذَا الۡعَالَم'' عِنۡدَ عَالَمِ الۡغَیۡبِ کَقَطۡرَۃٍ عِنۡدَ الۡبَحۡرِ وَرُوِیَ اَنَّ وَاحِدًا مَاتَ وَ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ جَنَازَتَہٗ وَذَھَبَ مَعَ الۡجَنَازَۃِ اِلٰی قَبۡرِہٖ فَدُفِنَ فَرَجَعَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِلٰی

بَیۡتِہٖ فَقَامَتۡ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھَا وَمَسَّتۡ بِیَدِھَا عِمَامَۃَ النَّبِیِّ صَلَّ اللّٰہُ عَلَیۡہِ۔ وَسَلَّمَ وَقَالَتۡ یَا عَجَبًا بَلَّتۡ عِمَامَتُکَ وَثَوۡبُکَ مِنَ الۡمَطَرِ وَفِیۡ ذٰلِکَ الۡیَوۡمِ اَلۡیَسَ مَطَر'' فَعَلِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَائِشَۃَ رَأَتۡ مَطَرَ عَالَمِ الۡغَیۡبِ وَقَالَ عَلَیۡہِ السَّلَامُ بِمَا تَغَطَّیۡتِ رَأۡسِکِ الۡیَوۡمَ قَالَتۡ تَغَطَّیۡتُ رَأۡسِیۡ بِرِدَائِکَ ثُمَّ قَالَ عَلَیۡہِ السَّلَامُ یَاعَآئِشَۃُ بِذٰلِکَ الرِّدَآءِ قَدۡرُفِعَ عَنۡ بَصَرِکِ الۡحِجَابَ فَرَأَیۡتُ مَطَرَ عَالَمِ الۡغَیۡبِ یَا عَائِشَۃُ فِیۡ عَالَمِ الۡغَیۡبِ شَمۡس'' وَ قَمَر'' وَ مَطَر'' لَا یَرٰھَا اِلَّا الۡاَوۡلِیَاءُ الۡکَامِلُوۡنَ ترجمہ: ''شیخ اکبر کی تفسیر میں آیا ہے کہ عالمِ غیب میں آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، عرش، کرسی، سورج اور چاند ستارے ہیں اور ہمارا یہ مادی جہان عالمِ غیب کے سمندر کے مقابلے میں گویا ایک قطرے کے برابر ہے۔ چنانچہ آں حضرت ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا اور آں حضرت ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی اور اس کے جنازے کے ہمراہ قبر تک تشریف لے گئے۔ پس جب آں حضرت ﷺ اس کے جنازے سے فارغ ہو کر واپس اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی پیشوائی کے لیے آگے بڑھیں اور اپنے ہاتھ سے آں حضرت ﷺ کے دستارِ مبارک کو چھو کر بولیں کہ بہت عجیب بات ہے کہ آپ ﷺ کی پگڑی اور کپڑے بارش کے پانی سے تر ہیں۔ حالاں کہ آج کوئی بارش نہیں ہوئی۔ پس آں حضرت ﷺ سمجھ گئے کہ عائشہؓ عالمِ غیب کے پانی کو محسوس کر رہی ہیں۔ تب آں حضرت ﷺ نے پوچھا کہ اے عائشہؓ! آج تو نے اپنا سر کس چیز سے ڈھانپا ہے؟ حضرت صدیقہؓ نے جواب دیا آج میں نے اپنا سر آپ ﷺ کی چادر مبارک سے ڈھانپا ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ! میری اس چادر کے طفیل تیری آنکھوں سے پردے اٹھ گئے ہیں اور اس لیے تجھے بارشِ غیبی کا پانی میرے کپڑوں پر نظر آنے لگ گیا ہے۔ اے عائشہؓ! عالمِ غیب میں زمین، آسمان، سورج، چاند، ستارے اور بارشیں ہوا کرتی ہیں جسے بجز اولیائے کاملین کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔'' عالمِ غیب اور عالمِ شہادت آپس میں اس طرح وابستہ اور ملے جلے ہیں جس طرح ہمای جان اور جسم ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط اور وابستہ ہیں۔ مردہ دِل نفسانی لوگ اسی مادی دنیا اور مادی جسم کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ دِل اور روح کے لطیف غیبی وجود

اوراس کے غیبی جہان سے بالکل بے خبر ہیں۔ دِل اور روح کا لطیف غیبی جثہ جسم کے اندر
اس طرح پوشیدہ اور بالقوہ موجود ہے جس طرح انڈے کے اندر بچہ اور تخم اور پھل کے اندر
پودا اور درخت ہوتا ہے کہ جس وقت انڈے کو بالفعل گرمی پہنچائی جاتی ہے انڈہ سیا جاتا ہے
اور اس میں سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور تخم اور پھل گو کتنا ہی چھوٹا نظر آتا ہے لیکن جس وقت
اسے زمین کے اندر لگا کر پانی دیا جاتا ہے اور اس کی باقاعدہ نشوونما کی جاتی ہے تو اس میں
سے بڑا بھاری تن آور درخت نمودار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا ظاہری جسم اگر چہ ایک
چھوٹا جرمِ صغیر نظر آتا ہے لیکن اس کے ناسوتی اور عنصری انڈے کے اندر لاہوتی مرغ بالقوۃ
موجود ہے۔ اگر اس ناسوتی انڈے کو ذکر اللہ اور تصور اسم اللہ ذات کی حرارت پہنچائی جائے تو
اس میں سے مرغِ لاہوتی سر نکالتا ہے جس کی جولان گاہ قافِ قدس اور لاہوت لامکان ہوتی
ہے۔

جس طرح انڈے انڈوں میں گھونسلے کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ پڑے رہتے
ہیں لیکن بچے بڑے ہو کر پرندے بن جایا کرتے ہیں اور اپنے گھونسلے اور درخت کو چھوڑ کر
فضا میں طیر سیر کرتے ہیں اور دوسرے پرندوں کے ہمراہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے اور پرواز
کر کے چلے جاتے ہیں اسی طرح انسان کا بیضۂ عنصری دوسرے عنصری لوگوں کے ساتھ اسی
مادی جہان کے گھونسلے میں پڑا ہوا ہے اور اپنے مادی جہان کے عنصری گھونسلے سے حرکت
اور تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس کے جسم کا عنصری انڈہ دوسرے اجسام کے انڈوں کے ساتھ اختلاط
رکھ سکتا ہے۔ لیکن بچوں اور زندہ پرندوں کے ہمراہ پرواز کر کے اپنے گھونسلے کو چھوڑ نہیں
سکتا۔ اسی طرح جب کوئی نفسانی مردہ دل آدمی کسی بزرگ کی قبر کے پاس جاتا ہے چونکہ وہ
خود بھی اربعہ عناصر کی ایک قبر کی طرح ہے جس کے اندر دل گویا لحد ہے اور اس کی روح مردہ
لاش ہے لہٰذا اس کے جسم کی مردہ قبر کو اس بزرگ کی مٹی کی قبر کے ساتھ اس طرح اختلاط ہوگا
جس طرح انڈے کو انڈے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس نفسانی مردہ دل آدمی کو اس بزرگ
کی قبر میں سوائے مٹی کے ڈھیر یا مردہ لاش کے اور کیا نظر آ سکتا ہے۔ اسی طرح کسی زندہ
بزرگ یا ولی یا نبی کو وہ بجز ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑے کے اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جس
آدمی کے عنصری جسم کے اس بیضۂ ناسوتی کے اندر دِل اور روح کا لاہوتی مرغ زندہ ہو جاتا

ہے تو جب ایسا زندہ دل اور زندہ روح آدمی کسی بزرگ کی قبر کے پاس جاتا ہے تو اس کے
دل اور روح کا لطیف مرغ اپنے جسم کے کثیف انڈے اور مادی جہان کے گھونسلے سے
پرواز کر کے اہلِ قبر کے لطیف مرغ دل اور روح سے عالمِ برزخ اور عالمِ غیب کے لطیف
جہان میں جاملتا ہے اور اس کے برزخی غیبی لطیف باغِ جنت میں دوسرے مرغانِ جنت کے
ساتھ پرواز کرتا ہے اور جنت کے غیبی لطیف میووں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی
حمد وثنا اور تعریف وتوصیف کے نغمے گاتا ہے۔ ہر خام ناتمام مردہ دل نفسانی آدمی گو اپنے
آپ کو اس لیے زندہ سمجھتا ہے کہ اس کے اوپر عنصری جثّے کا کثیف چھلکا چڑھا ہوا ہے اور
اس کے نیچے بہیمی دل کی سفیدی اور حیوانی روح کی زردی موجود ہے اور وہ ایک ناطق حیوان
کی صورت میں زندہ ہے اور حیوان کی طرح کھاتا پیتا اور سوتا جاگتا ہے۔ تو جب تک اس کی
اس مردہ سفیدی اور بے جان زردی میں سے قلب کا ملکوتی اور روح کا روحانی مرغ زندہ
ہو کر نہیں نکلتا اور اس میں اور حیوان میں اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ (الاعراف۷: ۱۷۹) کوئی
فرق نہیں ہے اور جب زندہ روح جثہ لطیف روح اور زبانِ روح سے دعوتِ قرآن
پڑھتا ہے تو دعوتِ زبانِ قلب کی نسبت ستر ہزار دفعہ زیادہ نورِ قرآن پیدا ہوتا ہے اور وہ نور
چونکہ روحانیوں کی غذا ہے روحانی ایسے اہلِ دعوت کے پاس اپنی مخصوص غذا حاصل کرنے
کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور جب ایسی دعوت سے انوارِ قرآن کی اس قدر باطنی انوار کے
ذخیرے اور خزانے اہلِ قبر کے پاس جمع ہو جاتے ہیں کہ جس سے باطن میں روحانی بڑا
بھاری مالدار اور دولت مند ہو جاتا ہے اور اس کا روحانی درجہ بہت بڑھ جاتا ہے۔

اس سے آگے بھی انسان کے اندر سات غیبی الطف لطائف ہیں جن سے دعوت پڑھی
جا سکتی ہے۔ لیکن ان باتوں کو آج کل کے سائنس پروردہ مغرب زدہ نئی روشنی والے لوگ نہ
باور کر سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ جس طرح آج سے سو سال پہلے زمانے کے لوگوں کے
سامنے آج کل کی مادی اور ظاہری ایجادات اور سائنس کے امروزہ رائج الوقت اختراعات
کا اگر ذکر کیا جاتا تو وہ ناممکن اور محال سمجھے جاتے اور کوئی شخص باور نہ کرتا۔ حالانکہ ہم اپنی
آنکھوں سے مادی سائنس کی محیر العقول اور عجیب اختراعات و ایجادات آج دیکھ رہے
ہیں۔ اسی طرح یہ مادہ پرست نفسانی زمانہ بھی اہلِ سلف روحانیین اور گذشتہ عارفین کاملین

کی باطنی اور روحانی سائنس کی محیر العقول اور ہوش ربا کرامات اور خوارق کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ کی قدرت میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور بمقتضائے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط (الاعراف ۷: ۱۵۶) اس کی رحمت کائنات کے ہر زمان و مکان میں پھیلی ہوئی اور پہنچی ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم آگے مجمل اور مختصر طریقے پر بعض بہت افضل، اعلیٰ اور منتہی دعوات کا ذکر کرتے ہیں۔

بعض عارف کامل اس قسم کی دعوت منتہی پڑھتے ہیں کہ اس دعوت کہ ذریعے اللہ تعالیٰ کے دیدارِ پرانوار سے مشرف ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بے کام اور بے زبان ہم کلام صاحبِ لِیْ مَعَ اللّٰہِ مقامِ لاہوت لامکان میں بے کیف و بے جہت اور بے چون و بے چگون حالت میں دعوت پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نورِ قدیم سے ابدالآباد تک زندہ، تابندہ اور پائندہ ہوجاتے ہیں۔ ایسے عارف، مکمل، اکمل کا ایک نوری قدیم وجود ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے واصل اور اس دعوت میں شامل رہتا ہے۔ اگرچہ اس کا ظاہری وجود اس سے گاہے اپنے دیگر غیر مشاغل کے سبب بے خبر اور غافل ہوجاتا ہے لیکن جب فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے تو اس نوری وجود کو اس دعوت میں عامل اور شامل پاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ o (الانشراح ۹۴: ۷۔۸)۔ یعنی میرے حبیب! جس وقت تو دیگر مشاغل سے فراغت پائے تو میری طرف راغب ہوجایا کر اور اس طرح میرے دیدار پرانوار سے لطف اندوز ہولیا کر۔ ایسا منتہی اہل دعوت ہر مشکل اور ہر حاجت اللہ تعالیٰ سے براہِ راست بلاواسطہ غیر کے حل کرالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے جواب باصواب پاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک دعوتِ نورِ حضور ہے کہ اہل دعوت اکمل جامع نور الہدیٰ زبانِ نور سے دعوت پڑھتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں میں سے کوئی ایک آدھ نہایت نادر الوجود سالک محبوب محمود فنافی الرسول ظاہر و باطن مقبول عاشق معشوق اس اعلیٰ مقام سے مشرف ہوتا ہے۔

جس وقت ایسا خاص الخاص اخص منتہی سالک زبانِ نورِ حضور سے دعوت شروع کرتا ہے تو اس سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع چار یار و جملہ اصحاب کبار و حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ و حضرت شاہ محی الدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تشریف لاکر اہل

دعوت نورِ حضور کو اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے ذاتی نور سے مشرف فرماتے ہیں۔ ایسا عامل کامل اکمل جامع نور الہدیٰ ہمدم و ہم قدم و ہم جان و ہم زبان محمد مصطفیٰ ﷺ ہو کر جب ایک دفعہ زبانِ نور سے دعوت پڑھتا ہے تو اس کے ایک دفعہ دعوت پڑھنے کا عمل قیامت تک قائم رہتا ہے اور کبھی کم یا زائل نہیں ہوتا۔ ایسا عامل کامل صاحب زبان سیف الرحمٰن جس وقت کسی بڑی بھاری مہم کے لیے ایسی دعوت پڑھتا ہے تو باطنی روحانی دنیا میں اس دعوت سے ایک تہلکہ مچ جاتا ہے اور باطنی دنیا کی تمام زمین کے اندر اس دعوت سے زلزلہ آجاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا قیامت برپا ہوگئی ہے۔ تمام عالمِ غیب، جملہ جن ملائکہ اور ارواح ہژدہ ہزار عالم اس کے ہمراہ بارگاہِ الٰہی میں بصد آرزو و الحاح ملتجی ہوجاتے ہیں۔ تمام جن و انس جزع فزع کرنے لگ جاتے ہیں۔ تمام خاکیانِ اہل اسلام خاص و عام ہاتھ اٹھا کر نہایت درد و خلوص اور عجز و انکسار کے ساتھ اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اس کی دعوت میں شریک ہوجاتے ہیں۔ غوث، قطب، اوتاد، ابدال، جملہ صدیقین، شہداء، صالحین اور کل اولیا حتیٰ کہ جملہ انبیا اور مرسلین کی پاک روحیں بھی اس کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتمس اور ملتجی ہوجاتی ہیں اور اس کا کام خواہ کتنا ہی مشکل، دشوار، ناممکن اور محال کیوں نہ ہو ایک طرفۃ العین میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حل کرا کر پورا کرالیتے ہیں۔ ایسی دعوت سے قوموں، ملتوں اور ملکوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ بے نصیب اور بے قسمتوں کو بانصیب اور خوش قسمت بنایا جاسکتا ہے۔ گداگر بے نوا کو بادشاہ اور بادشاہِ ہفت اقلیم کو معزول کرکے مفلس کنگال کردیا جاتا ہے۔ اس دعوت سے لوحِ محفوظ کا نوشتہ مٹایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ج (الرعد ۱۳: ۳۹) کی شان جلوہ گر کرائی جاتی ہے اور اس کی قدرت اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo (البقرۃ ۲: ۲۰) کو کارفرما اور رونما کیا جاتا ہے۔ اور ایسی دعوت اگر کسی خاص فرد کے بخت و اقبال کے لیے پڑھی جائے تو کم از کم سات پشت تک اس دعوت کا اثر قائم رہتا ہے اور اس خاندان کی ثروت و دولت، عزت و شوکت اور حکومت و سلطنت مدت مدید تک بڑھتی اور چڑھتی رہتی ہے کبھی کم نہیں ہوتی۔ اور اگر جلال، غضب و قہر سے کسی کی مقہوری اور تباہی و ہلاکت کے لیے پڑھی جائے تو سات پشت تک ان کے بخت و اقبال کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے اور بمقتضائے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ

ظَلَمُوْا ط (الانعام ۶ : ۴۵) ان ظالموں کی بنیاد مٹا دی جاتی ہے۔ اہل اللہ فقراء کے قہر اور غضب سے ڈرنا اور بچنا چاہیے کیونکہ فقراء کا قہر اللہ تعالیٰ کے قہر کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔

جس طرح زندہ دل عارف سالک کی دعوتِ قرآن سے روحانی اہلِ قبر نورِ قرآن سے مالا مال ہوتا ہے اسی طرح کسی بزرگ ولی اللہ کی قبر پر ایک رات دعوتِ قرآن پڑھنے سے اہلِ دعوت کو اس قدر عظیم الشان فوائد پہنچتے ہیں کہ جو سالہا سال کی پے در پے جان توڑ ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل نہیں ہوتے۔ چنانچہ ہمارے روحانی مربی اور باطنی پیشوا حضرت سلطان العارفین سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتابوں میں فرماتے ہیں کہ اہلِ دعوت کے لیے کسی کامل بزرگ کی قبر پر ایک رات دعوت پڑھنی چالیس دن رات کے متواتر چالیس چلوں سے بہتر ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ایک رات اہلِ دعوت کی کسی بزرگ ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھنی ستر سال کی عبادت اور ریاضت سے بہتر ہے۔ سو یہ اندازے محض ڈھکوسلے اور مبالغے نہیں ہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت اتصال اہلِ دعوت عامل کامل کسی کامل ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھتا ہے تو اہلِ دعوت اپنے باطنی قلبی اور روحی جثّے سے روحانی کے باطنی جثّے سے اس طرح اتصال اور اتحاد پیدا کرلیتا ہے کہ اس کے ساتھ یک دم، یک جثہ اور یک جان ہو جاتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ روحانی اس کا گھوڑا یا مَرْکَبْ اور اہلِ دعوت اس کا سوار بن جاتا ہے۔ اور روحانی نے جس قدر باطنی مراتب روحانی درجات یا سلوکِ طریقت کے مقامات اپنی زندگی یا عالمِ برزخ کے اندر طے کیے ہوئے ہوتے ہیں اہل دعوت اسی ایک رات میں روحانی کی رفاقت کے وہ تمام باطنی منازل طے کرلیتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ایک ہی اہل قبر روحانی کی قبر پر بار بار دعوت پڑھی جائے تو روحانی اپنے سلسلۂ طریقت کے دوسرے روحانی بزرگوں سے اہلِ دعوت کو جا کر ملاتا ہے اور ان کے باطنی نئی قسم کی انوکھی اور نادر فیوضات اور برکات سے مالا مال کرا دیتا ہے۔ اس طرح اہلِ دعوت ہر رات ایک نئی اور جدید قسم کے نئے سلوکِ طریقت کی باطنی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ کیوں کہ جس طرح ہر انسان کی صورت اور شکل و شباہت الگ اور مختلف ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر انسان کی طرف مختلف صفت سے متجلی ہوا ہے جس سے اختلافِ رنگ و بو واقع ہوا۔ کسی ایک

انسان کی طرف نہ تو دو صفتوں کی بیک وقت تجلی فرمائی ہے اور نہ دو انسانوں پر بیک وقت ایک ہی صفت کی تجلی نازل فرمائی ہے۔ اس واسطے آیا ہے کہ اَلطُّرُقُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کے اس قدر بے شمار راستے ہیں جس قدر انسانوں کے انفاس یعنی سانس ہیں۔ سو محض دعوت کے ذریعے عامل کامل اہلِ دعوت کسی دوسرے کامل ولی اللہ کے ساتھ اتحاد پیدا کرکے اس کی تمام منازلِ سلوک کو طے کرلیتا ہے اور ایک نئے اور جدید جادۂ سلوک اور راہِ طریقت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہوتا ہے۔

حضرت ملا معین کاشفیؒ صاحب اسی آرزو میں فرما گئے ہیں ۔

بروزِ حشر چون دیدار بنمائی بمشتاقان   معینؒ را سوز چون سرمہ بچشمِ عاشقان درکش

یعنی ''اے محبوبِ حقیقی جس وقت تو میدانِ حشر کے اندر اپنے عاشقوں اور مشتاقوں کو اپنے جمالِ لایزال کے دیدارِ پرانوار سے مشرف فرمائے تو مجھ مسکین معینؒ کو جلا کر سُرمہ بنا دے اور ہر عاشق اور مشتاقِ دیدار کی آنکھ میں لگا دے۔ تاکہ ہر عاشق کی آنکھ میں تیرا نیا انوکھا جلوہ دیکھ لوں۔''

دوسری بات یہ ہے کہ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ o (الاعراف ۷ : ۵۴) ۔ یعنی خبردار ہر دو عالمِ خلق اور عالمِ امر اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین کے تصرف میں ہیں اور چونکہ تمام امور عالمِ امر میں طے ہوتے ہیں اس واسطے اسے عالمِ امر یا دفتری حکومت کہتے ہیں۔ اس کے بعد ان امور کی تعمیل یا نفاذ و اجراء عالمِ خلق یا ظاہری مادی جہان میں ہوتا ہے اور عالمِ خلق عالمِ امر کا گویا عکس اور ظل ہے۔ روح چونکہ عالمِ امر سے ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنیٓ اسرآءیل ۱۷ : ۸۵) ۔ (ترجمہ) ''کہہ دے اے میرے نبی ﷺ! کہ روح میرے رب کے عالمِ امر کی چیز ہے۔'' سو روحانی اولوالامر کو عالمِ امر کی باطنی دنیا میں بڑی دسترس حاصل ہوتی ہے اور وہاں وہ ہمارے عالمِ خلق کے مشکل امور کو بہت آسانی سے حل اور طے کرا سکتا ہے۔ لیکن روحانی اہلِ قبر چونکہ موت واقع ہونے کی وجہ سے ہر عمل سے رہ جاتا ہے لہٰذا اسے زندہ لوگوں کے عمل، اطاعت اور ذکر فکر تلاوتِ قرآن کے نور کی بڑی حاجت ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو عالمِ خلق اور عالمِ امر [illegible] ان کے درمیان ایک استفادے اور استمداد کی صورت پیدا کر دی ہے۔

اوران کے درمیان بیع وشریٰ یعنی خرید وفروخت کا ایک نعم البدل قائم کردیا ہے کہ ہم عالمِ خلق کے اندر زندہ انسان چونکہ قیدِ حیات میں ہیں اور ہر قسم کی دنیوی آزمائشوں اور نفسانی آلائشوں میں ہر وقت مبتلا اور گرفتار ہیں اس لیے عالمِ اسباب میں دنیوی مصائب اور مادی تکالیف سے نجات حاصل کرنے اور دنیوی مشکلات پر قابو پانے کیلیے ہمیں اولوالامر روحانیین اور ملائکہ مقربین کی امداد و اعانت کی بڑی ضرورت اور احتیاج لاحق ہوتی ہے۔ اور ہم ان کی اور وہ ہماری بڑی امداد کرسکتے ہیں اور ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔لہٰذا قدرت نے عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کی دو مختلف مخلوقات کو ایک دوسرے کا ممدو معاون اور محتاج اور حاجت مند بنادیا ہے۔اور عالمِ شہادت اور عالمِ غیب کے تمام کاروبار اسی احتیاج اور استمداد کے طفیل چل رہے ہیں اور اسی سے کائنات کی رونق قائم ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ، نائب اور جانشین بنایا ہے اور دنیا کا ایک ادنیٰ انسان جب حاکم، جج یا بادشاہ بنا دیا جاتا ہے تو اس کے ہونٹوں کی ایک ادنیٰ سی جنبش اور اس کے قلم کی ایک معمولی سی حرکت سے لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔کئی انسان تختۂ دار پر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔کئی سالہا سال تک قید و بند کی تاریک کال کوٹھڑیوں میں محبوس اور قید ہوکر نہایت سخت عذاب اور نہایت دکھ درد میں مبتلا اور گرفتار رہتے ہیں اور کئی انکی ایک ادنیٰ کرم اور نوازش سے مالا مال اور خوشحال ہوجاتے ہیں اور پشتوں تک عیش وعشرت اور لطف وآرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔حالانکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہے اور اس کے حکم کے بغیر درخت کا ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا اور اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین اور عالمِ غیب وشہادت ہر دو کا مالک اور مختار بھی ہے: وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ط (الزخرف ۴۳: ۸۴) ۔پس جب دنیا کے نفسانی حاکموں، ججوں اور بادشاہوں کے پاس انصاف، رحم اور دادرسی کی درخواست گذاری جاسکتی ہے اور وہ ہماری دادرسی اور انصاف کرکے ہماری حاجت روائی اور مشکلیں حل کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی شرک لازم نہیں آتا تو جب ظاہری زندہ بزرگوں یا باطنی اولی الامر روحانی اہلِ قبور یعنی باطنی اور روحانی ججوں، منصفوں اور حاکموں سے کسی کام کی درخواست یا اپیل کی جاتی ہے تو بعض خالی خشک توحید کے زبانی مدعی کیوں آتش زیر پا ہوکر بڑ بڑا اٹھتے ہیں کہ یہ نرا شرک اور بدعت ہے۔سو یہ

کورچشمی، غفلت اور بزرگانِ دین کیساتھ شیطانی حسد اور کبر کی ماریں ہیں۔دراصل یہ لوگ خود اللہ کے دین، مذہب اور روحانیت کے مخالف، بدخواہ اور دشمن ہوتے ہیں۔لہٰذا وہ بعض دکان دار مشائخ کو اپنے شکوہ شکایت کا آلہ، آڑ اور بہانہ بنا کر تمام دنیائے مذہب روحانیت کا گلہ اور شکوہ کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے جملہ مقبولوں اور محبوبوں کا گلہ اور انکار کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ مانا کہ بعض جاہل، نادان، کم فہم لوگ بزرگانِ دین کی قبروں کو سجدے کرتے ہیں جو شرعاً ایک ناجائز اور ناروا فعل ہے لیکن بعض اس قسم کے یہودی منش منافق کورچشم نام کے مسلمان بھی موجود ہیں جو حضرت سرورِ کائنات ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔

مجھے ایک بزرگ نے بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ ہندوستان کے چند پڑھے لکھے آدمی حج کے سفر میں ہمارے رفیق بن گئے۔ مکہ معظّمہ پہنچے تو وہ ہمارے اچھے رفیق بنے رہے اور بھائیوں اور دوستوں کی طرح سلوک اور برتاؤ کرتے رہے۔اتفاقاً حج سے پہلے ہم روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ چلے گئے۔ جب ہم وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے ہم سے سلام اور کلام کرنا چھوڑ دیا۔محض اس لیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ کے مزارِ مقدس اور مسجد نبویؐ کی زیارت کی تھی۔سو اس قسم کے منافق حاسد کورچشم منافقوں کا کیا اسلام اور ایمان ہوگا۔

جس طرح ہمارے مادی اور عنصری جثوں پر ظاہری اور مادی حاکموں کی حکومت ہے کہ جس وقت وہ چاہیں اپنی عدالت میں ہمیں حاضر اور پیش کرسکتے ہیں اور ہم سے ہر قسم کی خدمت اور کام لے سکتے ہیں اسی طرح باطنی اور روحانی جج ہمارے قلوب اور ارواح پر تصرف اور حکومت رکھتے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ جسم اور بدن دل کے تصرف اور اختیار میں ہے کہ جب دل چاہے کہ انگلی اٹھے تو اٹھ جاتی ہے اور جب چاہے کہ ہاتھ ہلے تو فوراً بلا تامل ہاتھ ہلتا ہے۔اسی طرح جسم اور بدن کے تمام اعمال اور افعال دل کے ارادے اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں۔لیکن دل اور روح ایک غیبی امری لطیفہ ہے۔اس پر عالمِ امر کے لطیف غیبی اولوالامر حاکموں کا تصرف ہوتا ہے۔

دل کو اس واسطے قلب کہتے ہیں کہ یہ ہر وقت منقلب ہوتا ہے اور لحظہ بہ لحظہ بدلتا رہتا

ہے۔ مثلاً جب کبھی کسی حاکم یا منصف کے روبرو کوئی دیوانی یا فوجداری مقدمہ پیش ہوتا ہے تو دورانِ مقدمہ اس کا دل اور اس کے ارادے کئی طرح بدلتے رہتے ہیں اور کبھی ٹھیک اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ مقدمہ اس کے ہاتھوں کیوں کر فیصلہ ہوگا۔ اور حالات اور کوائف کے اختلاف سے اس کے ارادے اور خیالات بدلتے رہتے ہیں۔ اور مقدمہ کا انجام، نتیجہ اور فیصلہ اکثر اس کے ارادوں اور خیالات کے برخلاف ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ انگریزی زبان کی ایک ضرب المثل ہے:

Unexpected often happens

یعنی اکثر غیر متوقع باتیں واقع ہوا کرتی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جج، منصف اور حاکم کا دل اللہ تعالیٰ کے غیبی لطیف اولی الامر حاکموں کے تصرف اور قبضے میں بعینہٖ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح جج اور حاکم کے ہاتھوں میں قلم ہوتا ہے۔ جج جو چاہتا ہے قلم لکھتا جاتا ہے۔ روحانی اولی الامر جو چاہتے ہیں اس کے دل کے ارادے کو اپنی طرف پھیرتے ہیں۔ حدیث: قَلْبُ الْاِنْسَانِ بَیْنَ اِصْبَعَیِ الرَّحْمٰنِ ۔ یعنی انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان قلم کی طرح ہوتا ہے۔ اب اگر جج کے فیصلہ لکھتے وقت مسل پر ایک مکھی بیٹھی جج کے قلم اور پین کو فیصلہ لکھتے دیکھے تو وہ یہ سمجھے گی کہ یہ قلم فیصلہ لکھ رہا ہے۔ اور اگر زیادہ اوپر انگلیوں کو لکھتے دیکھ کر خیال کرے کہ نہیں انگلیاں لکھ رہی ہیں اور اگر ہاتھ کو لکھنے والا بتائے تو بھی صحیح ہے اور جو حاضرین کمرۂ عدالت میں ہوں وہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ لکھنے والا جج اور حاکم ہے۔ اور اگر کوئی باطنی آنکھوں والا موجود ہو اور دیکھ کر کہہ دے کہ اصل فیصلہ کرنے والا وہ باطنی موکل ہے جو حاکم کے دل پر اس وقت متصرف ہے۔ اور اپنی اپنی جگہ پر قلم، انگلیوں، ہاتھ، جج اور باطنی موکل کو فیصلہ کن کہنے والے سب درست اور صحیح ہیں۔ اور سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آخری فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو غیبی مؤکلات، ملائکہ اور ارواح کے سب ارادوں پر قابض، متصرف اور احکم الحاکمین ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ط (الدھر ۷۶: ۳۰)۔ غیبی مؤکلات اور باطنی و روحانی اولوالامر حاکم قلوب اور ارواح کی دنیا میں عجیب تصرف کرتے ہیں اور تمام کاروبار اور کاموں کا انجام ان ہی کے ارادوں اور فیصلوں پر موقوف اور منحصر ہوتا ہے۔ اور دنیا کے تمام کاروبار پہلے عالمِ امر میں

روحانیوں کے ہاتھوں طے ہوتے ہیں۔ غرض روحانی اہلِ قبور سے ہر قسم کی امداد لی جاسکتی ہے۔ حدیث: اِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِيْنُوْا مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ ۔ جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ یعنی جب تم اپنے مشکل امور میں حیران ہوجاؤ تو اہلِ قبور بزرگانِ دین سے استعانت اور استمداد کرو۔ لیکن جس طرح کسی ظاہری حاکم اور جج کی عدالت میں استغاثہ اور درخواست پیش کرنے کا خاص طریقہ، قاعدہ اور قانون ہوتا ہے اسی طرح ان باطنی اولوالامر حاکموں سے استمداد اور استعانت کرنے کا قاعدہ اور طریقہ ہے۔ (اور وہاں تک آواز اور درخواست پہنچانے کے قابل خاص زندہ دل عارف ہیں) جو درگاہِ الٰہی کے باطنی ملازم اور روحانی محرر ہیں۔ جو قاعدے اور قانون کے مطابق سائل کی درخواست پہنچا کر ان اولوالامر سے منظور کرا سکتے ہیں۔ کسی بزرگ کی قبر اور مزار کو ہاتھ پھیلا پھیلا کر چمٹنے، چومنے، سجدہ کرنے اور شور و غل مچا مچا کر ناجائز غیر شرعی الفاظ میں سوال کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ قاعدے اور قانون کے مطابق قبر کے پاس جا کر پاک جسم، طیب جان اور طاہر زبان سے فاتحہ اور قرآن کی دعوت پڑھنے سے البتہ روحانی کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ہم یہاں قبر سے استمداد کرنے کی دلیل قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قوم بنی اسرائیل میں سے ایک بڑے آدمی کو قتل کیا گیا۔ لیکن اصلی قاتل کا کوئی پتہ نہیں لگتا تھا اور لوگ ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ چنانچہ قوم کے درمیان نزاع و فساد کا سخت خطرہ تھا۔ ایسے نازک وقت میں لوگوں نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرف رجوع کیا کہ آپؑ ہمارے اس فساد کا کوئی حل تلاش کریں کہ قوم خونریزی سے اور لڑائی سے بچ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک خاص قسم کی گائے تلاش کرنے اور ذبح کرنے کا حکم دیا۔ غرض بڑی تلاش اور تجسس کے بعد اس قسم کی گائے لائی گئی اور اسے ذبح کر ڈالا گیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس گائے کے گوشت کا فلاں حصہ مقتول کی لاش پر دے مارو۔ ایسا کرنے سے مقتول ایک لحظہ کے لیے جی اٹھا اور اس نے اپنے قاتل وغیرہ کا نام وغیرہ بتا دیا۔ اور قاتل کو اس کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور قوم کا فتنہ فرو ہوا۔ جب ایک اولوالعزم پیغمبر ایک جانور کے مردہ گوشت سے استفادہ،

استعانت اور استمداد حاصل کرتا ہے اور اتنے بڑے بھاری نازک وقت میں ایک جانور کی مردہ لاش سے استعانت حاصل کر کے قوم کو خوں ریزی سے بچاتا ہے تو ایک خدا تعالیٰ کے بزرگ، برگزیدہ، مقبول اور محبوب ولی اللہ کی قبر اور اس کے جسد یا اس کی روحانیت سے کیوں استفادہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ضرور کیا جا سکتا ہے۔

دیگر معراج کی رات ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی امتِ مرحومہ کے لیے دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم لا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے اور پچاس نمازوں کی فرضیت کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کی امت پچاس (۵۰) نمازوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نمازوں کی کمی کی درخواست کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تین بار نمازوں میں کمی کی درخواست کی تب یہ پانچ نمازیں مقرر ہوئی۔ یہاں ہمارے برگزیدہ سید المرسلین خاتم النبین افضل البشر کی ایک دنیا سے گذرے ہوئے پیغمبر کی روح سے استفادہ حاصل کرنے کی بڑی بھاری شان موجود ہے۔ جس کا فائدہ تمام امت قیامت تک اٹھائے گی اور ان کے بعض حاسد کور چشم عالم پھر بھی روحانیوں سے استمداد کرنے کے انکار پر تلے ہوئے ہیں اور اسے شرک کا نام دیتے ہیں۔

بزرگانِ دین کی قبروں کی زیارت کے معاملے میں اکثر لوگ افراط اور تفریط میں مبتلا ہو کر راہِ اعتدال سے دور جا پڑے ہیں۔ ان میں ایک گروہ ان خشک مزاج کور چشم زبانی توحید کے مدعی لوگوں کا ہے کہ جن کو قبر کے نام سے چڑ ہے۔ جن کے سامنے اگر بزرگ ولی یا نبی کی قبر یا مزار کا نام لیا جائے تو وہ فوراً بلا سوچے سمجھے ناک بھوں چڑھا لیتے ہیں اور تمام قبروں کو بت اور زیارت کرنے والوں کو مشرک سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قبروں سے دعائیں اور حاجات مانگنے والوں اور بت پرستوں میں کیا فرق ہے۔ اگر کسی قبر اور مزار پر فاتحہ، درود اور قرآن پڑھنا شرک ہے تو پھر توحید کس بلا کا نام ہے۔ ان لوگوں کا دہریوں اور نیچریوں کی طرح یہ خیال ہے کہ انسان مر کر نیست و نابود اور عدم محض ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کیا یاد کرنا ہے اور اس کے نام پر خیرات وغیرہ دینا یا اس کی روح کو پڑھ کر بخشنا سب بے سود ہے۔ یہ کافروں کی طرح اصحاب القبور سے ناامید ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝ (الممتحنة ۶۰ : ۱۳)۔ (ترجمہ) ''اے ایمان والو! دوستی نہ کرو ایسے لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کے نیچے آئے ہوئے ہیں کہ دارِ آخرت سے اس طرح ناامید ہو چکے ہیں جس طرح کفار اہلِ قبور سے ناامید ہو جاتے ہیں۔'' یعنی جن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان محض اس عنصری جسم کا نام ہے جو مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے اور روح وغیرہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اگر ایسی بات ہے تو شریعت نے مردے پر نماز جنازہ پڑھنا، اس کی تجہیز و تکفین کرنا اور ڈیڑھ گز زمین ضائع کرنے کے بے فائدہ تکالیف اور بے جا اخراجات کیوں نافذ اور عاید کیے ہیں۔ بس ہندوؤں کی طرح مردوں کو آگ کی نذر کر کے جلا دینا یا دریابُرد کر دینا ہی بہتر تھا۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنے بزرگوں کی قبور کو سجدے کرتے ہیں اور ان کو اپنا مطلق حاجت روا اور قاضی الحاجات سمجھتے ہیں۔ سو ہر کام میں اعتدال کی صراطِ مستقیم موجود ہے۔ لیکن شیطان لوگوں کو افراط اور تفریط کے غلط ٹیڑھے راستوں پر لگا کر راہِ حق سے گمراہ کر دیتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ (النحل ۱۶ : ۹)۔ یعنی اللہ کی طرف حق اور اعتدال کا سیدھا راستہ موجود ہے۔ اور اس سے ادھر ادھر افراط و تفریط کے شیطانی ٹیڑھے راستے نکلے ہیں جن سے احتراز لازمی ہے۔ سو راہِ اعتدال یہ ہے کہ کسی اپنے خویش، رشتہ دار یا دوست کی قبر پر فاتحہ درود پڑھنے کے لیے جائے۔ خصوصاً جمعرات کو جا کر اسے کچھ مسنون طریقے سے فاتحہ درود، سورۂ اخلاص یا تلاوتِ قرآن مجید پڑھ کر بخشے یا اس کے نام پر مساکین کو صدقہ خیرات دے دے تو اہلِ قبر کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور روحانی اس ثواب سے خوش و مسرور اور مفرح الحال اور شادکام ہوتا ہے۔ اور اس کے عوض زیارت کرنے والے اور ثواب بخشنے والے کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے۔ اور اپنی وسعت، استعداد اور توفیق کے مطابق اسے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر زیارت کے وقت کوئی شخص فرطِ محبت اور جوشِ عقیدت کے سبب اپنی ماں، باپ، استاد یا مرشد کی قبر کو یا اس کے غلاف کو چوم لے اور بوسہ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جائز ہے۔ کیوں کہ جس شخص سے محبت اور عقیدت ہو اس کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے اور

پیاری لگتی ہے۔ اکثر خویش اور دوست ملتے وقت ایک دوسرے کو چومتے ہیں۔ اگر انتظار اور دیر کے بعد ان کا کوئی خط آ نکلے تو اسے فرطِ محبت سے بوسہ دیتے ہیں اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ گاہے ان کے کپڑوں اور دیگر یادگار نشانیوں کو سینے سے لگاتے ہیں۔ سو اس قسم کے افعال فرطِ محبت سے کیے جاتے ہیں اور اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ غرض جو چیز بھی کسی کے محبوب سے منسوب ہو اگر کسی محبّ کے پاس آ جائے تو محبّ اسے دیکھ کر اپنی محبت کا بے اختیار مظاہرہ اسے چومنے سے کرتا ہے۔ غرض یہ تو چند روزہ دنیوی محبت کا معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ محبوبِ حقیقی کے ساتھ اپنے بندوں اور محبوں کی محبت بہت سخت ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ آیا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (البقرۃ ۲: ۱۶۵)۔ مومنوں کی محبت اللہ تعالیٰ کے لیے بہت سخت ہوا کرتی ہے۔ سو مرشدِ کامل جو محبوبِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف راہ سلوکِ باطنی کا رہبر اور رفیق ہوتا ہے اور اس کے قرب اور وصل کا ذریعہ اور واسطہ ہوتا ہے وہ بھی محبوبِ حقیقی کی تبع میں محبوب بن جاتا ہے۔ اور اس کی محبت اور تعظیم عین اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعظیم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کسی ولی کامل کے مزار کو یا اس کے غلاف کو بوسہ دینا جائز ہے۔ حجرِ اسود جو کہ ایک پتھر ہے اسے تعظیماً بوسہ دینا لازم اور واجب گردانا گیا ہے۔ قرآن مجید، خانہ کعبہ کے غلاف کو دیگر متبرک اشیا کو تعظیماً بوسہ دینا کارِ خیر و ثواب ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ماں، باپ، استاد، مرشد اور کسی ولی یا نبی کی قبر کو یا اس کے غلاف کو بوسہ دینا جائز نہ ہو۔ کیوں کہ ان بزرگواروں کی تعظیم لوجہ اللہ کی جاتی ہے۔ اس لیے یہ شعائر اللہ میں شامل ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ o (الحج ۲۲: ۳۲)۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ بات قلوب کے تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ لیکن سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو جائز نہیں ہے۔ لیکن دعوت القبور میں تو کسی بزرگ یا ولی کی قبر کے پاس محض قرآن پڑھا جاتا ہے۔ وہاں اس قسم کی بدعات کا شائبہ اور دخل نہیں ہوتا۔ سو دعوت القبور ایک خاص قرآنی عمل ہے جس کے ذریعے روحانی حاضر ہو کر دعوت پڑھنے والے کے باطن میں امداد اور اعانت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور یہ دعوت صرف عامل کامل شخص پڑھ سکتا ہے۔ اس میں بوسہ، تعظیم و تکریم اور سجدہ وغیرہ میں سے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ اور نہ اس قسم کا کوئی سوال ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور جو مُلحد کور چشم یہ خیال کرتے ہیں

کہ انسان جب مر جاتا ہے عدمِ محض ہو جاتا ہے اور اس کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے ہمارا روئے سخن ایسے دہری مزاج ملحدوں سے ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ نظریہ اب تمام اہلِ علم منصف مزاج، سلیم العقل، اہلِ سلف اور اہلِ خلف محققین کے نزدیک مسلّم ہے کہ موت کے بعد روح زندہ رہتی ہے اور اسی دنیا میں ارواح ہمارے پاس گاہے گاہے آتی ہیں۔ یورپ کے سپرچولسٹس (SPIRITUALISTS) یعنی ماہرینِ علم روحانیات نے اپنے تجربوں اور مشاہدوں سے اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ موت کے بعد ارواح زندہ رہتی ہیں۔ اس دنیا میں آ کر زندہ لوگوں سے ملاقات اور بات چیت کرتی ہیں اور زندہ لوگوں کی امداد اور حمایت کرتی ہیں۔ جس کا مفصل ذکر ہم ''عرفان'' کے پہلے حصے میں کر آئے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں نے اس بات کا بھی پتہ لگا لیا ہے کہ موت کے بعد جانوروں اور حیوانات کی ارواح بھی زندہ رہتی ہیں اور اس بات کے ثبوت میں بہت تجربے اور مشاہدے بیان کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک انگریز لکھتا ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے شہر سے چالیس میل دور اپنے ایک خویش کے گھر کسی ضروری کام کے لیے جا کر ٹھہر گیا۔ ایک روز شام کے وقت ایک خویش کے گھر میں کسی کام کے لیے جھکا تو میں نے دیکھا کہ میرا کتا جسے میں گھر چھوڑ آیا تھا حسبِ معمول میری پیٹھ پیچھے کندھوں پر چڑھ آیا ہے۔ میں نے جب اسے پیچھے سے ہاتھ ڈالا تو میرا ہاتھ خالی چلا گیا۔ کیوں کہ وہ میرا اصلی مادی کتا نہیں تھا بلکہ اس کا وہ لطیف روحانی وجود تھا جو اس وقت غائب ہو گیا۔ میں اس بات سے بہت حیران اور متعجب ہوا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اپنے گھر کو ٹیلیفون کیا کہ میرے کتے کیا حال ہے۔ وہاں سے جواب ملا کہ کتا شام کے وقت جب کہ برف پڑ رہی تھی باہر نکل گیا اور برف میں دب کر ہلاک ہو گیا۔ یہ ٹھیک وہی وقت تھا جب کہ میرے کتے کی روح حسبِ معمول پیار کے سبب میرے کندھوں پر چڑھ آئی تھی۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ جانوروں کی ارواح بھی موت کے بعد زندہ رہتی ہیں۔ یورپ میں جانوروں کی ہمدردی اور انہیں ذبح نہ کرنے کی تحریک بڑے زوروں پر ہے۔ اور اب وہاں بہت سے لوگوں نے گوشت خوری کو ترک کر دیا ہے اور سبزی خور بن رہے ہیں۔ یعنی نباتات پر گذارہ کر رہے ہیں۔ جس وقت حال یہ ہے کہ حیوانوں،

جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں تک کی ارواح موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں اور انسانوں کو آ ملتی ہیں تو بھلا انسان اشرف المخلوقات کی روح موت کے بعد کیوں نہ زندہ ہو۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ اولیا اور انبیا کی قبروں پر جانے سے کیا فائدہ۔ وہ تو مٹی ہو گئے ہیں۔ ان مٹی کے ڈھیروں میں کیا پڑا ہے۔

لہٰذا ارواح حقیقی لطیف صورت میں دنیا میں آنے سے پہلے بھی ازل میں موجود ہوتی ہیں اور اپنے اپنے وقت پر دنیا میں آ کر عنصری جسم کا کثیف لباس اختیار کر لیتی ہیں اور جس وقت وہ دنیا میں اپنا مقررہ وقت گذار کر راہیٔ دارِ عقبےٰ ہو جاتی ہیں تو وہ اس کثیف لباسِ عنصری کو اتار کر ایک لطیف باطنی جثّے کے ساتھ مقامِ برزخ میں داخل ہو جاتی ہیں اور وہاں زندہ رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے لطیف جثّے کے ساتھ ہماری اس دارِ دنیا میں آتی ہیں۔ اپنے خویش واقارب اور دوستوں، محبوں کی ہر ممکن امداد کرتی ہیں۔ اور جس قدر روح زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور ہوتی ہے اسی قدر زیادہ امداد اور فائدہ پہنچاتی ہے۔ اور اگر چاہیں تو اپنے اور اپنے خویشوں اور محبوں کے دشمنوں اور بدخواہوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ دنیا میں جب کبھی کسی شخص کو کوئی سخت، جانکاہ اور صعب واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ان کے متوفی ماں باپ اور بزرگ مقامِ برزخ کے اندر سخت پریشانی اور بے قراری محسوس کرتے ہیں اور ان کی ہر قسم کی امداد کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ اس فقیر کو بعض روحانیوں نے اپنے بچوں اور خویشوں کے لیے دعا کرنے کی استدعا کی ہے۔ بعض روحانی جب مرض الموت کی غشی اور بے ہوشی میں دنیا سے گذر جاتے ہیں جسے سکرات الموت کہتے ہیں تو ان کا ایک جثہ ہوش سنبھالنے کے بعد دارِ دنیا میں داخل ہوتا ہے اور اپنے گھر میں خویش واقارب کو روتے دھوتے دیکھتا ہے اور انہیں کسی کی تجہیز وتکفین میں مشغول پاتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ ہمارے گھر میں کوئی آدمی مر گیا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی لاش کو تختے پر غسل کے وقت یا چارپائی پر دیکھتا ہے تو وہ معلوم کرتا ہے کہ میں مر گیا ہوں۔ نیک، صالح، مومن، متقی آدمی کو موت کے وقت عزرائیل ایسی محبوب اور مرغوب صورت میں دوچار ہوتا ہے کہ متوفی اس کے نظارے میں محو ہو جاتا ہے۔ اور عزرائیل بہت آرام اور آسانی سے اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔ بعض کو اپنے خویشوں اور دوستوں کی دنیا سے گذری ہوئی روحیں آ ملتی ہیں اور

انہیں ایمان کی مبارک اور نجات پانے کی بشارت دیتی ہیں۔ اور وہ روحیں عمدہ بہشتی پوشاک پہنے اس ایمان دار کے لیے جشن مناتی ہیں اور خوشی کے گیت گاتی ہیں۔ اس وقت فرشتے اس مبارک روح کو بہشتی حلے اور جنت کے معطر اور معنبر لباس پہنا کر مقامِ علیین میں بڑے تزک اور احتشام سے لے جاتے ہیں اور اسے بہشت کا ٹھکانہ دکھاتے ہیں۔ بعدۂ اسے برزخ کے اندر قبر میں لایا جاتا ہے اور اسے سوال و جواب کے لیے بیدار کیا جاتا ہے۔ اور جب وہ تمام سوالوں کا جواب دے چکتا ہے اور اپنے امتحان میں پاس اور کامیاب ہو جاتا ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں: یَاعَبْدَ الصَّالِحِ نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ جَزَاکَ اللّٰهُ فِیْ الدَّارَیْنِ خَیْرًا۔ یعنی ''اے نیک بندے! اب تو دلہن کی سی خوشگوار نیند سوجا۔ اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہان میں جزائے خیر عطا کرے۔'' اس وقت اس پر ایک گونہ برزخی نیند طاری کی جاتی ہے۔ اور نیند کی حالت میں اس کی روح اپنے بہشت کے مرغزاروں میں طیر سیر کرتی اور لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور بیداری کی حالت میں وہ اپنی قبر، جسد اور مقامِ دنیا کی طرف عود کر آتی ہے۔ اور اپنے زائرین سے ثواب، خیرات و فاتحہ حاصل کرتی ہے اور ان کی امداد کرتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے روز روح کو قبر کے اندر بیداری حاصل ہوتی ہے اور وہ وقت جمعہ کی رات سے لے کر نمازِ جمعہ تک ہے۔ اس وقت ارواح قبر میں بیدار ہوتی ہیں۔ اور جس وقت کوئی منافق، مشرک اور فاسق بدکار آدمی دنیا سے گذرتا ہے تو اس کی روح کو عزرائیل علیہ السلام بڑی ڈراؤنی اور خوفناک صورت میں قبض کرتا ہے۔ جب وہ شقی اور بدبخت روح اپنے جسد سے باہر آتی ہے تو اس پر ہر طرف سے لعنت اور پھٹکار پڑتی ہے۔ اور قہر اور غضب کے فرشتے اسے دوزخی، آتشیں اور بدبودار کپڑے پہنا کر مقامِ سجین کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اسے اپنے جہنم کا مقام دکھادیا جاتا ہے۔ اور اسے واپس برزخ کے اندر قبر میں لایا جاتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے: مَنْ رَّبُّکَ وَمَا دِیْنُکَ وَمَنْ نَّبِیُّکَ۔ یعنی تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے۔ وہ اس وقت کوئی جواب نہیں دے سکتا ہے تو فرشتے اسے خطاب پر عتاب سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور اسے طرح طرح کا عذاب دے کر قبر میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اسے ایک گونہ غنودگی اور نیند لاحق ہوتی ہے۔ نیند کی حالت میں اس کی طرف اس کے اپنے

دوزخ کا روزن کھل جاتا ہے اور وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہوتا ہے اور قیامت تک اسی حالت میں رہتا ہے۔ ان جہنمی اور معذب روحوں پر ایک ایک لمحہ ایک ایک سال طویل، گراں اور کٹھن گذرتا ہے۔ اور انہیں یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ روزِ ازل سے اس عذاب، مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اور ابدالآباد تک اس میں مبتلا اور گرفتار رہیں گی۔ اس کے برعکس بہشتی اور پاک ارواح پر ہزار ہا سال کا عرصہ ایک لمحے کی طرح سہل، آسان اور خوشگوار گذرتا ہے۔ اور انہیں اسی طرح معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے کبھی کوئی تکلیف، عذاب اور مصیبت دیکھی ہی نہیں۔ اور وہ ہمیشہ اس طرح آرام وراحت، لطف ومسرت اور فرحت وانبساط میں زندگی بسر کرتی رہیں گی۔

اسی طرح تمام ارواح اپنے اعمال، افعال اور ایمان کے مطابق مختلف مقامات، درجاتِ آرام وراحت اور عذاب وتکلیف سے دوچار ہوتی ہیں۔ ہر روح کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوتا ہے۔ اور ظاہری دنیا کے انسانوں کے ساتھ ان کے تعلقات، روابط اور قوتِ کارکردگی مین بھی ان کی استعداد کے مطابق بڑا فرق ہوتا ہے۔ بعض روحیں بہت آزاد ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ بآسانی رابطہ اور تعلق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض روحیں اس سلسلے میں بہت مقید اور پابند واقع ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ تعلقات اور روابط پیدا کرنا بہت دشوار، مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔

اب ہم مصر کے تین چار ہزار سال کے مرے ہوئے اہلِ قبور روحانیوں کے نہایت عجیب وغریب حیرت انگیز کارناموں کے حالات بیان کرتے ہیں جن کی قبریں حال ہی میں کھودی گئی ہیں۔ اور جس وقت یورپ کے ماہرین طبقات الارض اور محققین وسائنس دانوں نے مصر میں تین چار ہزار سال کے متوفی فراعنۂ مصر اور دیگر اس زمانے کے مذہبی پیشواؤں کے تحت الارض خانقاہوں اور قبروں کو کھودا ہے اور ان کی پرانی مستعمل اشیا ان کی ہڈیوں اور صحیح سلامت ممی جسموں کو اپنے عجائب گھروں میں رکھنے کے لیے نکالا ہے تو ان لوگوں نے ان تین چار ہزار سال کی مدفون لاشوں اور ان کی اشیا کے ساتھ اس قدر عجیب وغریب روحانی کمالات اور نہایت سنگین ومہیب خوارق عادات کو وابستہ اور مربوط پایا ہے کہ اس نے تمام اہلِ یورپ کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اور جن کے مقابلے میں سائنس کے موجودہ

کرشمے اور کارنامے بالکل ہیچ اور ماند نظر آتے ہیں۔ جس نے بڑے بڑے سائنس دانوں اور فلاسفروں کا ناطقہ بند کردیا ہے۔ نیز ان محققین کو ان پرانی قبروں کے اندر جس قدر پتھروں اور اینٹوں پر اس زمانے کی پرانی تحریریں اور کتبے ملے ہیں انہوں نے وہ کتبے تحریریں اپنے پرانی زبانوں کے ماہرین سے پڑھوا کر اور ترجمہ کرا کر انہیں کتابی شکلوں میں جمع کیا ہے۔ اور انہیں ''مردوں کی کتابیں'' یعنی BOOKS OF THE DEAD کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس فقیر نے ان تحریروں کا مطالعہ بھی کیا ہے اور اس کا بے شمار لٹریچر اس فقیر کی نظر سے گذرا ہے۔ یہاں یہ فقیر ان تین چار ہزار سال کے پرانے اہل قبور روحانیوں کے چند نہایت عجیب ومحیر العقول کارنامے بطور مشتے نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین کرتا ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج سلیم العقل انسان اہلِ قبور کے زبردست باطنی تصرف اور طاقت کا اندازہ آسانی سے لگا سکے گا۔

یورپ میں مسٹر کیرو (CHEIRO) حال ہی میں روحانی کمالات کے شعبۂ علمِ جوتش اور زائچہ بینی یعنی پامسٹری (PALMISTRY) میں بڑا ماہر ہو گذرا ہے۔ علم جوتش اور رمل میں یورپ کی تاریخ کے اندر اس کا ہم پلہ اور برابر کوئی کم شخص گذرا ہوگا۔ بیس سال تک متواتر یہ شخص اس علم کی تلاش میں ہندوستان، چین، ایران اور دیگر ممالک کے اندر گھومتا رہا ہے اور اس علم کے ماہرین سے استفادہ اور تعلیم حاصل کرتا رہا ہے۔ یہ شخص واقعی اس دور کا بڑا کامیاب جوتشی ہو گذرا ہے۔ لنڈن کے شہر میں بیس سال تک یہ شخص علم جوتش کی مشق اور پریکٹس کرتا رہا ہے۔ اس کے مکان پر روزانہ سینکڑوں بڑے بڑے آدمی اس کے پاس ہاتھ دکھانے، زائچہ بنوانے اور اپنے ماضی اور مستقبل کے حالات معلوم کرانے آیا کرتے تھے۔ اور اکثر کو یہ شخص ٹھیک ٹھیک حالات بتادیا کرتا تھا۔ مسٹر کیرو کے پاس ایک ایسی کامیاب کلیدِ علم جوتش تھی کہ جس شخص کے نام کا یہ شخص زائچہ بناتا تھا تو اس زائچے کے اندر اس شخص کے ماضی اور مستقبل کے حالات اور واقعات اس طرح رونما ہوتے تھے جس طرح سینما کے پردۂ سیمیں پر متحرک تصویریں کام کرتی اور بولتی نظر آتی ہیں۔ علاوہ علمِ جوتش کے علم روشن ضمیری کا اچھا خاصا میوزیم تھا۔ اور یورپ کی بڑی بڑی نامور ہستیوں نے مسٹر کیرو کے علمِ جوتش میں کمال کو آزمایا تھا۔ منجملہ ان کے اس نے ملکہ وکٹوریہ (VICTORIA) کی موت

کی پیشین گوئی بالکل صحیح طور پر کئی سال پہلے بیان کی تھی کہ فلاں سال کوئین وکٹوریہ دنیا سے
گذر جائے گی۔ اور یہ پیشین گوئی اخباروں میں بھی چھپ چکی تھی جو بعدہٗ بالکل صحیح اور
درست ثابت ہوئی تھی۔ دیگر ایڈورڈ ہفتم کے سالِ وفات کے ساتھ وہ مہینہ بھی بتا دیا تھا جس
میں اس نے گذرنا تھا۔ نیز زارِ روس کی تباہی اور بربادی کی پیش گوئی بھی مسٹر کیرو نے کی
حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی تھی۔ اٹلی کے بادشاہ کنگ ہمبرٹ کے قتل کی پیشین گوئی بھی اس
نے بالکل درست اور صحیح طور پر کی تھی۔ اور پیرس میں شاہ پر قاتلانہ حملے کا وقوعہ بھی اس نے بتا
دیا تھا۔ آخر میں اس نے سب سے بڑی مشہور پیشین گوئی لارڈ کچز کے حادثۂ قتل اور اس کی
صحیح کیفیت کی بابت کی تھی جو اس نے وقوعہ سے بائیس سال پہلے بیان کی تھی۔ جو بالکل
درست ثابت ہوئی اور برطانیہ کے جنگی دفتر میں مسٹر کیرو کی یہ پیشین گوئی مفصلہ ذیل
عبارت میں آج تک درج ہے:

"لارڈ کچز اپنی عمر کے چھیاسٹھویں سال میں اس جہان سے گذر جائے
گا۔ اس کا انجام ایسا ہرگز نہ ہوگا جیسا کہ عام سپاہی کی موت میدانِ جنگ
میں واقع ہوا کرتی ہے۔ بلکہ اس کی موت پانی میں ہوگی۔ اغلباً ایک طوفان یا کسی
سمندری حادثے کے اندر اور ساتھ ہی دشمن کے ہاتھوں گرفتاری کا عمل بھی واقع
ہوگا۔ جس سے بچ کر جانبر نہ ہو سکے گا۔"

جس وقت مسٹر کیرو نے لارڈ کچز کی بابت یہ پیشن گوئی کی تھی اس وقت لارڈ کچز فوج
میں کرنل تھا۔ اور اسی سال یعنی ۱۸۹۴ء میں اس نے مسٹر کیرو کو اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی
یادداشت اور رسید اس بارے میں دی تھی جو آج تک انگلستان کے بڑے بڑے اور نامی
گرامی سینما گھروں میں بطور ایک عجوبۂ روزگار چیز دکھائی جاتی ہے۔ جس پر تصدیق کے طور
پر برطانیہ کے جنگی دفتر کی مہر ثبت ہے۔

اسی مسٹر کیرو کی ایک معتبر کتاب بنام "سچے روحانی واقعات/True ghost stories"
سے مصر کے اہلِ قبور و روحانیوں کے دو واقعات بطور شہادت پیش کیے جاتے ہیں۔ اصل
کتاب تو انگریزی میں ہے۔ اس فقیر نے ناظرین کی آسانی کے لیے اس کا اردو ترجمہ کیا
ہے۔

مسٹر کیرو لکھتا ہے کہ میں ایک دن سہ پہر کو اپنے کمرے کے اندر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک
شخص مسٹر ہنڈری نامی نیویارک کا بڑا مالدار اور متمول تاجر مجھے ملنے آیا اور علمِ روحانیت کے
بڑے ماہر میرے دوست مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ کا سفارشی خط دے کر یوں گویا ہوا کہ میں نے
اپنی آخری عمر میں شادی کر لی۔ اور چونکہ مجھے فطرتاً پرانے زمانے کے حالات اور واقعات
معلوم کرنے کا شغف اور شوق ابتدا ہی سے لاحق تھا اس لیے پرانی قبروں کی کھدائی اور قدیم
زمانے کے عجائبات اور ممیوں کے نکالنے کے خیال سے میں مصر چلا گیا۔ اور وہاں سے ایک
مسلسل غیر مختتم اور لازوال مصیبتوں کا سلسلہ گلے کا ہار بنا کر لایا ہوں جس سے جانبر ہو کر بچ
نکلنا میرے لیے تقریباً محال ہو گیا ہے۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک کپڑے میں
لپٹی ہوئی چیز میرے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا کہ اسے دیکھیے یہ کیا چیز ہے۔ میں نے
اسے کھول کر دیکھا تو میں اسے فوراً پہچان گیا کہ وہ ایک پتھر کا پرانا بت تھا جو مصر کی پرانی
قبروں سے عموماً برآمد ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ مصر میں ان اشیا سے مجھے بڑا واسطہ اور تعلق رہا
ہے۔ میں نے جب اسے غور سے ٹٹولا اور گہری نظر سے دیکھا تو میں اس کی تہہ کو پہنچ گیا۔
میں نے اسے کہا کہ یہ چمگادڑ کا سنگین سفید بت اغلباً کسی فراعنۂ مصر کی ممی لاش پر سے اٹھایا
گیا ہے۔ اور اغلباً یہ بت شاہ چیاپ نامی فرعونِ مصر کی کسی ممی لاش کے کفن کے آخری بند پر
بطور مہر رکھا ہوا ہوگا۔ کیوں کہ یہ بادشاہ فراعنۂ مصر کی چوتھی پشت میں ہوا ہے اور چونکہ عموماً
دن کو نظر نہیں آتا تھا اور رات کو نکلا کرتا تھا اس لیے اس زمانے کے لوگ اسے سفید چمگادڑ
کے نام سے پکارتے اور یاد کرتے تھے۔ مسٹر ہنڈری میری اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور
اس نے مجھ سے پوچھا کہ مسٹر کیرو! خدا کے لیے مجھے یہ بات بتائیے کہ کیا مردے بھی
زندوں سے بدلہ لے سکتے ہیں اور اس دنیا میں آ کر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے کہا
ہاں! بعض حالات کے تحت مردوں کی ارواح یہاں دنیا میں بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ اس نے
ذرا اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا کہ کیرو! میں اس چیز یعنی سفید چمگادڑ کی بدعا، لعنت یا
آسیب (جو کچھ بھی کہو) کے نیچے بری طرح دبا ہوا ہوں۔ اس نے مجھ سے میری دنیا میں
سب سے عزیز اور پیاری بیوی چھین لی ہے۔ میرے ایک جانی اور وفادار دوست کو خودکشی کا
مرتکب کرا کے ہلاک کر دیا ہے۔ میرے تمام دنیوی کاروبار کا ستیاناس کر دیا۔ اور اب وہ

میری اپنی عزیز جان کا لاگو بن کر اس کا خاتمہ کرنے کے درپے ہے۔ مسٹر کیرو! برائے خدا مجھے سچ سچ بتاؤ کہ مستقبل میں میرے لیے اور کیا کیا مصیبتیں پڑی ہوئی ہیں۔ جب اس نے یہ آخری فقرہ کہا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ماتھے سے خوف سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ مسٹر ہنڈری! مجھے اپنی اس مصیبت کی کچھ کیفیت سنائیے۔ شاید ممکن ہے میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔ پھر اس نے مجھے اپنی ایک ایسی عجیب اور دردناک داستان سنائی جسے سن کر میں حیران اور ششدر رہ گیا۔

اس نے کہا کہ ''پچھلے سال میں مصر کے دارالخلافے قاہرہ شہر کے شفرڈ ہوٹل میں مقیم تھا۔ جب کہ میں نے مصر کی ایک پرانی وادی میں جسے انگریز لوگ ویلی آف دی کنگز (VALLEY OF THE KINGS) کے نام سے پکارتے ہیں ایک نئی اور نامور کھدائی کی خبر سنی۔ جس کا کام ایک جرمن ماہر آثار قدیمہ کے اچانک بلاوجہ فوت ہو جانے کے سبب رک گیا تھا۔ مصری مزدور جو اس کام پر لگے تھے ان کے درمیان اس کھدائی کی بابت بڑا خوف اور عجیب ہراس چھایا ہوا تھا۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ اس مقبرے کا بیرونی تہہ خانہ جو ابھی کھودا گیا تھا کسی زبردست روح یا کسی خوفناک اور طاقتور بھوت کے زیر تصرف ہے جس نے جرمن افسر کو فوراً ہلاک کر دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے اندرونی اور اصلی تہہ خانہ کے اندر تو خدا جانے کیا بلا گھسی پڑی ہوگی جو ابھی تک نہیں کھودا گیا تھا۔ میں چونکہ ان باتوں میں بہت بے باک اور نڈر تھا میں نے کچھ افسروں کو رشوت وغیرہ دے کر کھدائی کا ٹھیکہ اپنے نام کرا لیا۔ سابق مزدور تو کسی قیمت اور اجرت کے عوض کام کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ میں نے نئے مزدور تلاش کر کے کام پر لگا لیے اور کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ پے در پے تین مزید تہہ خانے کھود کر خالی کیے گئے۔ آخری نوبت اس اصلی اور سب سے زیریں تہہ خانے کی پہنچی جہاں شاہی خانقاہ تھی جس میں اس زمانے کی شاہی لاش پڑی ہوئی تھی کیوں کہ اس دروازے پر چی آپس چہارم کی مہر لگی ہوئی تھی۔ تہہ خانہ کھولا گیا اور معمولی بجلی کی روشنی ساتھ لے کر میں اکیلا اس تہہ خانے کے اندر داخل ہو گیا کیونکہ مصری مزدوروں نے خوف کے مارے اندر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب میں بتی لے کر آگے بڑھا تو میری نظر سامنے دیوار کے ساتھ بادشاہ کے سنہری تابوت پر پڑی۔ میں نے تابوت کا تختہ اٹھایا۔

اور یوں تین چار ہزار سال کے خفیہ راز اور سربمہر قدیم طلسم کو توڑ کر خفیہ روحانی کو جگایا۔ یہ لاش اس زمانے کے کسی مذہبی اور روحانی پیشوا کی تھی جو کہ ابھی تک چار ہزار سال سے اپنی لمبی سفید ڈاڑھی تک صحیح سلامت پڑی ہوئی تھی۔ اور یہ خانقاہ چی آپس (CHEOPS) چہارم نے اس کے اعزاز میں بنوائی تھی۔ مسٹر ہنڈری اپنی داستان جاری رکھتے ہوئے اس وقت ایک خاص متاثر لہجے میں کہنے لگا کہ اس ممی کے سینے پر یہ سفید سنگین چمگادڑ کا بت پڑا ہوا تھا۔ جونہی میں نے کفن کے بند کھولنے کی غرض سے اس بت کو لاش پر سے اٹھایا تو ایک دم ایک زبردست خوفناک بادل میرے دل پر چھا گیا اور میں حواس باختہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ بجلی کی روشنی بھی بالکل مدھم اور آخری حد تک ماند پڑ گئی اور ایک سرد مہیب ہوا نے سائیں سائیں کرتے ہوئے تہہ خانے کو گھیر لیا۔ اور مجھے پرندوں کی طرح کچھ صورتیں ہوا میں پھڑ پھڑاتی اور میرا منہ نوچتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی مادی اور ظاہری چمگادڑ ہوں گے۔ لیکن میرے دل نے معاً اقرار کیا کہ مجھے کسی خوفناک بلا نے پکڑ لیا ہے۔ اور صرف یہ بت ہاتھ میں لیے ہوئے اس تہہ خانے سے جلدی نکل آیا کہ شاید باہر جا کر کچھ اطمینان کا سانس لے سکوں۔ لیکن جب باہر آ کر میں نے اپنے حواس سنبھالے اور دوبارہ اندر جانے اور کام کو تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کیا تو میرے تمام جسمانی حواس و قویٰ اور قلبی ہمت و جرأت نے جواب دے دیا۔ میں نے باقی کام کو کل پر ملتوی کر کے مزدوروں کو رخصت کر دیا۔ اور خود ہوٹل یعنی اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ میری بیوی مجھے بہت اداس اور مرجھائے ہوئے چہرے سے ملی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ میرے اس قسم کے پرانے مقبروں کی کھدائی کے کام کی سخت مخالف تھی۔ چنانچہ پچھلے پہر اس کے دل پر بے وجہ سخت ہراس اور خوف چھا گیا جس کا اظہار اس نے مجھ سے کر دیا۔ اور مجھ سے وعدہ لے لیا کہ پھر کبھی اس کام کے نزدیک نہیں جاؤں گا۔ میں اپنا دل بہلانے اور غم غلط کرنے کی خاطر دریائے نیل کے کنارے مقام لکسر پر نقل مکانی اور فروکش ہونے کے ارادے سے چلا گیا اور وہاں اپنا خیمہ اور کیمپ لگا دیا اور میری طبیعت وہاں ذرا سکون اور اطمینان پر آ گئی۔ وہ چمگادڑ کا بت میں نے اپنے سامان میں چھپا کر رکھ دیا اور کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ اس کے بعد دھیمی آواز سے اور آنکھوں سے آنسو بھر کر مسٹر ہنڈری نے اپنے غم کی داستان جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ ایک رات

ایک غیر معمولی مہیب اور بھیانک آواز سے میں چونک پڑا اور ایک سفید چمگادڑ کو اپنے خیمے کے اندر چکر لگاتے ہوئے اور نہایت خوفناک لہجے میں مَیں نے چیختے چلاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اٹھ کر اسے تو باہر نکال دیا اور خود سو گیا۔ لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس تہہ خانے کے اندر بند کھڑا ہوں اور میرے دل پر ایک ناقابلِ قیاس خوف اور ہراس چھایا ہوا ہے جس سے میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک غیبی طاقت مجھے دبا کر موت کی طرف دھکیل رہی ہے۔ میری بیوی بھی ایک نامعلوم غیبی گرفت میں جکڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جس کے اظہار سے وہ کتراتی تھی۔ آخر ایک رات وہ صحیح سلامت سوئی اور صبح کو اپنے بستر کے اندر مُردہ پائی گئی۔ ڈاکٹروں نے صرف یہ نتیجہ نکالا کہ اس کی موت کسی صدمہ کے سبب دل کے فیل ہو جانے سے واقع ہوئی۔ اس کے بعد تباہی پر تباہی مجھ پر نازل ہونی شروع ہوئی۔ میرا کاروبار بند ہو گیا۔ میرے ایک نہایت معتمد دوست نے میری چالیس ہزار ڈالر کی رقم نیویارک میں خورد برد کر کے خودکشی اختیار کر لی۔ بعدۂ میرا باپ بیمار ہو کر اچانک مر گیا۔ اور میں اکیلا بے یار و مددگار اس خوفناک غیبی دشمن ''سفید چمگادڑ'' کا شکار اور اس کے دن رات کے حملوں میں بری طرح گرفتار اور زندگی سے بیزار آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ آخر میں اس نے چلاّ کر کہا کہ کیرو! کیا یہ میرا وہم اور پاگل پن تو نہیں ہے۔ اس سے پہلے جب میں اکثر لوگوں سے سنا کرتا تھا کہ جو لوگ مصر کی پرانی قبروں کے اکھیڑنے کا کام کرتے ہیں ان پر کوئی غیبی آفت اچانک نازل ہو جاتی ہے میں عموماً ایسی باتوں پر ہنس دیا کرتا تھا۔ لیکن اب ۔۔۔۔۔۔ یہاں پر وہ رک کر کانپ گیا اور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر وہ عجیب فکر میں ڈوبا رہا۔ بعدۂ ذرا سنبھل کر بولا کہ اکثر راتیں وہ سفید چمگادڑ خواب میں وہ میرے سینے پر سوار ہو جاتا ہے اور میرا گلا گھونٹ کر مجھے موت اور ہلاکت کے دروازے تک پہنچا کر مزید مصائب اور آلام پہنچانے کے لیے واپس زندہ چھوڑ دیتا ہے۔ میرے لیے سونا ایک خوفناک موت کا سامنا بنا ہوا ہے۔ اور خدا جانے میرا چھٹکارا اس خطرناک زندگی سے کب ہوگا۔ میں نے اس سے اس کی تاریخ پیدائش دریافت کی اور اس کا ہاتھ دیکھ کر اس کا زائچہ بنایا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کی موت کا خوفناک انجام اس کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ لیکن میں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس مصیبت زدہ بدنصیب آدمی کو اس خوفناک انجام کا

حال بتا کر اس کے مصائب و آلام میں مزید اضافہ نہ کروں۔ میں نے اسے جھوٹی مصنوعی تسلیاں دے کر خوش اور مطمئن کر لیا۔ بعدۂ اس نے رخصت ہونے سے پہلے مجھے کہا کہ مسٹر کیرو! کیا تم میرے ساتھ ایک مہربانی کر سکو گے۔ میں نے ایک ضروری کام پر جانا ہے اور کیا تم چند روز کے لیے یہ چیز یعنی سفید چمگادڑ کا بت اپنی تحویل میں رکھ سکو گے۔ اس نے وہ بت میرے ہاتھ پر رکھا اور جونہی میرا ہاتھ اسے لگا ایک خوفناک غیبی بجلی میرے وجود میں گھس آئی۔ اور گو اپنے پیشہ کی حیثیت سے میں ایسی چیزوں کے حصول میں حریص تھا لیکن اس چیز نے میرے حرص کو خوف میں تبدیل کر دیا۔ میرے مہمان نے تیز نظر سے میرے چہرے کو دیکھ کر کہا کہ مسٹر کیرو! میں امید کرتا ہوں کہ تم اس چیز سے خوف نہیں کھاؤ گے۔ میں نے خودداری اور ظاہرداری کے طور پر اسے جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ گو میں دل سے اسے رکھنے پر رضامند نہیں تھا۔ لیکن میں نے اسے کہا کہ آپ کے آنے تک میں اسے اپنے پاس رکھوں گا۔ جس وقت آپ اپنے کام سے واپس آ جائیں آپ واپس اسے سنبھال لیویں۔ غرض مسٹر ہنڈری مجھ سے رخصت ہو گیا اور وہ بت میرے پاس چھوڑ گیا۔ میں نے اسے اپنی چارپائی کے نزدیک میز پر رکھ چھوڑا۔ رات کو میں سویا تو مجھے نیند جلدی آ گئی۔ لیکن مجھے معاً عجیب اور خوفناک اور مہیب خواب آنے شروع ہو گئے۔ میں نے اپنے آپ کو پہلے بڑے کمرے میں دیکھا جس میں ہر طرف چبوتروں پر سنگین بت نصب تھے۔ اس کے بعد میں ایک دوسرے کے نیچے تہہ در تہہ تہہ خانوں سے گذرتا ہوا آخر میں ایک سب سے نیچے تہہ خانے میں داخل ہوا، جو لحظہ بہ لحظہ چھوٹا ہوتا گیا جس سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ آخر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں گویا زندہ درگور ہو گیا ہوں۔ آخر ایک سخت چیخ کے ساتھ بیدار ہو گیا۔ اس وقت میرا جسم پسینے سے شرابور تھا اور میرے دل پر ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ گویا کوئی خوفناک آفت میرا گلا گھونٹ رہی ہے۔ اس کے بعد جب میں نے ہوش سنبھالے اور میں نے اپنے روشن دانوں کی طرف دیکھا جو اس وقت کھلے چھوڑ دیئے گئے تھے تو میں خوف اور دہشت سے کپکپا اٹھا۔ کیونکہ روشن دان کے دریچے پر مجھے ایک بڑا سفید چمگادڑ بیٹھا ہوا نظر آیا جو اپنی تیز اور چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اور ایک خوفناک درندے کی طرح اس کے کان کھڑے تھے۔ گویا ابھی حملہ کرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ چلا گیا اور میں اپنے بستر سے باہر کود

پڑا۔ باہر کی کھڑکی سے میں نے اسے دیکھا کہ قریب کے درختوں کے سروں پر چاندنی رات میں تیز تیز چکر لگا رہا ہے۔ صبح کو میرا گلا متورم اور سوجا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو بلایا۔ وہ حیران ہو گیا اور اس نے کسی زہریلے کیڑے سے کاٹے جانے کی وجہ بتائی۔ میں خاموش ہو گیا۔ مسٹر ہنڈری کے واپس لنڈن آنے پر اس نے اپنا بت طلب کیا۔ میں نے اسے واپس کرنے میں بڑی خوشی محسوس کی اور اطمینان کا سانس لیا۔ جاتے وقت اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس بت کے متعلق آپ نے کوئی انوکھا معاملہ تو نہیں دیکھا۔ میں نے خاموشی اختیار کی اور اسے صلاح دی کہ اس بت کو جہاں سے اٹھالائے ہو اسے واپس وہاں رکھ دو۔ وہ عجیب حیرت میں مجھے دیکھنے لگا اور مجھ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گذر گیا اور اس چمگادڑ کے بت کا معاملہ میری یاد سے اتر گیا تھا جب کہ ایک دن اچانک میں اخبار ''نیویارک ہیرلڈ'' کا پرچہ پڑھ رہا تھا کہ میری نظر اخبار کے ایک مضمون پر گڑ گئی جس کی سرخی تھی ''ایک امریکن مسافر کی پراسرار موت''۔ نیچے کی تفصیل میں لکھا ہوا تھا کہ مسٹر ہنڈری، رولافٹ کے ہوٹل میں رات کو اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ متصل کے کمرے میں ایک مسافر نے اس کی ایک لمبی خوفناک چیخ سنی تھی۔ لیکن دوبارہ کچھ نہ سن کر وہ سو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے رائے دی کہ اس کی موت کسی نہ معلوم وجہ سے دل کی حرکت بند ہونے سے واقع ہوئی ہے۔ مادی عقل اس قسم کے واقعات پر ضرور ہنسے گی کہ ہزار ہا سال کی مردہ روحیں کیونکر اس دنیا میں واپس آ کر زندوں کو ہلاک کر سکتی ہیں یا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو اس قسم کے غیبی واقعات سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کی حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ روحیں زندوں سے بدرجہا زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ اور اگر چاہے ایک طاقتور روحانی ہزار ہا زندہ نفسانی لوگوں کو ایک دم میں ہلاک اور فنا کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح ایک دم میں اگر چاہے بے شمار فوائد پہنچا سکتا ہے۔ اور اپنے فیوضات اور برکات سے مالا مال کر سکتا ہے۔ مذکورہ بالا حکایات میں تین چار ہزار سال کے ایک متوفی مذہبی اور روحانی پیشوا کی روح نے اپنی غیبی طاقت سے اپنی قبر پر سے ایک پتھر کی مورتی اٹھائے جانے پر مسٹر ہنڈری اور اس کے متعلقین کتنے زندہ لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ نفسانی غافل لوگ اس قسم کی حکایتوں کو جھوٹا اور فرضی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اہلِ بصیرت زندہ دل عارف لوگوں نے جب اس قسم کے واقعات اور

حالات کو ہوش و حواس اور بیداری کی حالت میں بے شمار دفعہ دیکھا بھالا اور معائنہ کیا ہو تو وہ مردہ دل نفسانی کور چشم لوگوں کے نفسانی شبہات اور باطل اعتراضات کو کب خاطر میں لاتے ہیں اور اپنی آنکھوں، کانوں اور دل کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں۔

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقلِ جہول   ہنوز در پئے اندیشہائے خویستن است

(حافظ)

اسی قسم کا ایک اور واقعہ مسٹر کیرو نے اپنے کتاب میں درج کیا ہے جو سابقہ واقعہ سے بھی زیادہ عجیب اور خوفناک ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہاں درج کرتے ہیں۔ مسٹر کیرو لکھتے ہیں کہ ایک روز سہ پہر کو مسٹر ڈوگلا زمرے (DOGLESMIARAY) میری ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ہنستے ہوئے میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کو میرے سامنے کی میز پر رکھ کر بولا کہ آپ ان میں سے میرا کون سا ہاتھ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جونہی میں نے اپنے ملاقاتی کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو خوف اور دہشت کا بے قیاس اثر میرے دل پر وارد ہوا۔ میں نے فوراً اس کا ہاتھ جلدی سے میز پر ڈال دیا۔ میرے ملاقاتی نے ہنس کر کہا کہ میرے اس ہاتھ میں کیا خرابی ہے کہ آپ نے اسے ایسے جلدی اور بری طرح ڈال دیا۔ مسٹر ڈوگلا زمرے ایک نوجوان متمول آدمی تھا اور فی الحال بیکار عیش و عشرت کے دن گذارتا تھا۔ مسٹر کیرو ایک کامیاب جوتشی تھا۔ وہ ایک تو کسی شخص کے نام اور اس کی تاریخ پیدائش وغیرہ سے سائل کا زائچہ بنا کر اور نیز اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اس کے ماضی اور مستقبل کے کچھ حالات اور واقعات معلوم کر لیا کرتا تھا۔ دوم وہ کلیر وائینٹ میڈیم یعنی وہ کسی قدر روشن ضمیر میڈیم تھا کہ اس پر گاہے گاہے کوئی روح مسلط ہو جایا کرتی جس کے اثر اور تسلط سے سائل کے آئندہ کے واقعات اور خیالات کے فوٹو اور نقشے اس کے سامنے نمودار ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی یہی ہوا کہ اس کے آئندہ کے واقعات اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر نمودار ہونے لگے۔ مسٹر کیرو لکھتا ہے کہ جب اس طرح کی روحانی طاقت مجھ پر مستولی اور مسلط ہو جایا کرتی ہے تو سائل کے ہاتھ پر اس کے مستقبل کے حالات اور واقعات کی فلم اور فوٹو ظاہر ہونے لگ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی میری زبان پر بے ساختہ ان آئندہ واقعات کا اجراء ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ میں بے اختیار

اسے یوں مخاطب ہوا: ''آپ کا یہ دایاں ہاتھ آئندہ آپ کا ہاتھ نہیں رہے گا۔ایک بندوق مجھے چلتی ہوئی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور اس کے بعد یہ ہاتھ مجھے کٹا ہوا نظر آ رہا ہے۔اس کے بعد ایک اور نظارہ سامنے آ رہا ہے۔یعنی ایک مستطیل نظر آ رہی ہے جس کے اوپر والے تختے پر ایک تصویر رکھی ہوئی ہے اور ساتھ ہی مجھے اپنے اندر ایک آواز آ رہی ہے کہ اسے مت چھوؤ۔اگر اسے چھوؤ گے تو تم پر اور ان لوگوں پر جو اسے چھیڑیں گے بڑی بھاری بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوں گی۔میرا ملاقاتی میری باتیں سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ ہر سمجھ دار آدمی ایسی باتوں پر ہنسے گا۔میں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ تمہارا ہاتھ مجھے بتاتا ہے کہ یہ کسی لاٹری میں انعامی نمبر حاصل کرے گا۔اور وہاں سے آپ پر پے در پے مصائب اور آلام کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور آپ کی ہلاکت اور موت پر ختم ہوگا۔میرے ملاقاتی نے ہنستے ہوئے کہا کہ مسٹر کیرو! کہ کیا ہی عجیب اور متضاد اور دور از قیاس باتیں آپ فرما رہے ہیں کہ ایک ہاتھ بیک وقت لاٹری میں انعامی ٹکٹ حاصل کر رہا ہے اور کٹ کر مصائب و آلام کا باعث بن جاتا ہے۔اگر آپ اپنے گاہکوں سے اس طرح کی دور از عقل باتیں کرتے رہے تو میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ آپ جلدی ایک لمبے تابوت میں ڈال دیئے جائیں گے جس کے اوپر پیتل کی پلیٹ پر آپ کا نام کندہ ہوگا۔

اس پر ہم دونوں خوب ہنسے لیکن جاتے وقت وہ اپنا نام اور ایڈریس بطور یادداشت مجھے دے گیا۔چند سال کے بعد مسٹر ڈوگلا زمرے میرے ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔اس کے دائیں ہاتھ کی آستین خالی تھی اور اوور کوٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔وہ زرد رو، نحیف و ضعیف اور خستہ حال معلوم ہوتا تھا۔اس نے مجھے بتایا کہ مسٹر کیرو! واقعی آپ نے میری نسبت جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔اس نے پھر اپنے غم کی داستان بیان کی کہ مسٹر کیرو! میں آپ سے رخصت ہو کر اپنے دو دوستوں کے ہمراہ محض تفریح اور شکار کے ارادے سے مصر چلا گیا۔جہاں ہم کبھی کبھار دریائے نیل کے کنارے بندوق سے شکار کیا کرتے تھے۔ایک روز میرا ایک ترجمان مجھے ایک پرانے مقبرے سے نکلی ہوئی ممی لاش دکھانے لے گیا جو ہزاروں سال سے ابھی تک صحیح وسلامت اور تروتازہ پڑی ہوئی تھی۔اس ممی کے تابوت کی تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایمن را (AIMENRA)

کی مشہور خانقاہ کی بڑی بھاری روحانی عورت کا تابوت ہے۔جس پر سونے اور بلور سے اس کی خوبصورت تصویر بنی ہوئی تھی۔اس نے کہا کہ گو میں جانتا تھا کہ اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا خطرناک ہے لیکن اس عجوبۂ روزگار چیز کی اہمیت اور خوبصورتی نے میرے آتشِ حرص و آز کو بھڑکا دیا اور میں نے اسے خرید کر ہوٹل بھجوا دیا۔میرے دوستوں نے جب اس عجیب چیز کو دیکھا تو انہوں نے بھی اس میں شرکت اور شمولیت کی خواہش اور آرزو ظاہر کی۔آخر سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کی تین دفعہ لاٹری ڈالی جائے جس کا نمبر دو دفعہ نکل آئے وہ اس کے لینے کا مستحق قرار پائے۔چنانچہ ہم نے اس کی لاٹری ڈالی اور میرا نمبر بجائے دو دفعہ کے تین دفعہ نکلا اور میں اس طرح شومئی قسمت سے اس کا مالک قرار پایا۔اور میں نے اسے اپنے نام کے پتہ لنڈن بھیج دیا۔اور ہم دوسرے روز دریائے نیل کے کنارے شکار کھیلنے چلے گئے۔اثنائے شکار میں بندوق اٹھائے ہوئے تھا۔میرے دائیں ہاتھ میں وہ خود بخود چل پڑی جس سے میری بانہہ کی ہڈی بہت بری طرح ٹوٹ گئی اور میں اس کے درد سے بے تاب ہو گیا۔ملاح کو کشتی واپس شہر قاہرہ لے جانے کا حکم دیا۔لیکن اتفاقاً مخالف سمت سے سخت ہوا چل پڑی جس نے بجائے آگے جانے کے کشتی کو پیچھے دھکیل دیا اور ہم دس روز کے بعد قاہرہ پہنچے۔اس وقت میرے ہاتھ کا زخم کافی متورم اور متعفن ہو گیا تھا۔ڈاکٹر بلائے گئے اور بہتیرے علاج کرائے گئے لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔آخر ڈاکٹروں کی رائے سے کہنی کے اوپر بازو کاٹ ڈالا گیا۔مصر سے واپسی پر میرے دونوں دوست اور رفیق جہاز کے اندر فوت ہو گئے اور ان کی لاشیں سمندر کی لہروں کے سپرد کر دی گئی۔اثنائے سفر میں ہمارے دو ٹرنک جن میں بڑے قیمتی بت اور دیگر نادر اور عجوبۂ روزگار پرانی اشیا اور تحفے تحائف تھے جو ہم نے مصر میں بڑی کوشش اور کثیر رقم سے خریدے اور حاصل کیے تھے ہر دو چوری ہو گئے۔اور باوجود سخت تلاش اور تفتیش اور لالچ انعام و اکرام ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔اور میں تباہ اور خستہ حال اور زار ونزار لنڈن پہنچا۔میں گھر آیا تو اس ممی کے تابوت کا پارسل بغیر کھولے میرے مکان میں پڑا ہوا تھا۔اس نے کہا کہ مسٹر کیرو! آپ بمشکل باور کریں گے کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جب کبھی میں اس روحانی خاتون کے تابوت پر اس کی بیرونی کندہ تصویر کو دیکھتا ہوں تو اس کی آنکھوں میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں اور

وہ مجھے سخت غصے اور نفرت سے گھورتی ہے۔ اور اس کی صورت ایسی ڈراؤنی اور ہیبت ناک ہو جاتی ہے کہ اس کے دیکھنے سے میرا خون خشک ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے لنڈن پہنچنے کے دوسرے دن ایک تعلیم یافتہ خاتون اس عجیب ممی کا ذکر سن کر میرے پاس ملاقات کے لیے آئی اور جب اس نے اس کے متعلق گذشتہ مختلف حادثات اور اموات کے قصے مسٹر ڈوگلاز مرے کی زبانی سنے تو وہ اس پر ہنسی اور کہا کہ مجھے ایسے واہمات پر مطلق یقین نہیں ہے اور مجھ پر ایسی چیزوں کا ہرگز کوئی اثر نہ ہوگا۔ غرض اس خاتون نے وہ ممی کیس مسٹر ڈوگلاز مرلے سے اپنے گھر لے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ اس ممی کا تابوت اس عورت کی تحویل میں دے دیا گیا اور جس روز وہ اس خاتون کے گھر داخل ہوا اسی روز سے مصیبتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ پہلے پہل اس کی ماں جب اسے خوش آمدید کہنے کے لیے بالا خانے سے نیچے اتر رہی تھی تو سیڑھیوں پر سے ایسی بری طرح گری کہ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اور کئی مہینوں کے درد اور تکلیف کے بعد بڑے عذاب سے مرگئی۔ دوم ایک آدمی جو اس خاتون سے منسوب تھا اور شادی کرنے والا تھا اس نے بلاوجہ اسے جواب دے دیا اور شادی سے انکار کر دیا۔ چند مہینوں کے اندر اس کے بہت قیمتی اور پیارے کتے جن میں سے چار انعام حاصل کر چکے تھے سب کے سب یکے بعد دیگرے دیوانے ہو گئے اور مار دیئے گئے۔ آخر میں وہ خود ایسے لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گئی کہ ڈاکٹر اس کی توجیہہ اور علاج سے عاجز آ گئے۔ آخر اس نے اپنے ایک قانونی مشیر کو ٹیلیفون کر کے بلایا کہ اس سے اپنا وصیت نامہ تیار کرائے۔ سب سے پہلے اس قانون پیشہ ہوشیار مشیر نے وہ خطرناک تابوت مسٹر ڈوگلاز مرے کو واپس بھیج دیا۔ مسٹر مذکور نے جس پر اس تابوت کے طفیل اتنی مصیبتیں نازل ہوئی تھیں آئندہ اسے اپنے آپ سے ہمیشہ کے لیے دور اور الگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ سو اس نے سوچا کہ اس کے لیے سب سے موزوں اور بہترین تجویز یہ ہے کہ اسے برٹش عجائب گھر کے شعبہ مصری عجائبات میں شامل کر دیا جائے۔ برٹش عجائب گھر کے جس ملازم اور کارکن کے ذریعے وہ تابوت عجائب گھر میں داخل ہونے کی تجویز ہوئی وہ چونکہ خود پہلے اس عجوبۂ روزگار چیز کے دیکھنے کا بہت مشتاق تھا۔ لہٰذا وہ اسے بجائے عجائب گھر پہلے دیکھنے کے لیے اپنے گھر لے گیا۔ چند روز کے بعد اس کے دوستوں سے معلوم ہوا

کہ ایک رات وہ اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ آخر برٹش عجائب خانہ والوں نے اس تابوت کو قبول کر کے اپنے عجائب گھر میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد برٹش عجائب گھر کے شعبہ مصری عجائبات میں اس تابوت سے عجیب وغریب غیر معمولی واقعات رونما ہونے لگے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ جو مصور، آرٹسٹ یا فوٹوگرافر اس تابوت کی تصویر کھینچنے وہاں جاتا تھا اسے ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا تھا۔ چنانچہ ایک آرٹسٹ کی نسبت مجھے خود معلوم ہے کہ اس نے چار دفعہ اس تابوت کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی اور چاروں دفعہ ناکام رہا۔ آخر چوتھی بار وہ تصویر کھینچ کر باہر لے جا رہا تھا کہ ایک گھوڑا اس پر چڑھ دوڑا۔ جس سے وہ تصویر بھی ٹوٹ گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو گیا۔ عجائب گھر کے افسروں نے اس تابوت کے متعلق اس قدر خطرناک حوادث کو دیکھ کر اسے عجائب گھر کے باہر کسی کوٹھڑی میں رکھ دیا۔ کچھ عرصہ اس تابوت کے متعلق لوگوں کے کانوں میں کوئی خبر نہ آئی۔ لیکن بعد میں سنا گیا کہ وہ تابوت برٹش عجائب گھر سے منتقل ہو کر امریکہ نیویارک کے عجائب گھر کے شعبۂ مصری میں شامل ہونے کے لیے ٹائی ٹینک جہاز (TITANIC) پر لے جا رہا تھا کہ اسے اسی سفر کے اندر اپریل ۱۹۱۲ء میں لرزہ فگن اور تباہی خیز حادثہ پیش آیا جس نے ہزاروں مسافروں کو لقمۂ اجل بنا دیا اور یوں وہ تابوت خود ہزار ہا انسانوں کی جانوں کو ہمراہ لے کر سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

یہ فرضی قصے اور جھوٹی مصنوعی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ سچے واقعات اور ٹھوس حقائق ہیں۔ مصر کے پرانے مقبروں اور قدیم ممی لاشوں کے متعلق اس قسم کے عجیب وغریب واقعات اور محیر العقول روحانی خوارق عادات کے حالات سے یورپین اقوام کی ہزارہا کتابیں اور رسالے بھرے پڑے ہیں۔ اور انگریزی اخباروں میں اس قسم کے غیر معمولی اور نادر واقعات کا ذکر وقتاً فوقتاً عام طور پر آتا رہتا ہے۔ چنانچہ انگریزی اخبار ڈیلی میل (DAILY MAIL) کے ۵ اگست ۱۹۳۷ء کا پرچہ ایک دفعہ اس فقیر کی نظر سے گذرا جس میں فرعون مصر مسمی ٹٹ انکھ امن (TUTANKHAMON) کے مقبرے کے متعلق ایک خبر درج تھی۔ جس کی نقل میں نے بطور یادداشت اپنے پاس رکھ لی تھی اور آج اسے ناظرین کے ازدیادِ یقین کے لیے یہاں درج کتاب کر رہا ہوں۔ چنانچہ مفصلہ ذیل بیان اخبار مذکورہ سے

حرف بحرف اردو میں ترجمہ کر کے نقل کر رہا ہوں۔ اخبار کی موٹی سرخی یہ تھی:

اس نے فرعون کی قبر کو چھوا

''ڈیلی میل کے اپنے نامہ نگار کی طرف سے بروز بدھوار''

''موت اس شخص کی طرف تیز پروں کے ساتھ اڑ کر آئے گی جو فرعون کی قبر کو چھوئے گا۔''

قدیم مصر کے آسیب کا خوف اور غیبی آزار کا ہراس پھر لوگوں کے درمیان پھیل گیا۔ جب کہ مسٹر ہربروٹ نلاک (HERBERTINLOCK) میٹرا پولی عجائب گھر کا افسر بے وجہ اچانک بیمار ہو گیا جب کہ وہ علاقہ لکسر (LOXUR) کے ویلی آف دی کنگز (VALLEY OF THE KINGS) میں فرعونِ مصر مسمّٰی ٹٹ انکھ امن (TUTANKHAMEN) کے مقبرے میں سے داخل ہو کر نکلا تھا جو کہ ۱۹۲۲ء میں کھودا گیا تھا۔ یہ مشہور آثارِ قدیمہ مصر کا ماہر مقبرے سے نکلتے ہی اچانک بیمار ہو گیا اور ڈاکٹر اس کے اس مرضِ موت کی نہ کوئی شناخت اور نہ کوئی توجیہہ کر سکتے تھے۔ مسٹر ونلاک (VINLOCK) مذکور ہمیشہ اس قسم کے باطنی آسیب اور روحانی آزار کی خبروں پر طنزاً ہنسا کرتا تھا۔ اس کے چار روز بعد اس کا ایک اور رفیق اور کارکن ڈاکٹر البرٹ لتھگو (ALBERT LYTHGOO) جو اسی مقبرے کے اندر اس کے ہمراہ داخل ہوا تھا اچانک مر گیا۔ اس کے بعد لارڈ کارنوال (LORD CORNWAL) جس نے اس مقبرے کو معلوم اور تلاش کیا تھا اس کی اچانک موت پر تو اس غیبی آسیب اور روحانی آزار کی صداقت کا سب کو پورا یقین اور اعتقاد ہو گیا۔ اس کے چند ماہ بعد لارڈ کارنوال کا بھائی آنریبل آبری ہربرٹ (OBREY HERBERT) ایک آپریشن کے دوران میں فوت ہو گیا۔ ایک اور شخص مسمّٰی لارڈ ویسٹ بری (WEST BURRYS) نے جس کے قبضے میں اس مقبرے سے نکلی ہوئی کچھ پرانی چیزیں تھیں لندن میں اپنے محل کے بالا خانے کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر جان دے دی۔ اور اسی طرح کچھ اور لوگ جن کا اس مقبرے سے نکلے ہوئے پرانے آثار سے تعلق تھا یکے بعد دیگرے بے وجہ ہلاک ہو گئے۔''

مذکورہ بالا باتیں تو یورپ کے مادہ پرست اور سائنس پروردہ دماغوں سے نکلے ہوئے بیانات ہیں اور ان اہلِ قبور روحانیوں کے چشم دید خوارق اور باطنی کمالات ہیں جن کو دنیا

سے رحلت اور کوچ کیے ہوئے ہزاروں سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے۔ ابھی تک ان مقبروں اور مزاروں کی مٹی کے ساتھ ایسی زبردست روحانی طاقتیں مربوط اور پیوستہ چلی آتی ہیں کہ جس نے یورپ کے من چلے اور نڈر محققین اور روحانیت کے منکر مادیین کے حوصلے پست کر دیئے ہیں اور ان سے اپنی روحانیت کا لوہا منوالیا ہے۔ ہمارا ایشیا تو روحانیت کا گہوارہ اور باطنی علوم کا گھر ہے اور اس قسم کے باطنی خوارق اور روحانی کمالات سے معمور ہے۔ اور اس قسم کے روحانی کرشمے اور باطنی کارنامے یہاں بہت عام ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس قسم کے عجیب وغریب غیر معمولی حالات کو قلمبند کرنے اور ان کا ریکارڈ رکھنے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ اور جہاں اور جس پر واقع ہوتے ہیں وہیں گم ہو کر نسیاً منسیاً ہو جاتے ہیں۔ اگر اہلِ قبور روحانیوں کے متعلق یہ فقیر محض اپنے چشم دید واقعات اور غیبی مشاہدات کو تحریر میں لائے تو اس کے لیے ایک الگ بھاری دفتر درکار ہو گا اور اس زمانے کے لوگ اسے مشکل سے باور کریں گے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بزرگوں اور اولیا کے مزاروں کے زیرِ سایہ لوگ تبرّکاً اور تیمناً اپنے عزیزوں اور خویش واقارب کو مرنے کے بعد دفن کر دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ان بزرگوں کے مزاروں کے پاس کچھ عرصہ کے بعد ایک بڑا بھاری گورستان بن جاتا ہے اور جس طرح دنیا کے مادی شہر دنیاداروں اور بادشاہوں کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اسی طرح موت کے بعد یہ روحانی آبادیاں یعنی گورستان آخرت کے امیروں اور روحانی بادشاہوں یعنی فقیروں اور بزرگوں کے نام سے موسوم ہوتی ہیں۔ اور گو ان میں بادشاہوں اور دنیاداروں کی قبریں بھی ہوتی ہیں وہاں ان کا نام کوئی نہیں لیتا۔ اور یہی کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں فقیر اور فلاں بزرگ کا گورستان ہے۔ اور جن بزرگوں کے زیرِ سایہ اس قسم کے گورستان بن جاتے ہیں اگر اس قسم کے گورستان میں کوئی شخص وہاں کے درخت کی کوئی خشک یا تر لکڑی یا ٹہنی کاٹ کر یا وہاں کی زمین پر سے اٹھا کر لے گیا ہے تو فوراً اس پر کوئی ناگہانی بلا اور آفت نازل ہو گئی ہے۔ بعض پہاڑی علاقہ کے لوگوں سے سنا گیا ہے کہ وہاں کے بعض بزرگوں کی خانقاہوں کے مال مویشی دن رات پہاڑوں کے اندر چرتے رہتے ہیں۔ وہاں کے جنگلی جانور اور درندے ان کو چھوتے تک نہیں۔ حالانکہ دوسرے لوگوں کے مویشی باوجود سخت پہروں اور نگرانیوں کے ان کے گھروں

سے درندے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ کسی علاقے میں ٹڈی دَل آیا ہے اور اس نے سارے علاقے میں درختوں اور کھیتوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔ لیکن بعض بزرگوں کے مزار کے درختوں کو بیچ میں صحیح سلامت چھوڑ دیا ہے اور ان کو چھوا تک نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ عارف اولیاء اللہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے نور سے زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے اَلآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنَ الدَّارِ اِلَی الدَّارِ۔ یعنی ''اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ اس دارِ فانی سے آخرت کے دارِ جاودانی کی طرف نقل مکانی اختیار کر لیتے ہیں۔'' سو قبروں کے اندر ان کا تصرف قائم رہتا ہے اور دنیا کی نسبت دارِ آخرت میں ان کی روحانی طاقت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بزرگوں اور اولیا کے مزارات جب کبھی کسی عام شاہراہ یا سڑک یا ریلوے لائن یا نہر وغیرہ یا سرکاری عمارات کی زد میں آ گئے ہیں اور سرکاری افسروں نے اپنی سڑک سیدھی رکھنے کے لیے اس قبر کو مٹانے کا ارادہ کیا ہے تو ان بزرگوں نے اپنے باطنی تصرف اور روحانی طاقت سے ان افسروں کو ایسی ڈانٹ بتائی ہے کہ وہ فوراً اس کام سے باز آ گئے ہیں ورنہ وہ افسر خود مٹ گئے ہیں۔ چنانچہ ان مزارات کے موقعوں پر بعض نہروں، سڑکوں، بازاروں اور قلعوں کی دیواروں میں ایسے موڑ، خم اور کجیاں آج تک موجود ہیں اور قبروں کو صحیح سلامت اور برقرار چھوڑ دیا گیا۔ یہ بات صاف طور پر زبانِ حال سے بتلا رہی ہے کہ ان مادی اور نفسانی حکمرانوں کو باطنی اور روحانی حکمرانوں کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ شہیدوں کی زندگی موت کے بعد نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آیا ہے کہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ o (البقرۃ ۲: ۱۵۴)۔ یعنی ''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے قتل ہو جاتے ہیں انہیں تم مردہ ہرگز خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ زندۂ جاوید ہیں۔ پر تم اس بات کو نہیں جانتے۔'' سو جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت دو طرح پر ہے: ایک ظاہری جسمانی، دوم باطنی روحانی۔ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی آخری مہم یعنی جنگِ تبوک سے فارغ ہو کر واپس آئے تو آپ ﷺ کے اصحاب اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اب تمام عرب فتح ہو گیا ہے اور ہمیں اب مزید جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں ہو گی اور اب ہم چین اور آرام کی

زندگی بسر کریں گے تو آپ ﷺ نے ان کے خیالات کو معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَکْبَرِ۔ یعنی ہم اب اصغر اور چھوٹے جہاد سے فارغ ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم نے اب ایک اکبر اور بڑا جہاد لڑنا ہے۔ آپ ﷺ کے اس فرمان سے اصحاب چونک پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی اور بڑا جہاد بھی ہم نے لڑنا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! وہ دنیا اور نفس و شیطان کے ساتھ موت تک بڑا بھاری جہاد ہے جو کفار اور مشرکین کے ظاہری اور مادی جہاد سے بدرجہا سخت، صعب اور مہیب تر ہے۔ کیوں کہ اول تو کفار و مشرکین کو گمراہ کرنے کے اور انہیں مسلمانوں کے برخلاف جنگ اور جدال پر آمادہ کرنے کا باعث دنیا، نفس اور شیطان ہی تو ہیں۔ دوم ظاہری، مادی کفار اور مشرکین تو مسلمانوں کے تن اور جسم کو ہلاک کرتے ہیں اور دنیوی مال و متاع لے لیتے ہیں لیکن نفس و شیطان مسلمان کی حیاتِ جاودانی کے سرچشمے یعنی روح وروان اور جان کو ہلاک اور فنا کرتا ہے۔ اور ان کے اصلی اور ابدی سرمایۂ ایمان کو لوٹ لیتا ہے۔ پس نفس اور شیطان چونکہ اصلی اور صعب اور اکبر ترین دشمن ہیں لہٰذا ان کے ساتھ جنگ اور پیکار بھی جہادِ اکبر ہے۔ جو لوگ جہادِ اصغر میں ہلاک اور شہید ہو جاتے ہیں وہ شہیدِ اصغر یعنی ادنیٰ درجے کے شہید ہوں گے اور جو لوگ جہادِ اکبر میں شہید ہو جائیں وہ بڑے درجے کے شہید کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ سو حقیقی مقتول فی سبیل اللہ و شہدائے اکبر اور اصلی غازی اور بڑے مجاہد اور افضل ابدی زندۂ جاوید لوگ اولیاء اللہ اور عارف باللہ ہیں۔ جو تمام عمر نفس، دنیا اور شیطان کے ساتھ موت تک برسرِ پیکار رہ کر اللہ تعالیٰ کے نور اور بقا حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہدائے اصغر کے مزارات اس قدر مشہور اور معروف نہیں ہوتے جس قدر شہدائے اکبر یعنی اولیاء اللہ کے مزارات قیامت تک زندہ مرجعِ خلائق اور منبعِ رشد و ہدایت رہتے ہیں۔ دن رات اولیاء اللہ کے مزارات پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ ان کی خاک اور ان کے آستانے بوسہ گاہِ خلائق ہوتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ اور امراء ان کے آستانوں پر جھکنا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کے باریک اور لطیف پردے اور خیمے کے اندر زندہ دربار لگائے بیٹھے ہیں۔ ہزارہا زائرین کو خواب اور بیداری میں اپنی اپنی مرادوں

کی نسبت بشارتیں اور اشارات بخشتے ہیں۔ اور لوگوں کو طرح طرح کے فیوضات اور برکات پہنچاتے ہیں۔ ان کی باطنی نگاہ اور توجہ سے بے شمار غافل اور خوابیدہ قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بیدار اور اس کی شرابِ معرفت سے مست اور سرشار ہو جاتے ہیں۔ کئی مردہ دل زندۂ جاوید اور کئی لاعلاج قلوب شفایاب ہو جاتے ہیں۔ وہاں جا کر دل بے اختیار اللہ اللہ کرنے لگ جاتا ہے۔ کئی زائرین کو مزار کے قریب جاتے ہی بے اختیار رقّت اور گریہ جاری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذوق و شوق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ لوگوں کو وہاں دن رات عبادت، تلاوت، ذکر فکر اور اطاعت کرتے گذر جاتے ہیں۔ غرض خدا کے ان مقبول اور محبوب بندوں کی جو عزت اور توقیر موت کے بعد ہوتی ہے دنیا کے بادشاہوں کو زندگی میں اس کا عشرِ عشیر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ مزارات کیا ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے نور کے چراغ اور شمعیں ہیں۔ جن پر لوگ پروانہ وار گرتے ہیں۔ بعض حاسد کور چشم اپنے بے جا شکووں اور شکایتوں کی پھونکوں سے انہیں بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ نوری چراغ بجھنے میں نہیں آتے۔ جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرما گئے ہیں۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغِ مقبلان ہرگز نمیرد
چراغے را کہ ایزد برفروزد　　ہر آن کس تف زند ریشش بسوزد

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (الصف ۶۱:۸)۔

مِٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مِٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

(ظفر علی خاںؔ)

بعض حاسد لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزارات میں کچھ طاقت اور برکت نہیں ہوا کرتی۔ لوگ محض بطور دیکھا دیکھی اور بھیڑ چال کے طور پر وہاں جاتے ہیں۔ بعض دفعہ کہتے ہیں کہ وہاں کے مجاورین چونکہ اپنے بزرگوں کی قبروں پر روضے اور خانقاہیں بنا لیتے ہیں اور انہیں دلہن کی طرح سجائے رکھتے ہیں اور ان پر پھولوں کے سہرے چڑھاتے ہیں۔ عوام سادہ لوح ان باتوں پر فریفتہ ہو کر وہاں چلے جاتے ہیں۔ وہاں اہلِ مزار کا کچھ روحانی اور

باطنی تصرف نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ان کور چشموں اور حاسدوں کا باطل خیال ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اپنے مزاروں کو سجانے اور ان پر روضے اور محل چڑھانے میں دنیاداروں اور دنیا کے بادشاہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آگرہ کا تاج محل شاہ جہان بادشاہ نے اپنی پیاری بیوی ممتاز بیگم کی قبر پر اس لیے بنو لیا تھا کہ موت کے بعد اس کی عزت اور توقیر بحال رہے گی۔ لاہور کے پاس جہانگیر اور نور جہاں کی قبروں پر کیسی عالیشان عمارتیں بنائی ہیں جسے شاہدرہ کہتے ہیں۔ دہلی میں ہمایوں کے مقبرے کی کتنی شاندا عمارت ہے۔ جہاں خاندانِ مغلیہ کے بہت بادشاہ اور بیگمات مدفون ہیں۔ حیدر آباد دکن میں بہمنی خاندان کے حکمرانوں کے روضے حساب اور شمار سے باہر ہیں۔ غرض دنیاداروں اور دنیا کے حکمرانوں نے دنیا کے بعد اپنی عزت اور توقیر قائم رکھنے کے لیے کروڑوں اور اربوں روپے کی دولت خرچ کر ڈالی ہے۔ لیکن وہاں جا کر کسی کا دل فاتحہ پڑھنے کو نہیں چاہتا۔ رات کو کتے اور گیدڑ ان پر پیشاب کر جاتے ہیں۔ لوگ محض بطور سیر و تفریح وہاں جاتے ہیں اور عمارت کو دیکھ کر واپس آ جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض زمینداروں اور دنیاداروں کی پچھلی اولاد اور ورثا بیچاروں نے تو اپنے دادوں کی قبروں پر روضے چڑھا کر اپنی طرف سے انہیں اولیا بنا دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور ردِّ عمل لوگوں کے دلوں میں الٹا نفرت اور حقارت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ لوگ ان کی قبروں کو پتھروں سے مارتے ہیں۔ بلکہ ان کی طرح طرح کی تذلیل اور تحقیر کرتے ہیں۔ کسی نے اس بارے میں ایک شعر بھی کہا ہے۔

عنایت خان عجب کارِ ریا کرد　　بزورِ زر پدر را اولیا کرد

وجہ یہ ہے کہ اہلِ دنیا کی عزت اور توقیر اسی دنیوی زندگی تک محدود رہتی ہے۔ اور وہ بھی روبرو اور سامنے لوگ اُن کی جھوٹی خوشامد کرتے ہیں۔ اور وہ پھولے نہیں سماتے۔ لیکن پیٹھ پیچھے اپنے نوکر چاکر انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ اور جب دنیا سے گذر جاتے ہیں تو وہ اپنے ظلم و ستم کے سبب اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب و ذلت کے سزاوار ہو جاتے ہیں۔ اور جب موت کے بعد ان کے ورثا دارِ آخرت میں بھی ان پر روضے چڑھا کر ان کی عزت اور توقیر بڑھانے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قہر اور غضب کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں

کے ہاتھوں ان کی وہ ذلت اور توہین کراتا ہے کہ چوڑھوں اور چماروں کی بھی وہ توہین نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ فرعون مزاج لوگ اسی لائق ہوتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ○ (القصص ۲۸: ۴۲)۔ خلاف اس کے بہت اولیاء اللہ کے مزارات اس طرح بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو محض کچی مٹی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں جیسا کہ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا مزار آج تک موجود ہے لیکن ان کی حرمت اور عزت بڑے بڑے روضوں سے بھی زیادہ کی جاتی ہے۔ سو یہ عزت اور توقیر کسی کے بنائے ہرگز نہیں بنتی۔ بلکہ یہ عزت اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط (اٰل عمرٰن ۳: ۲۶)۔ ولی کی قبر اور مزار کی عزت اور حرمت محض روضے اور خانقاہ کی عمارت وغیرہ کے باعث نہیں ہوتی۔ بلکہ اس جگہ ولی کی روح موجود رہتی ہے۔ اور وہاں اس کے فیض کا چشمہ جاری رہتا ہے۔ اس واسطے دین اور دنیا کے پیاسوں کی وہاں بھیڑ لگی رہتی ہے۔

ہر کجا چشمۂ بود شیریں مردم و مُرغ و مور گرد آیند
(سعدیؔ)

اولیاء اللہ اپنے مزارات پر آمد و رفت رکھتے ہیں۔ لوگوں سے خیرات وصدقات اور فاتحہ وتلاوت کے تحفے وغیرہ وصول کرتے ہیں اور لوگوں کو اس خدمت اور حُسنِ عقیدت کے عوض فیوضات اور برکات پہنچاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان کی مشکلیں حل فرماتے ہیں۔ لیکن جس وقت اولیاء اللہ کے مزارات پر متولی اور مجاور رجوعاتِ خلق بڑھانے اور لوگوں سے محض نذر و نیاز وصول کرنے کی خاطر قبروں پر غیر شرع میلے لگانے لگ جاتے ہیں اور بدعت ومعصیت کے کام شروع کردیتے ہیں۔ مثلاً رنڈیوں اور طوائف کے ناچ رنگ اور گانا بجانا یا حقے، چرس، بھنگ کی دکان لگانا، بیگانہ مردوں اور عورتوں کا آپس میں اختلاط رکھنا، جوا کھیلنا، کبڈی اور کھیل تماشے کرانا اور غیر شرع قسم کے ساز وسرود کی محفلیں گرم کرنا، جوان عورتوں کو بیگانہ اور نامحرم مردوں کے ہمراہ زیارت کے بہانے لے جا کر زنا اور فواحش کا ارتکاب کرنا شروع کردیتے ہیں تو اس وقت اولیاء اللہ اپنے مزارات سے تصرف اٹھالیتے ہیں۔ اور بدفعلی کی مردار جگہوں میں آنا جانا بند کردیتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں نہ تو

باطنی فیض ہوتا ہے اور نہ ہی روحانی تعلیم اور باطنی تلقین کا کوئی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بلکہ روحانی اپنی قبروں کو لوگوں کی معصیت اور گناہ کی آلائش اور پلیدی سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے زائرین کو الٹا دکھ اور نقصان پہنچانے اور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی قبر پر رہنے سہنے اور رات گذارنے نہیں دیتے۔ پس ایسے مزارات پر رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد و رفت موقوف ہوجاتی ہے۔ چنانچہ آج روئے زمین پر بعض ایسے مزارات موجود ہیں جن پر ایک زمانہ میں لوگوں کی بکثرت آمد و رفت اور باطنی فیوضات اور روحانی برکات کی بڑی گرم بازاری تھی لیکن آج وہ مزارات مجاوروں کے اس قسم کے کرتوتوں کی وجہ سے متروک ہوکر کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہیں۔ چنانچہ بیت المقدس سے دو میل کے فاصلے پر آج موسیٰ علیہ السلام کے مزار کی یہودیوں کے ناروا میلوں کے سبب یہی حالت ہے کہ وہاں کوئی شخص مارے خوف کے رات نہیں بسر کرسکتا۔ اور اگر بعض مزارات پر باوجود اس قسم کے ناروا میلوں اور غیر شرع فعلوں کے بھی لوگوں کی آمد و رفت جاری ہے۔ تو وہ خانقاہیں نہیں ہیں بلکہ وہ بت خانے ہیں اور معصیت اور بدعت کے اڈے ہیں۔ ایسی قبروں سے روحانی رخصت ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ جن شیاطین اور ارواحِ خبیثہ براجمان ہوجایا کرتی ہیں اور اپنی گمراہی کی دکانیں جمالیتی ہیں۔

یا رب زسیل حادثہ طوفان رسیدہ باد بت خانۂ کہ خانقہ اش نام کردہ اند

ایسی قبروں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا۔ ''اے اللہ میری قبر کو بت خانہ نہ بنا۔'' روحانی اگر خود کامل اور زندہ دل عارف نہیں ہے تو اس کی قبر پر روضہ بنانے، غلاف چڑھانے اور میلے لگانے سے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور وہ زبانِ حال سے پکارتا ہے۔

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے
(ظفر علی خاں)

سو اس میں شک نہیں کہ موت کے بعد ارواح زندہ رہتی ہیں۔ اس دنیا میں آتی ہیں۔ اور اگر چاہیں زندہ لوگوں سے اختلاط پیدا کرکے ملاقات کرلیتی ہیں اور زندوں سے استفادہ کرتی ہیں اور انہیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔ چہ جائے کہ اولیائے کاملین، عارفین اور واصلین

تو زندگی ہی میں موت اور حیات کے درمیانی پل کو عبور کر چکے ہوتے ہیں۔ ایسے کامل لوگ موت کے بعد عالمِ برزخ سے بہت آسانی سے اس دنیا میں آتے جاتے ہیں اور زندوں کو فائدہ پہنچاتے اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ روحانی پرندے جب قفسِ عنصری سے آزاد ہو جاتے ہیں تو ان کی باطنی طاقت، روحانی ادراک اور قوتِ پرواز بہت تیز ہو جاتی ہے اور عالمِ امر میں نہایت حیرت انگیز باطنی قوت کے مالک ہو جاتے ہیں اور ہمارے عالمِ خلق اور مادی دنیا کی بڑی بھاری مہموں اور مشکل کاموں کو اپنی باطنی ہمت اور توجہ سے بہت آسانی سے حل کر لیتے ہیں۔ ہم نے روحانیوں کے اس قسم کے عجیب و غریب کارناموں کو بہت دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بھالا ہے اور ہوش و حواس اور بیداری کی حالت میں آزمایا ہے۔ عام لوگ قبروں پر جا کر وہاں فاتحہ، درود وغیرہ پڑھ آتے ہیں۔ یا کوئی نذرانہ، خیرات اور صدقہ دے آتے ہیں۔ اگر زائرین کی نیت درست، زبان طاہر اور وجود طیب اور مال از وجہِ حلال ہے تو بے شک اس کلام اور طعام کا ثواب روحانی کو پہنچ جاتا ہے اور روحانی اس کے عوض اس کی مراد برآری اور حاجت روائی کے لیے باطن میں سعی اور کوشش کرتا ہے اور اگر روحانی چاہے عام نفسانی زائر سے خواب میں جثۂ نفس سے ملاقی ہوتا ہے۔ اور خواب میں اس کی مراد کی نسبت اسے بشارت دیتا ہے لیکن عارف کامل زندہ دل فقیر کا کسی بزرگ یا ولی کی قبر پر جانے اور اس سے فیض اور برکت پانے کا طور طریقہ ہی بالکل الگ ہے۔ ایسا کامل اہلِ دعوت جب کسی ولی، شہید یا غوث قطب کے مزار پر کسی حاجت کے لیے جاتا ہے تو وہ باطنی مراقبہ کے ذریعے عالمِ برزخ میں غوطہ لگا کر روحانی سے فوراً ملاقی ہو جاتا ہے یا روحانی نورِ تلاوتِ قرآن کی بو پا کر بحرِ عالمِ برزخ سے نکل کر روحانی کے پاس آ جاتا ہے۔ پس دونوں حالتوں میں اہلِ دعوت عارفِ زندہ دل اپنی مراد اور حاجت کی بشارت پاتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ اپنے کام کو عالمِ امر میں طے اور پورا ہوتا ہوا دیکھ لیتا ہے۔ بعدۂ وہ کام عالمِ شہادت میں ضرور ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس میں کبھی خلاف نہیں ہوتا۔

قبرستان اور گورستان کو اگر اہلِ بصارت باطنی اور عارفِ زندہ دل آدمی مراقبہ کر کے دیکھتا ہے تو اسے عالمِ مثال میں ایک ایسی بستی اور معمور شہر کی طرح پاتا ہے کہ اس میں ہر

سعید مومن روحانی کے لیے حسبِ مراتب و حیثیت باطنی بلند لطیف ایوان اور عالی شان مکان ہوتے ہیں۔ اور سفلی بد بخت روح کے لیے پست گہرے خطرناک چاہِ سیاہ اور بڑے تاریک اور مہیب زندان ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک ہی شہر کے اندر لوگوں کے مختلف حیثیت کے موافق جیل، جھونپڑیاں اور عالی شان محل ہوتے ہیں۔ کہ ایک ہی شہر میں بعض لوگ بیک وقت دکھ اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ اور بعض عیش و عشرت لطف و نشاط کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے گورستان کو کئی جگہ قرآن میں قریہ اور بستی سے نسبت اور تشبیہ دی ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ (البقرۃ ۲ : ۱۵۹)۔ ترجمہ: ''یا اس شخص (حضرت عزیرؑ) کی مثال دیکھو کہ جب وہ ایک گاؤں پر گذرے جو چھتوں کے بل گرا ہوا تھا تو آپ نے دل میں خیال کیا کہ اس مردہ بستی کو اللہ تعالیٰ دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا۔'' سو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے گورستان کو ایسے گاؤں سے تعبیر کیا ہے جس کی چھتیں گر چکی ہوں۔ خواب میں اگر کوئی شخص اپنے مکان یا کسی کے مکان کی چھت گری ہوئی دیکھے تو اس کی تعبیر اغلباً اہلِ مکان کی موت ہوا کرتی ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے جب ایک گورستان کو برزخی حالت میں ایک قریہ اور بستی سے موسوم فرمایا ہے تو ہمیں مزید سمجھانے کے لیے گری ہوئی چھتوں کا حوالہ ساتھ دے دیا ہے۔ تاکہ ظاہر بین کہیں اسے ظاہری بستی اور مادی گاؤں نہ سمجھ لیں۔

واضح ہو کہ عالمِ تکوین اور عالمِ امکان میں دو قسم کے جہان اور عالم موجود ہیں: ایک عالمِ شہادت یعنی ظاہری عالمِ محسوس اور مادی جہان جو حواسِ خمسہ کے ذریعے معلوم اور محسوس ہوتا ہے، دوم عالمِ امر کا لطیف باطنی اور روحانی جہان جو حواسِ خمسہ یعنی جسمانی اور مادی حواس کے دائرے سے باہر اور مادی عقل کی پہنچ سے بالاتر ہے۔ اور ہر دو جہان زندگی سے معمور اور آباد ہیں۔ عالمِ شہادت یعنی مادی جہان میں مادی کثیف عنصری مخلوق آباد ہے۔ گو یہ مادی جہان بہ نسبت غیبی لطیف جہان کے بہت تنگ اور محدود ہے لیکن اس مادی جہان کی وسعت اور پہنائی کا اندازہ لگانا بھی انسانی عقل اور قیاس سے باہر ہے۔ مثلاً ہمارے اس کرۂ ارض یعنی زمین پر کتنی مخلوق آباد ہے۔ ہماری مذہبی روایتوں کے مطابق اٹھارہ ہزار

مخلوق کا اندازہ ہی اگر فرض کرلیا جائے کہ مخلوق کی چھ ہزار قسمیں اور نوعیں مٹی پر اور چھ ہزار کی تعداد پانی اور چھ ہزار ہوا میں آباد ہیں تو یہ کس قدر بے شمار نوعیں اور قسمیں بنتی ہیں۔ ان میں سے مٹی پر رہنے والی مخلوق کی قسموں میں سے انسان ایک قسم اور یونٹ ہے۔ پھر انسانوں کی کس قدر قومیں نسلیں اور فرقے ہیں۔ جن کے رنگ روپ، شکلیں، طور طریقے، طرزِ معاشرت، لباس، زبانیں، مذہب، عادات اور خیالات ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہیں۔ ہم اپنے ہم جنس انسانوں کے صرف ایک صورتی اختلاف پر ہی اگر غور کریں تو انسانی عقل اللہ تعالیٰ کے کمال صفتِ مصوری کو دیکھ کر حیرت سے دنگ رہ جاتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جس قدر انسان مرد، عورت، بوڑھے اور جوان ہوئے ہیں یا ہوتے رہیں گے ان میں ہر انسان کی صورت، شکل و شباہت، خط و خال، سیرت، خو اور رنگ و بو دوسرے انسان سے الگ اور مختلف ہے۔ اور تمام دنیا میں دو انسان ایک طرح کے یکساں نہیں ملیں گے۔ اور یہ اختلاف صرف انسان کی صورت میں نہیں ہوگا بلکہ ان کی آواز، طرز طور، خیالات اور قلبی ادراکات میں بھی موجود ہوگا۔ اور یہ اختلاف صرف انسانوں میں نہیں بلکہ کرۂ ارض کی تمام دیگر مخلوقات کیا خاکی، آبی اور ہوائی میں بھی موجود ہے۔ بلکہ ایک ہی درخت کے پتوں اور ایک ہی خرمن کے دانوں تک میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ اس ذات خالق کی صفت لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ" (الشوریٰ ۴۲: ۱۱) کی ایک ہی صفت لا منتہائی کا ایک ادنیٰ جلوہ اور کرشمہ ہے۔ جو اس کی ہر کہ ومہ مخلوق میں ظہور فرما ہے۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ اسی ایک ہی صفت کو بروئے کار لا کر اجراء دے تو یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہ آئے اور بحر و بر میں اس صفت کی سمائی نہ ہو۔ قولہ تعالیٰ: قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّـكَلِمٰتِ رَبِّىۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ۝ (الکھف ۱۸: ۱۰۹)۔ اور تخلیق و تصویر کا یہ سلسلہ صرف ہمارے کرۂ ارض تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ہمارے اوپر عالم بالا میں جس قدر سیاروں اور ستاروں کا ایک لامحدود سلسلہ موجود نظر آ رہا ہے وہ بھی آبادی سے خالی نہیں ہے۔ جب وہ حجم، قامت اور جسامت میں ہمارے اس کرۂ ارض سے بدرجہا بڑے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی جسامت اور قامت بے وجہ، عبث اور رائیگاں عطا فرمائی ہے۔ یا وہ اس واسطے معرضِ وجود میں لائے گئے

ہیں کہ ہم زمین والوں کو برقی روشن قمقموں، انڈوں کی طرح چمکتے اور دمکتے نظر آئیں اور ہم انہیں دیکھ کر خوش اور حیران ہوا کریں۔ کیا اللہ تعالیٰ ان اجرامِ عظام کے کھلونوں سے بچوں کی طرح ہم زمین والوں کے دل بہلا رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ۝ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نَّـتَّخِذَ لَهۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنۡ كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ۝ (الانبیآء ۲۱: ۱۶-۱۷)۔ (ترجمہ) "اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ان سب کو کھیل کے طور پر۔ اگر ہم چاہتے کہ استعمال کرتے اسے بطور کھلونا جو اس سے دل بہلاتے تو ہم اپنے پاس حسب اپنی شان ایسا شغل بنا لیتے۔"

بلکہ ان کرّوں میں سے بعض ہماری زمین کی طرح زندگی سے معمور اور بھرپور ہیں۔ جس طرح ہر کرۂ دوسرے کرے سے مختلف ہے پس اس کی مخلوق کی ہیئتِ ترکیبی اور شکل و صورت وغیرہ بھی مختلف ہونی چاہیے۔ بعض نادان تنگ ظرف لوگ ہمارے اس بیان پر ضرور اعتراض کریں گے اور کہیں گے کہ قرآن اور احادیث میں ان باتوں کا تو ذکر نہیں ہے اور سائنس اور علمِ ہیئت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سو ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن اور احادیث میں ان باتوں کا ذکر موجود ہے لیکن ہماری کوتاہ عقل ان کے فہم اور سمجھ سے قاصر ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ آگ جب بہت مدت تک ایک جگہ جلتی رہتی ہے تو اس میں بھی ایک قسم کا جانور جسے سمندر کہتے ہیں پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جب آگ جیسے عنصر میں زندگی کا امکان ہو سکتا ہے اور اسی طرح کا ایک ناری عظیم الشان کرّہ اربوں، کھربوں بلکہ بے شمار برسوں تک قائم اور موجود رہے تو اس کا بھی ایک وقت زندگی سے معمور اور آباد ہونا ممکن ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ ہمارے اس سورج میں بھی زندگی کا معاملہ جاری ہو تو دوسرے عالمِ بالا کے کروں پر تو زندگی کے امکان کا یقین بدرجہا آسانی سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اور عقلِ سلیم اسے باور کرنے پر مجبور ہے کیوں کہ بعض کروں کے اندر بڑے بڑی دوربینوں سے پہاڑ، دریا، جنگل اور بادل دیکھے گئے ہیں۔ حال ہی میں کیلی فورنیا کی آبزرویٹری میں جو دنیا کی سب سے بڑی دوربین نصب ہے۔ اس کے ذریعے کروڑہا نئے ستارے جو سابق دوربینوں

کی پہنچ سے مخفی اور مستور تھے نظر آنے لگ گئے ہیں۔ اس دوربین سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ آسمان پر جو گرد و غبار کی طرح ایک سلسلہ نظر آتا ہے جسے فارسی میں کہکشاں کہتے ہیں اور انگریزی میں اسے ملکی وے (MILKY WAY) کہتے ہیں اور عام جہلا میں اس کی نسبت طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور اچھے خاصے پڑھے لکھے مذہبی لوگ بھی اس کی نسبت ان غلط فہمیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ سو یہ کہکشاں پدموں، سنکھوں کیا بے حد و بے شمار ستاروں کے مسلسل مجموعے ہیں جو دور تک فضا میں ایک دوسرے کے اوپر گرد و غبار اور سفید بادلوں کے طویل سلسلے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ غرض اس کہکشاں کا ہر ستارہ بجائے خود ایک بڑا بھاری سورج ہے جس کا الگ نظامِ شمسی ہے۔ یعنی وہ ہمارے اس سورج کی طرح اپنے اردگرد بے شمار ستاروں اور سیاروں کو روشنی پہنچا رہا ہے۔ خدا جانے مادی دنیا کی فضا میں ان ستاروں، سیاروں، سورجوں، اور کیا کیا دیگر اجرامِ فلکی کے اس لازوال سلسلے کا کہیں خاتمہ بھی ہے یا نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے سر کے اوپر فضا میں چھوٹے چھوٹے انڈوں کی طرح جو ستارے نظر آ رہے ہیں وہ اتنے چھوٹے لیمپ یا چراغ نہیں ہیں جتنے کہ ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ بلکہ وہ بجائے خود ہماری زمین کی طرح بھاری بھر کم کرّے اور زمینیں ہیں۔ چونکہ وہ ہم سے کروڑوں، اربوں میل دور واقع ہیں اس واسطے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کروں کے اندر مخلوق آباد ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ○ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ○ (فاطر ۳۵: ۱۶۔۱۷)۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین والو! اگر اللہ چاہے تم کو مٹا کر رکھ دے اور نئی دنیا تمہاری طرح بنا دے۔ اور یہ بات اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ ط یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۵ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ○ (الطلاق ۶۵: ۱۲)۔ ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ان جیسی اور زمینیں بھی بنائیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ از روئے علم ہر چیز پر محیط اور چھایا ہوا ہے۔“ چنانچہ اس قسم کی متعدد آیتیں قرآن مجید کے اندر موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کی طرح

اور زمینیں بناتا ہے۔ اور ان کے بنانے میں سے کچھ تکلیف، تھکاوٹ اور دیر بھی نہیں لگتی۔ جیسا کہ آیا ہے: وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○ (قٓ ۵۰: ۳۸) اور دوسری جگہ ہے کہ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِھِنَّ (الاحقاف ۴۶: ۳۳)۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر سکتا ہے، کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔ اور اس کی لامحدود صفتِ خلاقی میں زوال، رکاوٹ اور بندش نہیں آ سکتی۔

علمِ ہیئت کے ماہرین نے اپنی آبزرویٹریوں یعنی رصدگاہوں میں بڑی بڑی دوربینوں سے آسمانی فضا میں بعض دفعہ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ایک ستارہ یعنی کرہ جسے کو بیک وقت وہ اپنی دوربین سے فضا میں دیکھ رہے ہیں ان کے دیکھتے دیکھتے آنکھوں کے سامنے اسی جگہ یک دم گم اور غائب ہو گیا ہے۔ اور گاہے ایک نیا کرہ عالمِ وجود میں آ گیا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنی جس صفت کا ذکر قرآنِ کریم میں فرما دیا ہے آج کل کے سائنس دان اور ہیئت دان تو اپنے آلات سے اسے ثابت کر کے اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ چمگادڑ کی طرح اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے جہالت کی پرانی دقیانوسی تاریکی میں گھسے جا رہے ہیں۔ اور لکیر کے فقیر کی طرح اپنی اندھی تقلید سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر ہونا کفر سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو صحیح فہم اور سچی سمجھ عطا فرماوے۔

عالمِ خلق اور عالمِ شہادت کا لازوال اور غیر محدود سلسلہ زبانِ حال سے بتا رہا ہے کہ مخلوق میں اس کی لامنتہائی صفتِ خلّاقی کا ایک ادنیٰ جلوہ اور کرشمہ ہمیں کارفرما نظر آ رہا ہے۔ لیکن عالمِ غیب اور عالمِ امر کے لطیف اور اس سے بہت وسیع اور عریض عالمِ کبیر میں بھی اس کی لازوال صفتِ خلاقی ظہور فرما ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ خالق، باری اور مصور کو اسی طرح کارفرما اور جاری رکھے تو ابد الآباد تک اسی طرح نئے جہان اور نئے عالمین معرضِ وجود میں آتے رہیں۔ اور مکان اور زمان کی پنہائیاں اور وسعتیں اور زمین، آسمان اور پہاڑوں کی چوڑائیاں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے تحمل اور برداشت سے تنگ اور عاجز آ کر کپکپا اٹھیں۔ اور اس سنگین بھاری امانت کی برداشت سے ڈر کر بیزار اور برسرِ پیکار ہو کر چلا اٹھیں اور فریاد کرنے لگ جائیں۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا

الْاِنْسَانُ ؕ (الاحزاب ۳۳: ۷۲) ۔یعنی ''اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ پس سب نے اس کی برداشت سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اس کو اُٹھالیا۔''

فضا میں بعض ستارے ہیولائی یعنی ہوائی صورت میں، بعض آبی صورت میں، بعض آتشی اور بعض خاکی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن بعض ستارے ہماری زمین کی طرح مخلوط صورت میں موجود ہیں کہ ان پر چاروں عناصر یعنی پانی، آگ، ہوا اور مٹی موجود ہے۔ ایسے کرّوں پر آبادی اور زندہ مخلوق کا امکان بھی بہت یقینی ہے۔ اور آج کل ہیئت دانوں کو بعض ستاروں کے اندر اپنی دوربینوں سے پہاڑ، دریا، بادل اور جنگل نظر آتے ہیں۔ پس جب بعض کرّوں کے اندر ایسی چیزیں اور خصوصاً پانی جیسا عنصر موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہاں زندگی، آبادی اور مخلوق موجود نہ ہو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ (الانبیآء ۲۱: ۳۰) ''یعنی ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا ہے۔'' ورنہ اصولاً جہاں کہیں بھی مکان و زمان اور ایتھر و فضا اور مادہ یا مایہ اور میٹر (MATTER) ہے وہاں زندگی موجود ہے۔ اور عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کا چپہ چپہ اور انچ انچ زندگی، آبادی اور حیات سے معمور اور بھرپور ہے۔ کیوں کہ کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے اور جہاں حرکت ہے وہاں زندگی ہے۔

قرآنی آیات اور عقلی دلائل سے ہم اپنے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق میں کافی ثبوت پیش کر چکے ہیں۔ اب ناظرین کے اطمینانِ خاطر کے لیے معراج کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ معراج کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت رسالت مآب ﷺ معراج کی رات جبرائیلِ امینؑ کی رفاقت میں آسمانوں کی طرف عروج اور پرواز فرما رہے تھے تو راستے میں منجملہ دیگر آسمانی عجائبات کے آپ ﷺ کی نگاہ ایک طویل اور لازوال اونٹوں کی ایک قطار پر پڑی جس کا سرا اور آخر ابتدا و انتہا معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اور جن پر صندوقوں کی طرح کچھ چیزیں لدی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے جبرئیلؑ امین سے دریافت کیا کہ اے بھائی جبرائیلؑ اونٹوں کا یہ کیا قافلہ ہے کہ جس کا سر اور آخر نظر نہیں آتا؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ یا حضرت ﷺ جب سے میں پیدا ہوا ہوں اسی روز سے اس

لازوال قافلے کو اسی طرح رواں اور دواں دیکھ رہا ہوں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ان اونٹوں پر جو صندوق نما چیزیں لدی ہوئی دکھائی دیتی ہیں ان میں کیا چیز ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے۔ لیکن آج آؤ ایک اونٹ کو کھڑا کر لیتے ہیں اور اس کی پیٹھ سے ایک صندوق اتار کر کھول کر دیکھ لیتے ہیں کہ ان میں کیا بھرا پڑا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم نے ان میں سے ایک اونٹ کو الگ کھڑا کر کے اور بٹھا کر اس کی پیٹھ پر سے ایک صندوق اتار کر کھولا تو ہمیں اس صندوق میں بے شمار انڈے نظر آئے۔ ہم نے ان میں سے ایک انڈے کو جب توڑا تو اس انڈے کے اندر ایک الگ جہان مع زمین و آسمان اور تمام علوی و سفلی اجرام و ساز و سامان نظر آیا۔ چنانچہ ہم دونوں اس انڈے کی نئی دنیا میں بطور سیر و سیاحت داخل ہوئے تو ہمیں وہ ہماری دنیا کی طرح ایک آباد جہان نظر آیا۔ اور ہم نے اس دنیا کی ایک مسجد کے اندر نماز ادا کی۔ سو اس حدیث کے مفہوم پر غور کرنے سے ایک سلیم العقل سمجھ دار انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس حدیث میں اپنی امت کے اولو الالباب اور سمجھ دار لوگوں کو مرموز اشارے اور مستور استعارے کے ذریعے آسمان اور فضا کے ان بے شمار ستاروں اور سیاروں کی حقیقت بیان فرمادی ہے تاکہ ہر آدمی اپنی سمجھ کے موافق ان اجرامِ فلکی یعنی ستاروں کی حقیقت سمجھ لے اور سائنس اور علم ہیئت کے متاخرین ماہرین پیغمبروں کی عقلِ کل اور علمِ لدنی کے سامنے دم نہ مار سکیں۔ اور اپنے مادی اور سطحی علوم پر غرہ اور فریفتہ ہو کر دین کی باتوں پر تمسخر اور استہزا نہ کر سکیں۔ سو اس حدیث کے اندر داناؤں اور سمجھ داروں کے لیے آسمانی فضا کے ان ستاروں اور سیاروں کی حقیقت پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ اور مخبرِ صادق ﷺ شارع ہمیں اشارے اور کنائے سے تیرہ سو سال پہلے یہ بات سمجھا چکے ہیں کہ آسمانی فضا کے اندر موجود ہمیں سفید انڈوں کی یہ گول گول ستارے چمکتے دمکتے نظر آتے ہیں ان میں سے ہر انڈا ہماری زمین کی طرح ایک الگ کرہ، ایک علیحدہ دنیا اور دوسرا جہان ہے جس کی الگ زمین اور الگ آسمان ہے۔ اور اس میں ہماری طرح ایک مخلوق آباد ہے۔ ان ستاروں کی حقیقت کو اس وقت اس طرح مرموز اشارات میں بیان کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کے کم فہم اور علمِ ہیئت سے ناواقف لوگوں

کے سامنے ان ستاروں کی حقیقت کھول کر بیان فرما دیتے تو جب تک ان لوگوں کو آبزرویٹریاں اور رصدگاہیں بنا کر اور ان میں بڑی بڑی دوربینیں لگا کر ان ستاروں کا کچھ مشاہدہ نہ کرا دیا جاتا تب تک ان سادہ لوح لوگوں کو ہرگز یقین نہ آتا۔ نیز قبل از وقت اس حقیقت کے کشف سے اس زمانے کے کم فہم لوگوں کے لیے اس علم کے متعلق اعتراضات، سوالات اور اشکالات کا ایک غیر مختتم اور لازوال سلسلہ کھل جاتا ہے۔ اور لوگ اسی دھن میں لگ جاتے ہیں اور یہ بات دینی مشن اور مذہبی مقصد کی اصل غرض میں ایک بڑی بھاری الجھن اور رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہے۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو ایک پرامن مستور اشارے اور مکنون کنائے کے پردے میں بیان فرما دیا ہے۔ تاکہ ہر آنے والا زمانہ اپنے اپنے فہم وفراست کے مطابق اس سے تعلیم حاصل کر سکے۔ جیسا کہ آیا ہے: کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ ۔ یعنی لوگوں کے سامنے ان کی عقل اور فہم کے مطابق کلام کیا کرو۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اُوْتِیْتُ جَوَامِعُ الْکَلِم۔ یعنی مجھے جامع کلام عطا فرمایا گیا ہے۔ جس سے ہر ادنیٰ، اعلیٰ اور عام وخاص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تعلیم حاصل کرتا ہے۔ غرض جو کلام اور سخن برمحل، باموقع اور مصلحتِ وقت کے مطابق نیز حکمتِ عملی اور موعظۂ حسنہ سے آراستہ اور پیراستہ ہو تو بہت مؤثر اور کارگر ہوا کرتا ہے۔

قولِ بزرگان خَیْرُ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو مگر دلالت کثیر پر کرے۔ آں حضرت ﷺ نے اپنی امت کو اس قسم کے غیر ضروری آفاقی طول طویل مادی علوم میں الجھنے اور پھنسنے سے روکا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا اس بارے میں ارشاد گرامی ہے کہ جب کبھی تمہارے سامنے آسمان کے ستاروں کی کیفیت یا میرے صحابہؓ کی شخصیت یا ان کی ذاتی جھگڑوں وغیرہ کا ذکر یا اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مسائل چھڑیں تو تم خاموشی اختیار کرو اور ان میں نہ پڑو۔ بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر فکر، معرفت، قرب، مشاہدے اور وصال کے حصول کی کوشش کرو جو جملہ علوم وفنون کا اصل ماخذ اور معدن ہے۔ جس میں باقی جملہ علوم خود بخود آ جاتے ہیں۔ خیر اس فقیر کا اس موقع پر ان ستاروں کی حقیقت بیان کرنے سے غرض محض یہ ہے کہ اس نادان اور غافل انسان کو اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ذات پاک کی عظمت

اور اس کی لازوال شان وشوکت کی کچھ تھوڑی سی جھلک نظر آ جائے کہ وہ قدیم، غیر مخلوق، منزہ اور مقدس پاک ذات کس قدر غیر محدود، لازوال، عظیم الشان قدرتوں اور صفتوں کی مالک ہے۔ اور وہ ذاتِ کبریا انسانی عقل اور مادی سمجھ سے کس قدر بالا اور وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ قولہ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○ مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○ (الحج ۲۲: ۷۳۔ ۷۴)۔ ترجمہ: ”اے لوگو! ایک مثال اور نقل بیان کی جاتی ہے پس تم اس کو غور سے سنو۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں اگر وہ سب جمع ہو کر میری ناچیز مخلوق میں سے ایک مکھی بنانے کی کوشش کریں تو ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو اس سے واپس نہیں چھین سکیں گے۔ طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ افسوس ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر جیسا کہ چاہیے تھی نہیں جانی۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب سے بڑا زبردست اور غالب ہے۔“ اور نیز اس فقیر کو اس بیان سے یہ غرض بھی مطلوب ہے کہ انسان اپنی ہیچ، عاجز اور ناچیز ہستی کو جان لے کہ وہ ناپاک پانی کا قطرہ ہے۔ جس میں پندار اور غرورِ نفس کی ہوا داخل ہو گئی ہے۔ اور بلبلے کی طرح کبر اور انانیت کی ہوا سے پھولا ہوا سطحِ دنیا پر چند روز کے لیے ادھر ادھر نادانی سے ناز اور نخرے کرتا ہوا یہ سمجھ رہا ہے کہ ”ہمچو من دیگرے نیست“ اور ساتھ ہی ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ مادی کائنات جس کو عالمِ شہادت کہتے ہیں عالمِ غیب کے باطنی لطیف کائنات کے مقابلے میں اتنا تنگ اور تاریک ہے جتنا کہ جنین یعنی چھوٹے نازائیدہ بچے کے لیے ماں کا رحم اور پیٹ اس مادی دنیا کے مقابلے میں ہے۔ سو انسان کو چاہیے کہ کنوئیں کے اندھے مینڈک کی طرح اس مادی ماحول کو سب کچھ نہ سمجھ لے۔ بلکہ یہ حقیقت اس پر آشکارا ہو جائے کہ ہماری اس وسیع اور فراخ زمین کی طرح اللہ تعالیٰ کی کائنات میں اور بھی بے شمار زمینیں اور کرّے موجود ہیں جن کے مقابلے میں ہماری یہ زمین باوجود اپنی وسعت اور پہنائی کے ایک ذرے کے برابر ہے۔ اور پھر اس اپنی زمین کی اس قدر گوناگوں اور طرح طرح کی بے شمار آبادی اور مخلوق میں سے اپنی ناچیز ذرہ برابر ہستی کا اندازہ لگا لے۔ اور

زمین پر اکڑ کر اور پھول کر چلنا چھوڑ دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۷)۔ اے انسان ضعیف البنیان! تو زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ کیوں کہ تو اپنی چال سے نہ تو زمین کو چیر کر پھاڑ رہا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ رہا ہے۔ سو انسان کو اگر کچھ اصلی حقیقی اور پائیدار قوت اور طاقت حاصل کرنی ہے تو اس عظیم الشان قدرت اور عظمت والی مقدس غیر مخلوق ذات کے ساتھ اس کے پاک نام کے ذریعے تعلق پیدا کرے اور اس میں فنا اور بقا حاصل کر کے اس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے زندۂ جاوید ہو رہے اور اس کی پاک منزہ صفات سے متصف اور اس کے اعلیٰ اخلاق سے متخلق ہو جائے۔ یہ فانی اور خاکی انسان عالمِ غیب اور عالمِ لطیف کی عظمت اور وسعت کا اندازہ تب لگا سکے گا۔ جب وہ اس مادی جہان کے پیٹ سے جنین کی طرح روحانی لطیف جسم لے کر پیدا ہوگا اور اس وسیع روحانی باطنی اور غیبی جہان میں قدم رکھ کر آنکھیں کھولے گا۔ اور دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ غیب کی لطیف نوری مخلوق کو کیا کیا روحانی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کا ذکر ہم پچھلے صفحوں میں مصر کے ہزار ہا سال کے متوفی اہلِ قبور کے احوال میں بیان کر آئے ہیں۔ اس مادی جہان میں ہماری اس ناچیز زمین کے خاکی لوگ اپنے خداداد علمِ سائنس کے ذریعے اس کثیف مادے سے کام لے کر کیا کیا حیرت انگیز کام کر رہے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہم ششدر اور حیران رہ جاتے ہیں۔ سو جس قدر انسان عالمِ کثیف سے عالمِ لطیف کی طرف جاتا ہے اور لطیف عناصر سے کام لیتا ہے اسی قدر اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ جس طرح کہ مٹی اور مٹی کی کثیف چیزوں مثلاً لوہے، لکڑی وغیرہ سے پانی، آگ، بھاپ اور پٹرول زیادہ لطیف ہیں۔ جس سے بھاپ بنا کر انسان ریل، جہاز، موٹر، ہوائی جہاز اور دیگر کارخانے چلا کر اپنی جسمانی طاقت سے ہزار گنا بڑھ چڑھ کر کام کر رہا ہے۔

اسی طرح بھاپ سے برق اور بجلی زیادہ لطیف چیز ہے۔ جس سے بھاپ کی نسبت زیادہ طاقت والے اور بڑھ کر کام کیے جاتے ہیں۔ اور بجلی سے اٹیمک انرجی زیادہ لطیف اور طاقتور ہے۔ اس سے زیادہ طاقت کے کام کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا جوں جوں انسان کثافت سے لطافت کی طرف جاتا ہے اور لطیف عناصر سے کام لیتا ہے اسی قدر اس کی طاقت بڑھتی

اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ سو اگر انسان عالمِ غیب اور عالمِ امر کی سب سے زیادہ لطیف اور الطف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح سے کام لے تو وہ بھاپ، بجلی اور ایٹمی طاقت سے کہیں ہزار گنا زیادہ طاقت پیدا کر کے نہایت حیرت انگیز اور محیر العقول کام کر سکتا ہے۔ ایک مادی عقل والا نفسانی آدمی روح کی نسبت اس قدر قیاس کر سکتا ہے کہ روح ایک کمزور ہوا کا جھونکا یا غیر مرئی لطیف بادل کا ٹکڑا یا روشنی کا ایک گولا ہوگا۔ پس اس میں اتنی وسعت، قوت اور قدرت کہاں سے آ سکتی ہے۔ یہ ان کم فہم لوگوں کی روح اور روحانی دنیا کی حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ یاد رہے کہ مادی دنیا کی بڑی بھاری، دخانی، برقی، اٹیمک انرجی کو اگر اکٹھا کیا جاوے تو ایک ادنیٰ جن اور عفریت کی باطنی طاقت ان سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ اور جن شیاطین سے ملائکہ اور فرشتے زیادہ لطیف ہیں اور ان سے بڑھ کر روحانی طاقت کے مالک ہیں۔ اور ملائکہ، فرشتوں سے روحانی باطنی طور پر طاقتور اور قوی تر ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر سے اپنی ظاہری اور باطنی حفاظت اٹھا لے تو ایک قوی ہیکل جن اور عفریت ستر ہزار کے قریب مادی نفسانی انسانوں کو ایک دم موت کے گھاٹ اتار دے۔ اسی طرح ایک فرشتہ اپنی ملکوتی طاقت سے اس قدر جنات کا ستیاناس کر دے اور تمام ملائکہ پر ایک کامل روحانی غالب آ جائے۔ سو انسانی جسم کے اندر نفس جنات کے مشابہ اور مماثل غیبی امری لطیفہ ہے۔

اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کے کلام کے نور سے زندہ اور تابندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اعمالِ صالح کے باطنی ہتھیاروں سے مسلح ہو جائے تو وہ اسی مخلوق کو نوری امر سے یعنی ہزار ہا اپنے ہم جنس جنات کو ایک دم میں حاضر کر کے انہیں مسخر اور مطیع اور منقاد کر سکتا ہے اور ان سے ہر قسم کی خدمت لے سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی طرح کے عمل سے جنات کو مطیع اور مسخر کر رکھا تھا۔ اور اسی روحانی طاقت کے ذریعے ملکہ بلقیس، اس کے امراء، وزراء اور تمام رعیت کو مسلمان کر کے مطیع اور منقاد بنا لیا تھا جس کا ذکر ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔

قرآنِ کریم پیغمبروں کے اس قسم کے حیرت انگیز روحانی کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن افسوس ہے ہمارے بعض نادان کم فہم نفسانی مولویوں پر جنہیں روحانی دنیا کی کبھی ہوا

بھی نہیں لگی۔ کہ جب وہ قرآنِ کریم میں اس قسم کی روحانی طاقت اور باطنی قوت کے مظاہروں کا حال پڑھتے ہیں تو انہیں اپنی ناقص مادی عقل پر منطبق کرنے کے لیے ان آیات اور معجزات کو توڑ مروڑ کر اور ان کی عجیب ناروا تاویلیں کرتے ہیں اور ان کی اصلیت اور حقیقت کو مسخ کر کے انہیں مداریوں کے کھیل اور شعبدہ بازی کے ہتھکنڈے ثابت کرتے ہیں۔

بھلا جو لوگ محض مکر اور فریب کی ٹٹی کی آڑ لے کر پیغمبری دعوے کر بیٹھے ہوں اور جن کے پاس زبردست روحانی طاقتوں اور باطنی قوتوں کے مقابلے میں محض زبانی باتیں اور فرضی جھوٹی پیشین گوئیاں ہوں۔ اور ایک جگہ مداری کے ہتھکنڈوں کا تھیلہ اور یورپ کے سپر چولسٹس میڈیم کے سفلی کرشموں کا ادنیٰ کیبنٹ (CABINET) اور پردہ بھی ان کے بناسپتی پیغمبر کے فرضی جھوٹے الہاموں اور پیشین گوئیوں سے زیادہ دقیع اور وزنی ہو۔ بھلا وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے اصلی قدرتی امری معجزات اور خوارق عادات کی ایسی بودی تاویلیں نہ کریں تو اور کیا کریں۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے — ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے
گوزِ خر و عیسیٰ کے نفس میں ہے بڑا فرق — ہر پھونکنے والے کو مسیحا نہیں کہتے
(میرانیس)

سو جس وقت عالمِ شہادت یعنی اس مادی کثیف جہان اور اس کی مخلوق کا اندازہ لگانا مادی عقل اور قیاس سے باہر ہے تو عالمِ غیب کے لطیف جہان اور اس کی مخلوق کو مادی حیوان کیوں کر معلوم کر سکتے ہیں۔ جس کے محسوس اور معلوم کرنے کے لیے نہ ان کے پاس غیبی لطیف حواس ہیں اور نہ وہاں تک ان کی پہنچ ہے۔ اور نہ اس جہان میں اب تک وہ پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ جنین کی طرح مادرِ دہر کے باطنی بطن میں پڑے ہوئے ہیں۔

سو جو سالک دنیا میں اللہ کی راہ میں مجاہدے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے راستے دکھا دیتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت ۲۹: ۶۹)۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ط (الذّٰریٰت ۵۱: ۵۰) اختیار کر لیتے ہیں وہ ضرور اپنے محبوبِ حقیقی سے واصل ہو جاتے ہیں۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مملکت کے ظاہری اور

باطنی خزانے دکھا دیتا ہے اور انہیں اپنی بارگاہِ خاص اور بارگاہِ اقدس کے ظاہری باطنی ملازم اور کارکن بنا لیتا ہے۔ اور جن، ملائکہ اور ارواح کو اس کے تابع اور فرماں بردار بنا دیتا ہے جن سے وہ جس وقت چاہے کام لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (الانعام ۶: ۷۵)۔ ترجمہ: اور اسی طرح دکھاتے رہے ہیں ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کے ملکوت تاکہ وہ اہلِ یقین سے ہو جائے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اپنی ساری عظیم الشان سلطنت اور مملکت دکھائی۔ اور اپنے خاص برگزیدہ بندوں کو قیامت تک دکھاتے رہیں گے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ (فاطر ۳۵: ۱۷)۔

احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم میں چند پیغمبروں کا ذکر آیا ہے۔ ہمارے اس پچھلے آدم علیہ السلام کو تقریباً سات ہزار سال ہوئے ہیں اور اس قدر بے شمار پیغمبروں کا سات ہزار سال کے اندر مبعوث ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً پانچ سو سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اور ایک نوح علیہ السلام کی عمر تقریباً نو سو سال بتائی گئی ہے۔ اس حساب سے اگر سترہ یا اٹھارہ پیغمبر ایک ہی سال میں مبعوث ہوں تب کہیں یہ تعداد پوری ہوگی۔ اور قرآن میں نہ تو حضرت آدم علیہ السلام کی صحیح تاریخ پیدائش مذکور ہے اور نہ کرۂ ارض یعنی اس زمین کے معرضِ وجود میں آنے کی ٹھیک مدت معلوم ہے۔ لہٰذا ہمیں یا تو اس قدر بے شمار پیغمبروں کی بعثت دیگر کروں پر ماننی پڑے گی یا ہمیں اس حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں پندرہ ہزار آدم ہوئے ہیں اور ہمارا جد حضرت آدم علیہ السلام آخری آدم ہے جس سے ہماری نسل چلی ہے۔ جیسا کہ شیخ محی الدین ابنِ عربی صاحبؒ اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ کی تحریر میں فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ کے اندر باطن میں چند روحانیوں سے ملاقی ہوا۔ اثنائے ملاقات علاوہ دیگر باتوں کے میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو دنیا سے رحلت فرمائے کس قدر عرصہ ہوا ہے تو انہوں نے دس بارہ ہزار سال کا عرصہ بتایا۔ اس پر میں نے ان سے سوال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو سات

ہزار سال ہو گئے ہیں۔ آپ ان سے پہلے کیوں کر پیدا ہوئے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کون سے آدم کا ذکر فرمار ہے ہیں۔ اس پر مجھے حدیث یاد آ گئی کہ جس میں مذکور ہے کہ پندرہ ہزار آدم دنیا میں ہو گذرے ہیں۔ اس طرح دنیا پر پندرہ ہزار دفعہ قیامت آئی ہے۔ اور بار بار نئی مخلوق پیدا ہوتی رہی ہے۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ ہم سے پہلے اس زمین پر طرح طرح کی مخلوق آباد رہی ہو۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ جن انسانوں سے پہلے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور زمین پر آباد رہے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ٥ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ٥ (الحجر ۱۵: ۲۶ ۔۲۷)۔ ترجمہ: ''بے شک پیدا کیا ہم نے آدم علیہ السلام کو بجنے والی سوکھی سڑی مٹی سے اور جانّ کو اس سے پہلے غیر مرئی آگ سے پیدا کیا۔'' غرض یہ جانّ جنات کا بابا آدم معلوم ہوتا ہے جس کی پیدائش ہمارے آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی ہے اور اس کی اولاد جنّ شیاطین ہم سے بہت عرصہ پہلے روئے زمین پر آباد رہی ہے۔ اور ابلیس (شیطان) بھی قومِ جنات میں سے تھا۔ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط (الکہف ۱۸: ۵۰) یعنی ''شیطان قوم جنات میں سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ کے امر سے پھر گیا تھا اور راندۂ درگاہ ہو گیا۔'' فرشتے اور ملائکہ تخلیقِ آدم سے پہلے ان کی کرتوت، فتنے فساد اور روئے زمین پر خوں ریزیاں دیکھ چکے تھے۔ اس واسطے تخلیقِ آدم کے وقت اعتراض کرنے لگے: اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط (البقرۃ ۲: ۳۰)۔ یعنی ''فرشتے عرض کرنے لگے کہ اے اللہ تو پھر ایسی مخلوق روئے زمین پیدا کرنے لگا ہے جو زمین پر فساد برپا کریں گے اور خون ریزی کریں گے۔ تیری تسبیح و تقدیس اور تحمید کے لیے ہم کافی ہیں۔'' سو تخلیقِ کائنات اور آفرینشِ عالم کا مسئلہ بہت مشکل، پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے اور اس کی نسبت سائنسدانوں، فلاسفروں اور ہیئت دانوں کے نظریے مختلف ہیں۔ لیکن یہ بات قرینِ قیاس اور تقریباً صحیح و درست ہے کہ ہماری اس زمین کو معرضِ وجود میں آئے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال ضرور ہو گئے ہیں۔ اور اس پر ہم سے پہلے بھی کئی قسم کی مخلوق آباد ہوتی چلی آئی ہے۔ سو اس سے تعجب ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ تعجب ان لوگوں کی عقل اور سمجھ پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلّاقی اور

مصوّری کو اور اس کی لازوال شان کو گھٹاتے اور محدود کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (الاعراف ۷: ۱۸۷)۔ یعنی آسمان اور زمین اس کی صفات کے تحمل سے عاجز اور قاصر ہیں۔

کس قدر خوش نصیب اور سعادت مند ہے وہ شخص جسے اس قدر عظیم الشان مقدس ذات اپنی طرف بلائے اور اپنے نام اور کلام کی چاشنی چکھائے اور اپنی معرفت، قرب، مشاہدے، وصال، دیدار اور فنا و بقا کے شرف سے سرفراز فرمائے۔ اے عاجز ناچیز و ہیچ مدان انسان تو کچھ نہیں تھا اس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔ تیری ابتدا خاک اور منی کا ناپاک قطرہ اور انتہا قبر کا مردار و بدبودار جیفہ اور پھر ناچیز مٹی ہے اور درمیان میں یہ تیری اکڑ، کبر اور غرور۔ اس خام حالت میں تو تیرا انڈہ گندہ اور ضائع ہونے والا ہے۔ ہاں اگر تو اس خام ناسوتی انڈے کو اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور مقدس کلام کی حرارت سے زندہ کرے گا تو وہ مرغِ لاہوتی اور شہبازِ لامکان بن کر فضائے اوجِ قدس میں پرواز کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا عرشِ اعظم اس کی جولان گاہ بنے گا۔ قولہ تعالیٰ: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ٥ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ٥ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا٥ (الدھر ۷۶: ۱۔۳)۔ ''کیا نہیں آیا انسان پر ایسا زمانہ جب کہ اس کا نہ کوئی نام و نشان اور نہ ذکر مذکور تھا۔ پھر ہم نے اسے ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کی آزمائش کریں۔ لہٰذا ہم نے اسے ایک شنوا اور بینا زندہ انسان کی صورت دی۔ پھر ہم نے اسے اپنی طرف راستہ بتایا۔ تا کہ دیکھیں کہ آیا وہ اس پر چل کر شکر گذاری کرتا ہے یا اس سے منہ موڑ کر کفرانِ نعمت کرتا ہے۔'' سو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کی طرف جانا اور اس کے نام سے زندہ ہو کر اس کی معرفت، قرب، مشاہدہ، وصال، فنا اور بقا حاصل کر کے اس سے زندہ ہو جانا اور اس قدر عظیم الشان دولتِ ابدی پانا بے شک باعثِ شکر اور جائے شکر ہے۔ لیکن اس کے ذکر سے اعراض اندھا پن بلکہ ابدی موت ہے اور کفرانِ نعمت ہے۔ حدیث: اِذَا ذَكَرْتَنِيْ شَكَرْتَنِيْ وَاِذَا نَسِيْتَنِيْ كَفَرْتَنِيْ ۔ یعنی جس وقت تو نے اے بندے مجھے یاد کیا تو تو نے میری نعمتِ ذکر کی قدر جانی اور شکریہ ادا کیا۔ لیکن جس وقت تو نے مجھے بھلا دیا اور میری یاد

سے غافل ہوا تو تو نے میرے نام اور ذکر کی قدر نہ جان کر کفرانِ نعمت کیا اور اندھا اور محروم رہا۔ قولہٗ تعالیٰ: وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ (طٰهٰ ۲۰ : ۱۲۴)۔ ''جس نے میرے ذکر سے اعراض اور کنارہ اختیار کیا اس نے گویا اپنے اوپر باطنی روزی بند کر ڈالی۔ اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کھڑا کریں گے۔'' انسان کا ناسوتی وجود ایک خام تخم اور ادنیٰ دانہ ہے۔ اگر اس کی پرورش اور تربیت نہ ہوئی اور اس نے اپنی خام ہستی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مٹی کر کے نیست و نابود نہ کیا تو وہ ہرگز زندہ اور سرسبز نہ ہوگا۔ وہ پہلے اپنے خام تخم کو مٹی میں ملائے گا اور کسی مالی اور باغبان کے ہاتھوں اسے ذکر اسم اللہ ذات کا پانی پلائے گا تب وہ ضرور کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ○ (ابرٰهیم ۱۴ : ۲۴) وہ شاندار شجرِ طوبیٰ بنے گا کہ جس کی جڑ تو زمین میں ہوگی اس کی شاخیں آسمانوں میں پھیل جائیں گی۔

اے ہیچ انسان! اگرچہ ابتدا میں تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن اس کے پاک نام اور مقدس کلام کے نور اور برکت سے تو سب کچھ ہو جائے گا۔

ابیات

یا رب از عرفان مرا پیمانہ سر شار دہ ۔۔۔ چشمِ بینا جان آگاہ و دل بیدار دِہ
ہر سرِ موئے حواسِ من براہے می رود ۔۔۔ این پریشان سیر را در بزم وحدت بار دہ
مُدّتے گفتار و کردارے کہ کردی مرحمت ۔۔۔ روزگارے ہم بمن کردار بے گفتار دہ
شیوۂ اربابِ ہمت نیست جودِ ناتمام ۔۔۔ رخصتِ دیدار دادی قوتِ دیدار دہ

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے کیوں کہ ہر پھل اپنے درخت کا ماڈل اور نمونہ ہوتا ہے۔ اور ہر پھل اپنے ڈلیوں کے اندر ایک بہت باریک اور چھوٹا بزر ایک بیج در بیج اپنے درخت کے مشابہ ماڈل اور عکس ہوتا ہے۔ جو تربیت سے بڑھ کر درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی عنصری جسم بھی تمام کائنات کا خاصہ خلاصہ نمونہ اور ماڈل اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اگر وہ زندہ ہو جائے تو اس کے تناور شجر کی شاخیں تمام کائنات میں پھیل جاتی ہیں۔ بلکہ وہ تمام کائنات کی روح اور جانِ جہان بن جاتا ہے۔ اب ہم جسمِ انسان کی تھوڑی سی تشریح کیے دیتے ہیں کہ وہ کس طرح تمام کائنات کا ماڈل ہے۔

انسانی جسم بے شمار خلیوں سے مرکب ہے جنہیں انگریزی میں سیلز (CELLS) کہتے ہیں اور پھر ہر خلیہ بجائے خود ایک انسانی ماڈل اور نمونہ ہے۔ اور ہر خلیہ اگر زندہ ہو جائے تو ہر خلیے کے اندر پانچوں انسانی حواس نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کے تجربے اور مشاہدے اب دنیا میں عام طور پر بہت پائے جاتے ہیں کہ بعض لوگوں کی آنکھیں بالکل بند کر کے ان پر پٹی باندھ دی جاتی ہے لیکن وہ جسم کے دوسرے حصے مثلاً ماتھے یا کسی دیگر عضو اور جسم کے دوسرے حصے سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہر بیرونی اشیا کو محسوس اور معلوم کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام کائنات کا ایک مکمل ماڈل، نمونہ اور خلیہ ہے۔ اور تمام کائنات کی اشیا میں اس قسم کی ایک مناسبت، مجانست اور مماثلت موجود ہے اور یہی توحید کی بنیاد ہے۔

(الف) جسم انسانی پر جب غور کرتے ہیں تو اس میں مختلف مناظر نظر آتے ہیں۔ مثلاً (۱) **چار ارکان**: مٹی، ہوا، پانی اور آگ۔ (۲) **چار طبائع**: یبوست، رطوبت، حرارت اور برودت۔ (۳) **چار اخلاط**: بلغم، صفرا، خون اور سودا۔ (۴) **نو طبقات**: سر، منہ، گردن، سینہ، پیٹھ، کمر، ران، ساق اور پاؤں۔ (۵) ۲۴۸ مختلف ہڈیاں مختلف ستون ہیں۔ (۶) ۷۵۰ پٹھے رسیاں۔ (۷) **آٹھ خزانے اور ان کی مختلف تھیلیاں**: نخاع، پھیپھڑے، دل، جگر، تلی، معدہ، انتڑیاں اور گردے ہیں۔ (۸) ۳۶۰ راستے اور شارع عام عروق ہیں۔ (۹) ۳۹۰ وریدیں نہریں ہیں (۱۰) **سات دروازے**: آنکھیں، کان، ناک، پستان، منہ اور دو شرم گاہیں ہیں۔

(ب) جسمِ انسانی ایک انوکھا اور عجیب شہر ہے جس میں مختلف عمال اور پیشہ ور کام کرتے ہیں۔ مثلاً (۱) معدہ ایک باورچی ہے جو کھانے پکاتا ہے۔ (۲) جگر ایک عطار ہے جو غذا کے جوہر اور عرق بنا رہا ہے (۳) پتہ ایک حکیم ہے جو تیزاب ملا رہا ہے۔ (۴) انتڑیاں، جلد، گردے اور پھیپھڑے، بھنگی اور جاروب کش ہیں، جو جسم کے شہر کی گندگی، اور گندے مواد فضلے، پسینے، پیشاب اور ہوا کی صورت میں نکال رہے ہیں اور جسم کی صفائی کرتے ہیں۔ (۵) جسم میں ایک شعبدہ باز ہے جو چیزوں کو آن فان میں تبدیل کرتا ہے۔ خوراک کو خون اور خون کو گوشت میں تبدیل کرتا ہے۔ (۶) ایک بھٹا پکانے والا ہے جو ہڈیوں کی اینٹیں پکاتا ہے۔ (۷) ایک جولاہا کام کر رہا ہے جو اعصاب اور جھلیاں بن رہا

ہے۔(۸) ایک درزی کام کررہا ہے جو جسم کے لباس کے چاکوں کو سی رہا ہے یعنی جسم کے زخموں کو مندمل کررہا ہے۔(۹) ایک رنگ ساز مصروفِ کار ہے جو دانتوں اور ہڈیوں کو سفید، بالوں کو سیاہ اور خون کو سرخ اور دیگر اجزائے جسم کو طرح طرح کے گوناگوں رنگ چڑھا رہا ہے۔(۱۰) ایک مصور اور فوٹوگرافر ہے جو ماں کے پیٹ کے پردے اور اندھیرے میں بچے کی تصویر بنارہا ہے۔(۱۱) ایک بڑھئی، لوہار، موچی، سنار اور کیا کیا کاریگر اور پیشہ ور لگے ہوئے ہیں جو عمارتِ جسم کو جوڑتے اور اس کی سخت ہڈیوں کے مقام پر چمڑے اور گوشت کے گدیلے سیتے اور اس کو خط و خال اور زیوراتِ حسن و جمال سے آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔وَقِسْ عَلٰی ذٰلِکَ۔

(ج) جسمِ انسانی ایک چھوٹی کائنات ہے جس میں (۱) زمین گوشت اور پوستِ انسانی ہے۔(۲) پہاڑ ہڈیاں ہیں۔(۳) معادن مخ، جگر، دِل، تلی، پتہ اور گردے وغیرہ۔(۴) سورج اور چاند، دل اور دماغ۔(۵) ستارے حواس، قویٰ مختلفہ، عقل، قوتِ متخیلہ، حافظہ وغیرہ۔(۶) سمندر، پیٹ (۷) دریا اور نہریں رگیں، شریانیں، وریدیں وغیرہ (۸) بدررو انتڑیاں (۹) جنگل بال وغیرہ (۱۰) میدان ماتھا، پیٹھ وغیرہ (۱۱) ہوا تنفس (۱۲) صبح کی روشنی خوشی و مسکراہٹ (۱۳) رات کی تاریکی غم واندوہ (۱۴) بارش رونا آنسو (۱۵) موت نیند، جہالت (۱۶) حیات بیداری و علم (۱۷) موسمِ بہار بچپن (۱۸) گرما جوانی (۱۹) خزاں وسرماں بڑھاپا (۲۰) رعد و برق غصہ۔

(د) انسان میں جملہ حیوانات کیا چرند اور کیا پرند سب جمع ہیں۔قولہ تعالیٰ: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ (الانعام ۶: ۳۸) (ترجمہ) ''اور نہیں ہے کوئی جانور زمین پر اور نہ پرندہ جو دو پروں سے اڑتا ہو مگر تمہاری مثالی صورتیں ہیں۔(۱) شیر بہادری ہے (۲) خرگوش بزدلی (۳) لومڑی مکر (۴) بھیڑ سادہ لوحی (۵) ہرن تیز خرامی (۶) کچھوا سستی (۷) اونٹ اطاعت (۸) چیتا سرکشی (۹) شترمرغ گمراہی (۱۰) بلبل گویاپن (۱۱) گدھا بدآوازی (۱۲) مرغ نفع رسانی (۱۳) چوہا ضرر رسانی (۱۴) مور زینت (۱۵) گھوڑا وفا (۱۶) سانپ مردم آزاری (۱۷) کبوتر ہوا (۱۸) الو خود فراموشی۔اسی طرح تمام جانور انسان میں موجود ہیں۔

(ر) نیک اعمال و اوصافِ حمیدہ کی صورت میں انسان کے اندر تمام ملائکہ جمع ہیں۔ اور بدعملیوں اور اخلاقِ ذمیمہ کے باعث انسان جملہ شیاطین کا مجموعہ ہے۔

غرض انسان تمام کائنات کا ایک مکمل ماڈل اور نمونہ اور پھل ہے۔اگر اس کی باقاعدہ پرورش اور تربیت ہوجائے۔اور کامل امامِ مبین بن جائے تو ساری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے سب اس میں ہویدا ہوجاتے ہیں۔وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ○ (یٰسٓ ۳۶: ۱۲)۔ترجمہ: ''اور ہر چیز کو ہم نے ایک کامل انسان کے اندر جمع کردیا ہے۔''

زمین و آسمان و عرش و کرسی ہمہ در تست تو از کہ پرسی

بلکہ خالقِ کائنات کی زمین، آسمان، عرش و کرسی اور کل کائنات میں سمائی نہیں ہوسکتی لیکن مومن کے دل میں سماجاتا ہے۔ایک انسان مشکل سے اس بات کا یقین اور تصور کرسکتا ہے کہ انسان کے اس چھوٹے سے جسم میں اس قدر کائنات کیوں کر آسکتی ہے۔لیکن جب ہم آم کی گٹھلی کو دیکھتے ہیں تو بڑی مشکل سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس چھوٹی سی گٹھلی میں سے اس قدر اونچا اور تن آور درخت مع بڑی بڑی ٹہنیوں، شاخوں، پھل اور پتوں وغیرہ کے پیدا اور ہویدا ہوسکتے ہیں۔سو انسان بغیر تربیتِ باطنی بالکل ہیچ اور ناچیز ہے۔اور تربیتِ باطنی اور روحانی پرورش سے بہت بڑی چیز بلکہ سب کچھ بن سکتا ہے۔اس قیاس اور اندازے سے ہمارے سابق بیان کردہ لطائف یعنی لطیفۂ نفس، قلب، روح وسرّ وغیرہ کے درمیان اتنا بڑا فرق اور امتیاز بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ جب ایک پھل مثلاً آم کی گٹھلی زندہ اور سرسبز ہوجاتی ہے تو اس میں ایک شاندار درخت کے علاوہ ہزاروں اس جیسے پھل نکل آتے ہیں۔اسی طرح انسان کے ناسوتی پھل میں سے جب قلب کا ملکوتی شجر سرسبز ہوکر سر نکالتا ہے تو اس میں سے ہزاروں معنوی انسان پھلوں کی صورت میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور اگر نفس کی ایک زبان سے پہلے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کا نام اور کلام پڑھتا تھا تو اب قلب کے ملکوتی جسم سے ستر ہزار زبانوں سے اللہ تعالیٰ کا نام لے گا اور اس کا کلام پڑھ رہا ہوگا۔ اسی طرح لطیفۂ روح اور لطیفۂ سرّ وغیرہ کو قیاس کرلینا چاہیے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان رات کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس ذاکر کے ذکر سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کے ستر ہزار سر ہوتے ہیں اور ہر سر میں ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں اور

وہ ان ساری زبانوں سے ذکر کرتا ہے۔ اور اس کا ثواب اس ذاکر کو ملتا ہے۔ سو اس حدیث میں اس قسم کے پرندے کا اشارہ لطائفِ قلب اور ارواح کے ملکوتی اور لاہوتی پرندوں کی طرف ہے کہ جب کوئی سالک زندہ دل اور زندہ روح اللہ اللہ کرتے اور کلام پڑھتے سو جاتا ہے تو سوتے وقت اس کا زبانی ذکر لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کا قلب اور روح ذکر اللہ سے اس طرح گویا ہو جاتے ہیں کہ اس ذاکر کی باطنی صورت ایسے پرندے اور مرغ کی سی ہو جاتی ہے کہ جس کے ستر ہزار سر ہوتے ہیں اور ہر سر میں ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں اور وہ باطنی مرغ بلبلِ ہزار دستان بن کر ستر ہزار زبانوں سے اللہ اللہ کرنے لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتا ہے۔ بلکہ عارف سالک جس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلوک کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتا ہے تو تمام کائنات و مافیہا اور جن، ملائکہ اور ارواح اس کے ذکر اور دعوت میں اس کے ہمراہ شامل ہو جاتے ہیں اور ان سب کا ثواب اس سالک کو ملتا ہے۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کی بابت قرآن میں مذکور ہے کہ پہاڑ اور پرندے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح میں شریک اور شامل ہو جاتے تھے۔ قولہٗ تعالیٰ: یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ (سبا ۳۴: ۱۰)۔ قولہٗ تعالیٰ: وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ؕ (الانبیآء ۲۱: ۷۹)۔ (ترجمہ) ”اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مسخر کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک اور شامل ہو جاتے تھے۔“ سو یہ شمولیت کوئی ڈھکوسلہ یا گپ نہیں ہے کہ جسے گونج وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکے یا پرندوں اور پہاڑوں کی زبانِ حال سے حمد و تسبیح سمجھ لیا جائے جیسا کہ بعض نفسانی ظاہر بین مفسروں نے اس کی تعبیر اور توجیہہ کی ہے۔ یہ گونج اور زبانِ حال سے حمد و تسبیح تو ہر انسان کے لیے عام ہے اس میں صرف داؤد علیہ السلام کی تخصیص اور امتیاز کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ عارفِ کامل کے ساتھ کائنات کی اشیا کیا جاندار اور کیا بے جان سب کے ذکر میں شمولیت ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ استعاروں اور اشاروں کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ غرض ہر عارف کامل انسان کا جس قدر ظرف وسیع ہوتا ہے اسی قدر اس کے ذکر میں طاقت اور وسعت ہوتی ہے۔ اور اس کے ذکر میں اسی قدر زیادہ ذاکرین کی شمولیت ہوتی ہے۔ سو داؤد علیہ السلام کے وجود کے ظرف میں اس قدر وسعت تھی کہ اس میں اس کی حمد و

تسبیح کے ہمراہ پہاڑ اور پرندے شریک ہو جاتے تھے۔ لیکن اسی باطنی ذکر، حمد و تسبیح اور تلاوت وغیرہ کی نوعیت اور کیفیت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر یہ کیفیت وارد ہوتی ہے۔ کور چشم ظاہر بین لوگ اس حقیقت سے بالکل ہی بے خبر ہیں۔

ع ذوقِ این بادہ نیابی بخدا تا نہ چشی

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ سابق کے تمام پیغمبروں کو ان کی وسعت اور استعداد کے موافق دو قسم کی آیات اور معجزات عطا فرمائے تھے: ایک آیاتِ آفاق، دوم آیاتِ انفس۔ قولہٗ تعالیٰ: سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱: ۵۳)۔ (ترجمہ) ”اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں لوگوں کو اپنی آیات اور نشانیاں آفاق اور انفس میں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا معاملہ حق ہے۔ آفاقی آیات ظاہری، مادی اور خارجی ہوا کرتی ہیں جسے انگریزی میں (OBJECTIVE) کہتے ہیں۔ اور آیاتِ انفس باطنی، ذہنی اور داخلی ہوتی ہیں جن کو سب جیکٹو (SUBJECTIVE) کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام آیات اور معجزات آفاقی اور خارجی قسم کے تھے۔ اس لیے وہ آپؑ کے پیروؤں میں منتقل نہ ہو سکے اور آپؑ کے انتقال فرمانے کے بعد آپؑ کے وفات کے ساتھ ختم ہو گئے۔ برخلاف اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات آیاتِ انفس کی قسم کے تھے اور وہ آپؑ کے بعد آپؑ کی امت کے خاص خاص حواریوں میں منتقل ہوتے رہے۔ چنانچہ آپؑ کے جانشین بھی آپؑ کی روحانی اور باطنی کرشمے دکھا دکھا کر دینِ عیسوی پھیلاتے رہے۔ اور مجنونوں، لولے لنگڑوں، جذامیوں اور مادرزاد اندھوں کو ہاتھ سے چھو کر اچھا اور تندرست کر لیا کرتے تھے۔ لیکن جس وقت آپؑ کی امت میں ان آیاتِ انفس اور روحانی کمالات کے سچے وارث اور جانشین باقی نہ رہے تو باطنی استعداد اور روحانی قابلیت عیسائیوں میں مفقود ہو گئی۔ اور دین کا معاملہ ظاہری خشک کور باطن پادریوں کے ہاتھ میں آ گیا تو انہوں نے لوگوں کو تثلیث اور کفارے کی طفل تسلیوں اور بھول بھلیوں کے فرضی سبز باغوں میں ڈال دیا۔ یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد علمائے یہود کا تھا کہ ان میں بھی جھوٹے مشائخ اور بے عمل علما طرح طرح کے حیلے حوالوں سے لوگوں کو

لوٹتے رہے۔

ہمارے پاس جملہ ظاہری و باطنی علوم وفنون اور تمام اولین وآخرین پیغمبروں کے صوری ومعنوی کمالات وخوارق عادات ومعجزات اور ہر دو آیاتِ انفس وآفاق کا خزانہ اور معدن قرآنِ کریم میں موجود ہے اور یہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت تک ایک معجزہ جاریہ ہے۔ اور اس کے ظاہری وباطنی کمالات اور فیوضات وبرکات قیامت تک جاری رہیں گے۔ کیوں کہ اس میں سورج کی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور جلوہ گر ہے جس کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ اور اس میں آفتاب کے سات رنگوں کے مطابق سات مختلف لطائف یعنی لطائفِ نفس، قلب، روح، اور سرّ وغیرہ کی زندگی اور تابندگی کے لیے سات بطون کا نور ودیعت کیا گیا ہے۔ کہ اس قسم کا شخص عام، خاص الخاص اور اخص وغیرہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے اور قیامت تک حاصل کرتا رہے گا۔ خلاف اس کے دیگر پیغمبروں کے معجزات اور آیات صفاتی نور کی حامل تھیں اور وہ دورِ مدتِ زمان اور وسعتِ مکان کے ساتھ رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔ اور ان کی کتابیں بھی ان کے جھوٹے، بے عمل، ریاکار جانشینوں کی دست برد اور لوٹ کھسوٹ سے بچ نہ سکیں۔ اور ان کی بے جا تحریف اور تصرف کا شکار ہو گئیں۔ دین اور مذہب کی اصلی صورت مسخ ہو گئی۔ چنانچہ وہ ادیان اور ان کی کتابیں قرآنِ کریم کے نزول کے ساتھ منسوخ ہو گئیں۔ حتیٰ کہ وہ زبانیں بھی جن میں وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں صفحۂ ہستی سے محو اور مفقود ہو گئیں۔ آفتابِ ذات کے طلوع سے نجومِ صفات کا غائب ہونا لازمی اور ضروری تھا۔ جیسا کہ بوصیری شاعر فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ — وَكِتَابَهٗ اَقْوٰى وَاَقْوَامُ قِيْلًا

لَا تَذْكُرُوْا الْكُتُبَ السَّوَالِفَ عِنْدَهٗ — طَلَعَ الصَّبَاحُ فَاطْفِئُوْا قَنْدِيْلًا

ترجمہ: ''اللہ اکبر! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور آپؐ کی کتاب سب ادیان اور کتابوں سے زیادہ غالب اور زبردست ذاتی نور کی حامل ہے۔ اس کی موجودگی میں دیگر دینوں اور مذہبوں اور ان کی کتابوں کا نام ہی نہ لو۔ کیونکہ قرآن اور اسلام کے ذاتی نور کا آفتاب افقِ دنیا پر طالع ہو گیا ہے۔ اب شمعیں بجھا دینی چاہئیں۔ ان کی ضرورت باقی مطلق نہیں رہی۔

غرض محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن، دین اور نبوت بذاتِ خود آفتاب کی طرح ثابت اور نمایاں وتاباں ہے اور کسی غیر کے نور اور دلیل کی محتاج نہیں ہے۔

ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

بلکہ دینِ اسلام اور قرآنِ کریم کا آفتاب دیگر ادیان اور ملل کے چاند اور ستاروں کو بھی روشن اور ثابت کرنے والا ہے۔ چنانچہ پچھلے پیغمبروں کے دین، ان کی کتابیں، ان کے نام اور نشانیاں اور معجزات کسی طرح ثابت ہی نہیں ہو سکتے جب تک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن کو پہلے نہ مان لیا جائے۔ اس علم اور روشنی کے زمانے میں بھی پچھلے زمانے کے نبیوں کے دین، ان کی کتابیں اور معجزات تب ہی ثابت ہو سکتے ہیں کہ قرآنِ کریم ان کی شہادت دے۔ پس دنیا میں آج صحیح آسمانی کتاب قرآن اور سچا برحق دین اسلام ہے جسے ہر منصف مزاج اور سلیم العقل انسان سمجھ سکتا ہے۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی ایک نوری غیر مخلوق اور قدیم کلام ہے۔ جس طرح انسان کے اندر سات مختلف لطائف نفس، قلب، روح، سرّ، خفی، اخفیٰ، انا بالقوہ لپٹے ہوئے موجود ہیں اسی طرح قرآن کے بھی سات بطون ہیں۔ اور انسان کا ہر لطیفہ قرآن کے ہر بطن سے مراتب بمراتب استفادہ حاصل کرتا ہے۔ اور اسلام، ایمان، ایقان، عرفان، قرب، فنا، بقا کے مدارج پر فائز ہوتا ہے۔ اور ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت، اور ہویت کے مقامات تک پہنچتا ہے۔ اور اگلا اعلیٰ درجہ، مرتبہ اور مقام اپنے پہلے ادنیٰ درجے اور مقام سے ثواب، برکت، فیض اور سعادت میں ستر ہزار گنا بڑھ کر ہے۔ اور یہ ستر ہزار کی تعداد محض مبالغہ، ڈھکوسلہ اور تخمینہ ہرگز نہیں ہے بلکہ صحیح اندازہ اور ٹھوس حقیقت ہے۔ اور قرآن کے پڑھنے کے مختلف جسم، الگ زبانیں اور علیحدہ طور طریقے ہیں۔ چنانچہ اگر قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانا جائے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ قرآن کا ایک پڑھنا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بے کام بے زبان اپنی قدیم قدرت سے پڑھا ہے اور وہ پڑھا جا رہا ہے اور ہمیشہ پڑھا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ (القیمۃ ۷۵:۱۸)۔ یعنی جب ہم اسے پڑھیں تو تو اے نبی ﷺ اس کی تبع میں قرآن پڑھ۔ دوسری صورت قرأت کی وہ ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے پڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اور دل

پر القا کر کے نازل فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ٥ (البقرۃ ۲: ۹۸) ۔تیسری صورت دعوتِ قرآن کی وہ ہے جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات لطائف کے پاک اجسام سے اور سات قسم کی پاک زبانوں سے تلاوت فرمائی ہے۔ اور ہر زبان سے پڑھنے کا ثواب، برکات اور فیوضات الگ الگ ہیں اور یہ فیوضات اور برکات آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت میں بھی بطور وراثت اور نیابت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ٥ (الحجر ۱۵: ۸۷)۔ تحقیق ہم نے دیں آپ ﷺ کو سات دُہری سورتیں اور قرآنِ عظیم۔

سو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرآن پڑھنے کی ایک تلاوت وہ تھی جو آپ ﷺ ظاہری زبان سے وقتاً فوقتاً تیئس سال کے عرصے میں حسبِ موقع دورانِ نزول صحابہ کرام کو تھوڑا تھوڑا سناتے رہے ہیں اور کتابی صورت میں لکھواتے رہے ہیں۔ دوسری دعوتِ قرآن کی وہ صورت ہے جسے آپ ﷺ زبانِ نفس سے پڑھتے رہے ہیں اور اس کے پڑھنے پر جنات آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ اور وہ قرآن سن کر جنات اسلام لائے ہیں اور آپ ﷺ کے مطیع اور منقاد ہوئے ہیں۔ اور ایک خاص الخاص صورت دعوتِ قرآن کی وہ ہے کہ جو آپ ﷺ نے زبانِ قلب و زبانِ روح سے پڑھی ہے اور جس کی دعوت پر ملائکہ اور ارواح کا نزول ہوتا رہا ہے۔ اور قرآنی دعوت کی یہ صورت آپ ﷺ پر ماہِ رمضان میں لیلۃ القدر کی رات وارد ہوئی اور قرآن کے پڑھنے کی یہ شان اب بھی موجود ہے۔ لیکن دعوتِ قرآن کی یہ شان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تام متابعت اور آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے ہمدم، ہمقدم، ہم جسم، ہم جان و ہم زبان ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ خالی رمضان کے آخری عشرے کی کسی معین اور مخصوص رات کے زمان اور مکان میں منحصر اور مقید نہیں ہے کہ ہر خاص و عام آدمی اس رات خالی جاگنے یا زبانی ذکر کرنے سے اسے پا سکے۔ چنانچہ لیلۃ القدر کے اس ممتاز اور مخصوص برکت اور سعادت کے حصول کے لیے کئی سادہ لوح بیچارے ساری ساری رات جاگتے گذار دیتے ہیں۔ لیکن انہیں اس برکت اور سعادت کی ایک تھوڑی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ اور آخر اسی پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں

کہ چلو آخرت میں ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ثواب ملے گا۔ اب ہم اس جگہ قرآن کی اس خاص دعوت اور تلاوت اور لیلۃ القدر کی برکت کی صحیح توجیہہ اور فلاسفی بیان کرتے ہیں جو آج تک ایک رازِ سربستہ کی طرح مخفی چلی آئی ہے اور ہم سے پہلے کسی نے آج تک اسے بیان نہیں کیا۔ دانا سلیم العقل اور حق شناس اسے سن کر خوش وقت اور محظوظ ہوں گے اور اس کی دلی داد دیں۔ لیکن حاسد، کورچشم، خشک مزاج اشخاص پھر بھی ناک بھوں چڑھائیں گے اور چون وچرا کریں گے۔ جیسا کہ ہر نئی عجیب بات پر یہ لوگ کیا کرتے ہیں خواہ وہ عین حقیقت اور کمال صحت پر مبنی ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب غارِ حرا کے اندر پہلی دفعہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو کہا کہ اِقْرَاْ یعنی قرآن پڑھ تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: اَنَا لَيْسَ بِقَارِئٍ ۔ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، میں کیا پڑھوں۔ تو اس کے بعد جبرائیل علیہ اسلام نے آپ ﷺ کو تین دفعہ سینے سے لگایا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر دفعہ جبرائیل کے دبانے سے مجھ پر اس قدر سخت ثقیل اور بھاری دباؤ محسوس ہوتا تھا کہ زمین اور آسمان مجھ پر تاریک ہو جاتے تھے۔ آخر جب تیسری دفعہ جبرائیلؑ نے سینے سے لگاتے اور دباتے ہوئے کہا اِقْرَاْ تو اس وقت جبرائیلؑ کی قرأت کے ساتھ ساتھ میری زبان پر قرآن کی سورۃ اِقْرَاْ جاری ہوئی۔ یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ٥ (العلق ۹۶: ۱)۔ پڑھ اے محمد ﷺ اپنے اس رب کے اسم کی برکت سے جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ (العلق ۹۶: ۲) اور انسان کو پیدا کیا منی اور منجمد خون سے۔ یہ خاص وقت جبرائیل امین کی تلقین اسم اللہ ذات کا تھا کیوں کہ اسم اللہ ذات شجرِ قرآن کے لیے بمثل تخم اور پھل کے ہے کہ جس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سینے سے تین دفعہ لگاتے ہوئے اسم اللہ ذات آپ ﷺ کے سینے میں منتقل کر دیا اور وہ تخمِ قرآنی شجر بن کر پھوٹنے لگا تو آپ ﷺ کی زبان پر قرآن جاری ہو گیا۔ لیکن قرآن کی عظمت اور ثقالت سے آپ بے تاب ہو گئے اور جس وقت آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ یعنی مجھ پر گودڑی ڈال دو۔ کیوں کہ ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ جس وقت نور اور روشنی کی شدت سے انسان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں تو وہ اس شدت کو روکنے کے لیے کسی حجاب اور پردے

کی آڑ لیتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسی طرح کیا اور اسی گودڑی کے حجاب اور پردے کے سبب آپ ﷺ کو مزمّل کے خطاب سے دوسری دفعہ مخاطب فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ٥ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ٥ نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا ٥ اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ٥ (المزمل ۷۳: ۱۔۴)۔ یعنی نورِ قرآن کی شدت اور ثقالت کو گودڑی کے حجاب سے ڈھانپنے اور روکنے والے! رات کو تھوڑا سا اٹھا کر۔ تقریباً آدھی رات یا اس سے کم یا زیادہ جاگ کر اور سہج سہج قرآن پڑھا کر۔ اور اسی سورت میں آگے آیا ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط (المزمل ۷۳: ۲۰)۔ یعنی تھوڑا سا قرآن جس کا پڑھنا تم پر آسان ہو پڑھا کرو۔ یہ تو قرآن کے آسان اور تھوڑا پڑھنے کی تلقین ہے جو انسان اس ناسوتی زبان سے ہر رات تہجد میں حسبِ توفیق آدھی رات یا اس سے کم یا زیادہ جاگ کر پڑھتا ہے۔ یہ تو عام راتوں کا ذکر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک خاص رات کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے جس کا نام لیلۃ القدر ہے کہ جس میں تمام قرآن یکدم نازل ہوا۔ اور وہ عالمِ ناسوت کی رات ہے کہ جس میں قلب اور روح کا ملکوتی اور روحانی مزمل نفس اور جسمِ عنصری کی گودڑی اتار کر زبانِ قلب اور روح سے قرآن پڑھتا ہے تو قرآن کا نور ملکوتی اور روحانی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ اور وہ نور ملائکہ اور ارواح کی غذا بنتا ہے۔ اور ملائکہ اور ارواح اس قرآنی نور سے پر اور مملو قلب پر اس طرح گرتی ہیں جس طرح شہد کے چھتے پر شہد کی مکھیاں گرتی ہیں اور غذا حاصل کرتی ہیں۔ یہ وہ شانِ قرآن ہے کہ جس کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے قرآن کے نزول کی ایک شان ایسی ہے کہ اس کے نزول کے وقت مجھے ایسی آواز سنائی دیتی ہے جس طرح کہ بے شمار شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔ سو وہ نزولِ قرآنِ کریم لیلۃ القدر کی رات کا ہے کہ جس کی دعوت اور قرأت پر ملائکہ اور ارواح نازل اور حاضر ہوتی ہیں۔ اور اس ایک رات کا رتبہ اور درجہ دوسرے ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے۔ قولہ تعالیٰ: اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ٥ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ٥ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ٥ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ۚ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ٥ (القدر ۹۷: ۱۔۴)۔ (ترجمہ) "ہم نے تمام قرآن کو اپنے نبی ﷺ کے دل پر لیلۃ القدر یعنی عزت والی رات کے اندر نازل کیا۔ اور اے ظاہر بین کم فہم

نفسانی آدمی! تو لیلۃ القدر کی قدر و منزلت اور عزت کیا جانے۔ لیلۃ القدر تو ہزار مہینوں سے ثواب اور درجے میں بڑھ کر ہے کیوں کہ اس قرأت اور دعوتِ قرآن کے وقت آسمان سے ملائکہ اور ارواح اللہ تعالیٰ کے امر سے نازل ہوتی ہیں۔" سو قرآن کے عام طور پر ظاہر جسم اور ظاہر زبان سے پڑھنے کا طور طریقہ وہ ہے جس کا ذکر سورۂ مزمل میں آیا ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کی خاص قرأت اور شانِ نزول وہ ہے کہ جس کا ذکر سورۂ قدر میں آیا ہے کہ جب عارف سالک نفس اور جسمِ عنصری کی گودڑی اتار کر زبانِ قلب اور روح سے قرآن پڑھتا ہے اور اس خاص قرأتِ قرآن کا ثواب اور درجہ عام قرأتِ قرآن سے ستر ہزار گنا ہے۔ یعنی اوّل الذکر عام قرأت میں آدھی رات کا پڑھنا ہے اور خاص رات کا پڑھنا ہزار مہینے سے بڑھ کر ہے تو اب ہم اس خاص رات کی عام راتیں بنا کر دیکھتے ہیں۔ ہر مہینے کی تیس راتیں ہوتی ہیں اور ہزار مہینے کی راتیں تیس ہزار راتیں بن گئیں اور آدھی راتیں ساٹھ ہزار ہوئیں یعنی ۲×۳۰×۱۰۰۰=۶۰۰۰۰ لیکن عام راتوں میں گاہے نصف رات سے کچھ کم پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ ساتھ ہی خاص رات لیلۃ القدر ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے تو یہ تعداد ساٹھ ہزار سے بڑھ کر ستر ہزار ہو جاتی ہے۔ اور زبانِ قلب سے پڑھنے کا درجہ اور ثواب عام ظاہری نفس کی زبان سے ستر ہزار گنا بن جاتا ہے۔ فہم من فہم۔

رباعی

کوثر چکد از لبم باین تشنہ لبی — خاور دمد از شمم باین تیرہ شبی

اے دوست ادب کہ در حریمِ دلِ ماست — شاہنشہِ انبیا و رسولِ عربی

(گرامیؔ جالندھری)

اللہ تعالیٰ کے خاص چیدہ اور برگزیدہ صاحبِ قدر لوگ جو اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور مقدس کلام اور عزیز وقت کی قدر جانتے ہیں ایسے خوش نصیب عارف خلیل کو اللہ تعالیٰ ربِ جلیل خلوت کی ایسی خاص قدر کی رات مرحمت فرما دیتا ہے کہ جس میں انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں تمام جسمانی اور بدنی محنتوں اور ریاضتوں کا پھل مل جاتا ہے۔ چنانچہ ان کا سینہ اپنے نور سے کھول دیتا ہے اور ان کا مجاہدہ، مشاہدہ اور ریاضت راز سے بدل دیتا ہے یعنی ان کا دل اپنے نور سے زندہ کر دیتا ہے اور تن بدن اور نفس محنت مشقت کے بیگار سے

چھوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۝ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۝ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَکَ ۝ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ۝ (الانشراح ۹۴: ۱۔۴)۔ (ترجمہ) اے میرے نبی ﷺ! کیا نہیں کھولا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ اور اٹھالیا ہے آپ ﷺ سے ریاضت اور مجاہدے کا وہ بوجھ جو آپ ﷺ کی پیٹھ اور کمر کو توڑتا تھا۔ اور آپ ﷺ کا ذکر اور نام ہم نے بلند کر دیا ہے۔ فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۝ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ۝ (الانشراح ۹۴: ۷۔۸)۔ ''پس جب آپ ﷺ دنیوی اور ملکی دھندوں سے فارغ ہولیا کریں تو بس میری طرف متوجہ ہولیا کریں۔ اور میرے مشاہدے میں مائل اور محو ہولیا کریں۔'' سو ہر عارف سالک کو ضرور اپنی زندگی میں ایسی رحمت کی رات پیش آتی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے مجاہدوں اور ریاضتوں کی قدر اور عزت کرتا ہے۔ اور محنت اور ریاضت کے اندازے کے موافق اسے اپنے نور سے زندہ اور منور کر کے اسے اپنے انعام اور اکرام سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ پس وہ خاص رات اس کی لیلۃ القدر ہوتی ہے اور اس کی پچھلی ریاضتوں کی عام راتوں سے قدر اور منزلت میں ستر ہزار گنا بڑھ کر ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے ۔

اے شیخ چو جوئی شبِ قدر ار تو بدانی   ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

(حافظ)

عام مردہ دل نفسانی آدمی جسے اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام اور عزیز وقت کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہے ایسی رات ہرگز نہیں پا سکتے۔ ایسے بے قدر اور مفت خورے لوگ عموماً اپنی کسی نفسانی اور دنیوی حاجت کے لیے ماہ رمضان کی پچھلی دس راتوں کے اندر لیلۃ القدر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور ساری رات آنکھیں پھاڑتے اور جمائیاں لیتے گذار دیتے ہیں لیکن انہیں نہ تو کچھ نظر آتا ہے اور نہ ان کی حاجت پوری ہوتی ہے۔

یہی حال اسم اعظم کا ہے کہ یہی اسم اللہ اسم ذات اور اسم اعظم ہے۔ جب کہ وہ طاہر جسم اور پاک اعظم زبان سے ادا ہو تو اس سے ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔ لیکن نفسانی مردہ دل آدمی جسے اللہ کے نام اور کلام کی، عظمت قدر و منزلت معلوم نہیں ہے اس کے لیے اسم ذات اور اسم اعظم بے قدر اور بے سود ہے۔

اسم اللہ بس گران است بے بہا   این حقیقت را بد اند مصطفےٰ ﷺ

(رومی)

افسوس ہے ہم نے اپنی پاک آسمانی کتاب قرآنِ کریم کی کوئی قدر نہیں کی اور نہ اس کی چھپائی پر کوئی کنٹرول اور پابندی رکھی ہے۔ غیر مذاہب والے خصوصاً ہمارے دین کے دشمن قرآن کی چھپائی اور خرید و فروخت کے وقت جو بے ادبی چاہیں اللہ کی اس مقدس پاک کتاب کی ہماری آنکھوں کے سامنے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم اسے برا نہیں مانتے۔ قرآن کریم کے اوراق چوراہوں، بازاروں، گلیوں اور کوچوں کے اندر اپنے پاؤں کے نیچے روندتے اور پامال ہوتے دیکھتے ہیں اور ٹٹیوں اور پاخانوں میں پڑے ہوئے پاتے ہیں لیکن ہمیں اس بے ادبی کے انسداد کا خیال تک نہیں آتا اور یونہی آنکھیں پھیر کر گذر جاتے ہیں۔ دنیا کے ہر کام، ہر محکمے، ہر فن اور ہر شعبے کی حفاظت اور ترقی کے لیے مختلف کمیٹیاں اور یونینیں قائم ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی اس پاک مقدس کتاب کی حفاظت، اشاعت اور حمایت کے لیے آج تک کوئی باقاعدہ کمیٹی دیکھنے میں نہیں آئی کہ جو اس کی عزت اور توقیر کو جس طرح کہ اس کا حق ہے دشمنانِ دین کی بے ادبیوں اور دست برد سے محفوظ رکھے اور اس کی چھپائی اور خرید و فروخت پر کنٹرول اور پابندی قائم رکھے۔ ہم سے تو سکھ لوگ ہزار درجے اچھے ہیں جنہوں نے اپنے گورونانک صاحب کی تصنیف گروگرنتھ کی اس قدر بے حد عزت اور توقیر قائم رکھی ہے۔ جب وہ کبھی اپنے گرنتھ صاحب کو بڑی دھوم دھام سے کسی گلی کوچے میں سے اٹھائے ہوئے گذرتے ہیں تو ساتھ ساتھ گھنٹے بجاتے جاتے ہیں۔ پرشاد اور خیرات کرتے جاتے ہیں اور عام لوگوں، بے ادبی کے ناپاک جانوروں اور نجس چیزوں کو راستے سے ہٹاتے اور خوشبوئیں جلاتے جاتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو ان گرو کے چیلوں کے سامنے شرم کے مارے ڈوب کر مر جانا چاہیے۔ لیکن اس کے برخلاف ہم مسلمان ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں قرآن کو ذلیل اور رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں ہمارے حق میں فرما چکے ہیں کِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۱۰۱)۔ ''یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ وہ اسے جانتے بھی نہیں۔'' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہی قرآن ہماری

شکایت کر کے ہژدہ ہزار عالم میں ہمیں ذلیل اور رسوا کرے گا۔ جیسا کہ کسی نے فرمایا ہے ۔

نظم

روزِ محشر از شما قرآن شکایت می کند

من چہ کردم با شما این مثلِ خوارم کردہ اید — پیش ہر لامذہبے بے اعتبارم کردہ اید
درمیان کوچہ ہا گرد و غبارم کردہ اید — ہیچ کس با مصحفِ خود این اہانت می کند
روزِ محشر از شما قرآن شکایت می کند

ہیچ توراتے شدہ پیشِ یہودان مثلِ من — ہیچ انجیلے بخاک افتادہ غلطان مثلِ من
ہیچ ژندے گشتہ پامالِ مجوسان مثلِ من — ہیچ ہندو این چنیں ظلم و فضاحت می کند
روزِ محشر از شما قرآن شکایت می کند

آخر این قرآن ہمہ وحی خدائے اکبراست — آخر این آیاتِ روشن معجزِ پیغمبر است
این کلام اللہ امانت از رسولؐ اطہراست — ہیچ کافر با امانت این خیانت می کند
روزِ محشر از شما قرآن شکایت می کند

من کلامِ روح بخش کبریائے بودہ ایم — معجز پیغمبر الہامِ خدائے بودہ ام
من کجا اَے قوم اسبابِ گدائے بودہ ایم — ہر کسے احکامِ دینی را رعایت می کند
روزِ محشر از شما قرآن شکایت می کند

مغرب کے اکثر علمائے مستشرقین اور ان کے تبع میں ہمارے مغرب زدہ علمائے مادیین قرآن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن بے ربط کلام ہے۔ یعنی قرآن میں مضامین ترتیب وار اور تفصیل وار نہیں ہیں۔ ایک مضمون ابھی ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے جس کا پچھلے مضمون سے کچھ ربط اور تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح پرانے زمانے کے کفار لوگ قرآن کو اساطیر الاولین یعنی پچھلے لوگوں کے فرضی قصے کہانیاں کہہ کر جھٹلاتے تھے۔ نیز بعض یورپین علما قرآن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں اکثر دوراز عقل اور فوق الفطرت باتیں درج ہیں جنہیں عقل باور نہیں کر سکتی۔ اکثر عقل سے بعید خوارق عادات اور معجزات کا ذکر ہے جن کی کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ بھلا وہ اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام ہی کیا ہے جسے ہر انسان پہلی دفعہ سمجھ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَدْ یَسَّرْنَا

الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ○ (القمر ۵۴: ۱۷) ۔ یعنی ہم نے قرآن خالی پڑھنے اور یاد کرنے کے لیے تو آسان کر دیا ہے لیکن کیا کوئی اس کے سمجھنے والا بھی ہے؟ غرض قرآن کریم کے جملہ معارف واسرار تمام دقائق و نکات کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا: وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ (اٰل عمرٰن ۳: ۷) ۔ یا جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بے واسطہ بذریعہ علم لدنی القا کرے۔ مادی اور زبانی علم والے اپنی عقل اور فہم کے مطابق سطحی طور پر قرآن کے ظاہری معانی سے بہرہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح قرآن کے ایک دوسرے سے بالا سات مختلف بطون ہیں اسی طرح اس کے ہر بطن کے الگ الگ معنی المعنی اور تفسیر التفاسیر ہیں۔ غرض قرآن کریم کے خاص حقیقی معانی کو مادی عقل والے نہیں پہنچ سکتے۔ اس واسطے ایسے لوگوں کو قرآن کے سمجھنے میں دشواریاں، شکوک اور شبہات پیدا ہونے لازمی ہیں اور انہیں قرآن بے ربط، خشک، فرسودہ اور دوراز عقل کلام معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مادی دماغ والا نفسانی آدمی قرآن کی تلاوت سے بہت جلدی اکتا جاتا ہے اور اس کے سمجھنے میں ہر جگہ شکوک اور شبہات کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ نفسانی کورچشم آدمی یا تو قرآن سے بے زار اور بے یقین ہو کر اس کی تلاوت چھوڑ دیتا ہے یا اسے اپنے مادی دماغ سے تطبیق دینے کے لیے اس کی دوراز عقل، ناروا اور کفر انگیز تاویلوں پر اکتفا کرتا ہے۔ ہم اس جگہ قرآن کریم کی چند آیتوں کی تفسیر ناظرین کی دلچسپی کے لیے بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں جس سے بعض حقیقت شناس اولوالالباب اصحاب کو قرآن کے فوق الفطرت، بہت بلند اور بالا اندازِ بیان و طرزِ تحریر اور مخفی، پوشیدہ معنی المعانی اور تفسیر التفاسیر کا کچھ شمہ بھر علم ہو جائے گا۔

ایک دفعہ ایک نامی گرامی ہفتہ وار رسالہ اس فقیر کی نظر سے گزرا جس کے ایڈیٹر ایک بڑے علامہ تھے۔ کسی بزرگ نے ان ایڈیٹر صاحب کو لکھا تھا کہ میں نے قرآن کے متعدد اشکال جمع کیے ہیں اور مختلف تفاسیر میں ان کے حل اور تاویلات تلاش کیے ہیں۔ ان میں اکثر اشکالات کے کسی قدر حل اور تاویلیں حاصل ہوگئی ہیں۔ لیکن ایک اشکال کے حل کے لیے بے شمار تفاسیر چھان ماری ہیں اور بہت علما اور فضلاء سے بھی اس کا حل دریافت کیا ہے لیکن کہیں سے بھی تسلی اور تشفی نہیں ہوئی۔ اور وہ اشکال ابھی تک اسی طرح لاینحل رہ گیا ہے۔

اس نے اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو لکھا تھا کہ آپ مہربانی فرما کر اپنے زورِ علم اور قوتِ قلم سے اس اشکال پر روشنی ڈال کر اس کو حل فرماویں تو بڑی نوازش ہو گی۔ چنانچہ علامہ صاحب نے بھی اس اشکال کی تاویل میں ایک طول طویل دور از مطلب تاویل اور مقالہ اپنے اس پرچہ میں سپردِ قلم فرمایا جس سے کوئی مطلب نہیں نکلتا تھا۔ کیونکہ وہ اشکال ظاہری کتابی علم کے دائرے سے بالاتر تھا۔ جب اس پرچے کے اندر وہ اشکال اور حل اس فقیر کی نظر سے گزرا۔ واقعی وہ اشکال ایک نہایت پیچیدہ اور ادق معمہ معلوم ہوا۔ چونکہ اس اشکال سے قرآن کی صداقت اور ایک پیغمبر کے علم پر حرف آتا تھا اس واسطے اس اشکال سے اس فقیر کو ایک گونہ ذہنی اور دماغی کوفت اور تکلیف لاحق ہوئی اور اس پر تقریباً آدھ گھنٹہ غور کرتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور غیبی تائید سے اس اشکال کا حل اس فقیر پر منکشف فرما دیا۔ جسے آج اتفاق سے اس کتاب کے اندر درج کر رہا ہوں۔

وہ اشکال قرآن کریم میں اس مناظرے کے متعلق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان واقع ہوا۔ جسے اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (البقرۃ ۲: ۲۵۸)۔ (ترجمہ) ”اے میرے نبی ﷺ! آیا تو نے خیال نہیں کیا اس شخص (نمرود) کی طرف جس نے مناظرہ اور جھگڑا کیا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کے رب کے متعلق۔ جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے کہا میں بھی لوگوں کو پیدا کرتا اور مارتا ہوں۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ اگر تو رب ہے تو تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتا۔“ یہ نمرود نامی بابل کا بڑا سرکش اور مغرور بادشاہ تھا جس نے خدائی دعویٰ کر رکھا تھا اور لوگوں کو اس عقیدے اور اپنی پرستش اور عبادت پر مجبور کرتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور لوگوں کو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کی تلقین اور تعلیم فرماتے تھے۔ جب

نمرود مردود کو آپؑ کی اس مخالفانہ دعوت کا پتہ لگا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا۔ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں حاضر ہوئے تو نمرود اور آپؑ کے درمیان اس وقت یہ مکالمہ اور مناظرہ واقع ہوا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ نمرود نے اپنی طاقت اور بادشاہی کے گھمنڈ میں خدائی کا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ فرعون کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ (النّٰزعٰت ۷۹: ۲۴)۔ یعنی ”فرعون نے لوگوں کو کہا کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔“ چنانچہ آج بھی اس علم اور روشنی کے زمانے میں بھی بادشاہ پرستی کی رسم چلی آتی ہے جیسا کہ جاپان کے لوگ آج تک اپنے بادشاہ کو اپنا معبود اور خدا تصور کرتے تھے۔ اور ہندو لوگ آج تک اجدھیا کے راجہ جسرتھ کے بیٹے مہاراجہ رام چندر جی کی پرستش کرتے ہیں۔ چہ جائیکہ پرانے جہالت اور تاریکی کے زمانے میں جب کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا بادشاہ پرستی کا عقیدہ لوگوں میں بہت راسخ تھا۔ اور بادشاہ کے دل میں بھی باوجود اپنی بشری کمزوریوں کے اپنی خدائی کا جنون اور مالیخولیا بسبب لوگوں کی بے جا خوشامد اور کمالِ تعظیم اور سجدہ سجود پوری طرح جاگزین رہتا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ میں سچ مچ لوگوں کا رب اور خالق مالک ہوں۔ اور بعض بے وقوفوں کے سر پر یہ بھوت بہت بری طرح سوار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تھوڑی سی علمی لیاقت اور تحریری سلاست کے گھمنڈ پر پیغمبری اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں چونکہ ہر انسان کے نفس میں خود پسندی کا مادہ فطرتاً کوٹ کوٹ کر بھرا گیا ہے اور تھوڑے سے اقتدار اور اختیار پر فرعون کی طرح کوسِ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ (النّٰزعٰت ۷۹: ۲۴) بجانے لگ جاتا ہے۔ جیسے کہ مولانا رومؒ صاحب فرماتے ہیں۔

نفس ما را کمتر از فرعون نیست — لیک او را عون ما را عون نیست

میں نے خود ایک شخص کو دیکھا جو مطلق جاہل مرکب اور کور باطن تھا۔ وہ اپنے آپ کو امام مہدی اور غوثِ زماں بتلاتا تھا کیونکہ چند بے وقوف اس کے اس دعوے کو مانتے تھے اور اس کی حد سے زیادہ عزت و احترام کرتے تھے۔ میں نے اس سے ایک دن پوچھا کہ خدا کیلیے میاں یہ تو بتا کہ آیا تو نے کبھی باطن میں یا بظاہر کوئی جن، فرشتہ، روحانی یا کم از کم بھی

شیطان کو ساری عمر میں دیکھا ہے۔ چونکہ وہ اندھا تھا اس پر وہ کہنے لگا کہ میں اپنے آپ سے مست اور بے خود ہوں اس لیے اگر چہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا لیکن میں سب کچھ ہوں اور مجھے عنقریب سب کچھ نظر آجائے گا۔ اس قسم کا جنون اور مالیخولیا انسان کا فطرتی مرض ہے اور وہ اندر سے پھوٹ پڑتا ہے۔ اس لیے باطنی طور پر، بہت تہی دست، بے نوا اور نکمے آدمی اس قسم کے بے ہودہ دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ اور دنیا میں چونکہ بیوقوفوں کی کوئی کمی نہیں ہے وہ ان جھوٹے فرضی دعووں سے کچھ نہ کچھ بن بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی خود پسندی سے منع فرماتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۝ (النجم ۵۳: ۳۲)۔ (ترجمہ) ''اپنے آپ کو پاک ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ وہ متقی اور پرہیز گار کو خوب جانتا ہے۔'' غرض خود پسندی بڑا بھاری کفر ہے۔ نمرود نے بھی خدائی دعویٰ کیا ہوا تھا۔ اسے سچ مچ یہ وہم ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے میرے حکم اور ارادے کے تحت ہو رہا ہے۔ گو میں ان سے بے خبر ہوں۔ لہٰذا نمرود نے اسی گھمنڈ اور غرور کے نشے میں ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میں تو اپنی تمام مخلوق کا مالک، مربی اور خدا ہوں اور تو میری خدائی کو کیوں نہیں مانتا۔ تو ذرا بتا تو سہی کہ میرے سوا تیرا رب کون ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو پیدا کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس پر نمرود نے کہا کہ میں ہی تو مارتا اور جلاتا ہوں۔ اس پر تمام اہل تفاسیر نے یہ کمزور تاویل پیش کی ہے کہ نمرود نے اپنے لوگوں کو پیدا کرنے اور مارنے کے ثبوت میں یہ حجت پیش کی کہ وہ ایک زندہ آدمی کو مار ڈالتا ہے اور ایک واجب القتل کو چھوڑ کر اسے زندہ ثابت کر دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو پیدا کرنے اور مارنے اور نمرود کے حیلۂ قتل و احیا میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور پھر پیغمبر کا اس کے اس جھوٹے حیلے اور ناقص حجت کو قابلِ قبول سمجھ کر خاموش ہونا اور ایک دوسری دلیل سورج کی اختیار کرنا ایک اولوالعزم پیغمبر کی صریح شکست اور کمزوری معلوم ہوتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پہلے بودے جواب کو قوی اور لاجواب سمجھ کر راہِ فرار اختیار کیا اور دوسری دلیل پیش کی کہ میرا رب تو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ اگر تو رب ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا دے۔ اس پر نمرود لاجواب اور ہکا بکا ہو گیا۔ حالاں کہ نمرود کے لاجواب اور خاموش ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کے جواب میں نمرود کم از کم

آسانی سے یہ تو کہہ سکتا تھا کہ سورج تو میرے حکم سے مشرق سے نکلتا رہتا ہے۔ اے ابراہیم! اگر تیرا رب اسے مشرق سے نکالتا ہے تو اسے کہہ کہ اسے مغرب سے نکال کر دکھا دے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کہا۔ کیونکہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اس پہلے زندہ کرنے اور مارنے والی دلیل پر ہی قائم رہے۔ لیکن یہاں جلانے اور مارنے کی ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت کی زبان اور اصلاح میں مصلحتہً اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور مارنے اور جلانے کا معاملہ چونکہ روح اور امر سے متعلق ہے اور عالمِ اسباب کے بجائے یہ معاملہ عالمِ قدرت کا ہے اس لیے اسے باطنی رمز اور روحانی رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ اب ہم اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

انسان کے وجود میں لطیفۂ روح کی غیبی صورت سورج اور آفتاب کی ہے کہ وہ جسم کو زندہ و تابندہ یعنی گرم اور روشن کیے ہوئے ہے۔ موت کے وقت جب انسانی روح کا آفتاب کتمِ موت و فنا کی تاریکی میں غروب ہو جاتا ہے تو انسانی جسم ٹھنڈا، تاریک اور معطل ہو جاتا ہے اور اس پر ایک گونہ موت اور فنا کی تاریک رات چھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کے وقت مرنے والے کو عصر کا ایسا آخری وقت معلوم ہوتا ہے جب کہ سورج عین غروب ہونے کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابنِ ماجہ کی ایک حدیث میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرنے والے کا آخری وقت ہوتا ہے تو آفتاب اسے غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور وہ اپنی آنکھیں ملتا ہوا کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں عصر کی نماز ادا کر لوں۔ کیونکہ میری عصر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ اس قسم کی روائتیں اور بھی ہیں۔ اور اسی دلیل سے بعض مفسرین نے عصر کی نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے۔ اور ہم نے خود بھی بعض نمازی لوگوں کو نزع کے وقت یہ کہتے سنا ہے کہ پانی لاؤ، میری عصر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے موقع پر اصحابؓ کو عصر کے وقت لڑنے میں زیادہ شدت اور جوش اختیار کرنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کرتے تھے کہ عصر کا وقت موت کے ساتھ بہت مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے۔ اور موت جلدی اور آسانی سے واقع ہوتی ہے۔

اب ہم اپنے اصلی مطلب کی طرف آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے

کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو پیدا کرتا اور مارتا ہے۔ نمرود کے سر پر چونکہ خدائی غرور اور پندار کا بھوت سوار تھا اس نے کہا کہ میں لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہوں اور لوگوں کے جینے اور مرنے میں میرا ارادہ کارفرما ہے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے اس بات کو باطنی پیرائے میں ادا فرما کر کہا کہ میرا رب تو مشرقِ ازل سے روح کے آفتاب کو ہر ذی روح کے جسم میں طالع کرتا اور مغربِ فنا میں غروب فرماتا ہے۔ اگر تو خدا ہے اور روح کا آفتاب اجسام کے اندر تیرے ارادے سے ہی طالع اور غروب ہوتا ہے تو تیری پیاری رعیت کے بے شمار آدمی اور خصوصاً تیرے گھر کے عزیز واقارب کیوں ہر روز تیری خواہش، مرضی اور ارادے کے مخالف دنیا سے گزرتے ہیں۔ اور ان کے جسموں میں روح کا آفتاب کیوں غروب کر جاتا ہے۔ حالانکہ تجھے ان کی موت ہرگز گوارا نہیں اور تو ان پر روتا دھوتا ہے۔ سو اگر تو خدا ہے اور لوگوں کا مرنا اور جینا تیرے اختیار میں ہے یعنی آفتابِ روح کا طلوع اور غروب تیرے ہاتھ میں ہے تو بھلا ایک عزیز اور خویش جو تیرے ارادے اور خواہش کے بالکل برخلاف مر چکا ہے یعنی اس کا آفتابِ روح اس کے جسم میں غروب کر چکا ہے تو اس آفتاب کو ذرا واپس مغرب کی طرف سے نکال اور زندہ کر دے۔ لیکن تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتا اور تو خود بھی اے بد دماغ ایک دن موت کے گھاٹ اترنے والا ہے اور تیرا آفتاب بھی غروب کر جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہی کائنات و مافیہا اور اس آفتابِ روح کا حقیقی اور اصلی مالک اور متصرف ہے اور تو محض ایک ناچیز اور لاچار و بے اختیار بندہ ہے۔ اور تمام کام اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتے ہیں۔ اور وہی اصلی رب ہے اور تو اے مردود! محض اس کا ایک مجبور، معذور اور مقہور خاکی فانی بندہ ہے۔ پس اس قوی حجت اور دلیل سے وہ کافر حیران، ششدر اور لاجواب ہوگیا۔ کیونکہ اسے اپنی ناتوانی اور مجبوری ثابت کر کے دکھا دی گئی۔ اور ہر شخص اپنی اس موت کی مقہوری، مجبوری سے ہی اللہ تعالیٰ کو مانتا اور جانتا ہے جیسا کہ کسی کا قول ہے۔

کر دیا موت نے لاچار وگرنہ انساں ہے وہ ظالم کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
(ذوقؔ)

اور جب انسان دنیا میں اپنے ارادوں اور خواہشوں کو ٹوٹتا اور ناکام ہوتے دیکھتا ہے تو اس سے پتہ اور اندازہ لگاتا ہے کہ دنیا میں کسی اور زبردست ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ

کارفرما ہے۔ اور یہی بات اللہ تعالیٰ کی ہستی کی زبردست دلیل ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے: عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَآئِمِ ۔ یعنی میں نے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ اور نسخ ہونے سے پہچان لیا ہے کہ میرے ارادے ہمیشہ ٹوٹتے اور ناکام ہوتے ہیں۔ سو ناظرین کو اس تاویل اور تفسیر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ابراہیم علیہ اسلام اپنے مناظرے میں اسی پہلی دلیل رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ لا (البقرۃ ۲:۲۹۸) پر ہی قائم رہے۔ صرف عبارت کے اندر اور باطنی رمز کو نہ سمجھنے سے اشکال پیدا ہوگیا۔ ورنہ قرآن کریم ہر قسم کے شبہات اور بے ربطی سے پاک اور مبرا ہے۔ قرآن کریم کے اصلی حقائق و دقائق اور باطنی باریک معارف و اسرار کا سمجھنا ظاہری کتابی اور کسبی علم کا کام نہیں ہے اور نہ مادی جزئی عقل اس کے رموز اور اشارات کو پا سکتی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں بعض قرآنی حقائق کے ثبوت کے لیے یورپین مسلّمات، نظریات اور تجربات کی طرف اس لیے مجبوراً رجوع کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا روشن خیال، تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ یورپین مصنفین کے اقوال کو وحیٔ آسمانی سے زیادہ وقیع اور وزنی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہاں ایک چھوٹی قرآنی سورت کے اصلی معنی اور حقیقی تفسیر کو سمجھانے کے لیے آج کل کے یورپین سپرچولسٹس یعنی ماہرین جدید علمِ روحانیت کے چند واقعات اور تجربات بطور مقدمہ پیش کرتے ہیں جن سے ہماری تفسیر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ سو واضح ہو کہ آج کل کے سپرچولسٹس کے ہاں ایک علم مروّج ہے جسے سائکومیٹری (PSYCHOMATRY) کہتے ہیں۔ اور یورپ میں بعض ایسے میڈیم یعنی وسیط ہیں کہ جب ان پر کوئی روح مسلط ہو جاتی ہے اور ہماری اصطلاح میں جب انہیں کوئی جن چڑھ جاتا ہے تو ان کے اندر اس روح یا جن کے زیرِ اثر ایک قسم کی ایسی روحانی یا باطنی روشن ضمیری پیدا ہو جاتی ہے کہ جب وہ اس حالت میں کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں تو اس چیز کی گزشتہ تمام تاریخ یا اس کی اندر کی حالت پوشیدہ تمام سنا دیتے ہیں۔ حالاں کہ وہ چیز کسی چمڑے یا کپڑے کے تھیلے یا کاغذ کے لفافے میں بند ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن میڈیم یعنی سپرچولسٹ عامل اسے ہاتھ میں لیتے ہی اس کے اندر کی حالت یا جو واقعات اس چیز سے وابستہ ہوتے ہیں گن گن کر سنا دیتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں پچھلے سال لنڈن کے بڑے گرجے ویسٹ منسٹر ابے

(WESTMINISTER ABBEY) سے ایک تاریخی متبرک پتھر چوری ہو گیا۔ جسے لوگ بخت کا پتھر اور نیز حضرت یعقوب علیہ السلام کا تکیہ گاہ یعنی (JACOB'S PILLOW) کہتے چلے آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام اس سے تکیہ لگا کر بیٹھا کرتے تھے اور اس میں یہ برکت ہے کہ جو شخص اس پر بیٹھتا ہے اسے حکومت اور سلطنت ملتی ہے۔ یہ پتھر پہلے سکاٹ لینڈ میں تھا۔ اور جب ایڈورڈ اوّل انگریزوں کے بادشاہ نے سکاٹ لینڈ کو ۱۲۹۶ء میں فتح کر کے اپنی عملداری میں ملایا تو وہ یہ تاریخی متبرک پتھر بھی بطور مال غنیمت اپنے ساتھ لے آیا اور لنڈن کے ویسٹ منسٹر ابے میں رکھ دیا۔ رسمِ تاج پوشی کے وقت انگلستان کا ہر نیا بادشاہ اس متبرک پتھر پر کرسی لگا کر بیٹھا کرتا ہے اور تاج پوشی کی رسم اس متبرک پتھر سے ادا کی جاتی ہے۔ تا کہ اس پتھر کی برکت اور یمن سے اس کی بادشاہی اور سلطنت قائم رہے اور اس کا اقبال اور بخت بلند ہو۔ حال ہی میں سکاٹ لینڈ کے چند محبانِ وطن من چلوں کو خیال آیا کہ اس متبرک پتھر کے کھو جانے اور چلے جانے سے ہماری سلطنت اور حکومت چھن گئی ہے اور ہمارا ملک افلاس اور ناداری کا شکار ہو گیا ہے کیوں نہ ہم اپنا غصب شدہ اور چھنا ہوا متبرک بخت کا پتھر جس سے ملک کا اقبال اور بخت وابستہ ہے واپس لے آویں۔ چنانچہ اس کام کے لیے قوم کے چند سورماؤں نے ایکا کر کے سازش کر لی اور چوری کا پروگرام اور منصوبہ تیار کر لیا اور ایک رات موقع پا کر لنڈن کے اس نامی بڑے گرجے ویسٹ منسٹر ابے کا کواڑ توڑ ڈالا اور اس متبرک پتھر کو نکال کر لے گئے۔ اس تاریخی متبرک پتھر کے چوری ہو جانے سے انگریز قوم میں ایک تہلکہ اور کہرام مچ گیا۔ اور اس کی تلاش اور تعاقب میں بڑی دوڑ دھوپ شروع کر دی گئی۔ پولیس اور سی آئی ڈی والوں نے بڑا زور لگایا۔ اور انگریزی حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آئی۔ لیکن اس پتھر کا کوئی پتہ اور کھوج نہ لگا سکی۔ آخر مجبوراً ایک علم سائکومیٹری کے ماہر ڈچ میڈیم کو باہر سے بلایا گیا اور اس کی روحانی خدمات حاصل کی گئیں تا کہ اس پتھر کی تلاش اور تحصیل میں حکومت کی امداد کرے۔ نیز جلدی کے سبب رات کی تاریکی میں ان چوروں سے چند چیزیں رہ گئی تھیں جو بعد میں تفتیش کے وقت پولیس کو اس گرجے میں پڑی ہوئی ملیں۔ ان میں سے ایک لوہے کا ہتھوڑا تھا جس سے گرجے کا کواڑ توڑا گیا تھا۔ دوم ایک شخص کے رسٹ واچ یعنی کلائی کی

گھڑی کا چرمی کیس تھا۔ سوم اس پتھر کا ایک ٹکڑا تھا جو اسے نکالتے اور اٹھاتے وقت کسی جگہ سے ٹوٹ کر اور گر کر رہ گیا تھا۔ اب جس ماہر سائکومیٹری ڈچ میڈیم کو اس پتھر کی تلاش کے لیے بلایا گیا تھا وہ کسی باہر کے علاقے کا اجنبی شخص تھا جس نے پہلے کبھی شہر لنڈن نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس نے اپنے علمِ سائکومیٹری کے ذریعے ان تینوں چیزوں کو باری باری ہاتھ میں لے کر ان سے پتھر کے متعلق مفصلہ ذیل باتیں صحیح صحیح بتا دیں:

(1) چور پانچ آدمی ہیں۔ (2) وہ پتھر کو موٹر کار میں رکھ کر لے گئے ہیں۔ (3) اس موٹر کا فلاں نمبر ہے۔ (4) ابھی تک پتھر لنڈن کے شہر میں رکھا ہوا ہے۔ (5) لوہے کا ہتھوڑا لنڈن کے فلاں بازار کے فلاں نمبر کی دکان سے خریدا گیا ہے۔ (6) اور گھڑی بھی فلاں بازار کی فلاں دکان سے خریدی گئی ہے۔

چنانچہ جب بعد میں پولیس نے پتہ لگایا تو واقعی ہتھوڑا اور گھڑی انہی دکانوں سے خریدی گئی تھی جن کا پتہ اس میڈیم نے دیا تھا۔ اور اس طرح علم سائکومیٹری کے ماہر میڈیم نے اس چوری شدہ متبرک پتھر کا پورا پورا پتہ بتا دیا۔ اس قسم کے واقعات آج کل یورپین سپر چولسٹس کے اندر بہت عام ہیں اور ان کے روحانی علوم کے مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبے کے الگ چرچز (CHURCHES) یعنی گرجے ہیں۔ بعض روحانی طور پر امراض کا علاج کرتے ہیں۔ انہیں ہیلنگ چرچز (HEALING CHURCHES) کہتے ہیں۔ بعض روشن ضمیری کا عمل کرنے والے میڈیم ہیں جنہیں کلیئر وائنٹ میڈیم (CLAIRVOYANT MEDIUM) کہتے ہیں۔ غرض ہر شعبے کے الگ چرچز ہوتے ہیں۔ ہر چرچ میں اپنے اپنے فن کا ایک مکمل سٹاف ہوتا ہے۔ ایک پریزیڈنٹ، ایک سیکرٹری، ایک منیجر، ایک خزانچی اور ایک یا ایک سے زیادہ میڈیم یعنی وسیط یا روحانی عامل ہوتے ہیں۔ اور جس شخص کو جس قسم کی حاجت اور ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی قسم اور شعبے کے چرچ میں جاتا ہے اور وہاں اپنی سیٹ اور نشست بک کراتا ہے۔ چنانچہ ہر حاجت مند اور ضرورت مند کو اس گرجے میں داخل ہونے کے لیے کچھ فیس ادا کرنی پڑتی ہے اور ان سپر چولسٹس نے اس روحانی عمل کو ایک بڑا ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ اور بہت رقمیں جمع کر لیتے ہیں۔ بعض بڑے بڑے باکمال میڈیم کے گرجوں میں ایک ایک سال پہلے سیٹیں

بک ہو جایا کرتی ہیں۔ اور ان نئے امیدواروں کو ان میں نشست اور سیٹ حاصل کرنے
کے لیے سال چھ ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔ غرض اس علم کا وہاں بڑا چرچا ہے اور گھر گھر اس علم
کے حلقے قائم ہیں۔ اور یورپ میں یہ ایک روحانی مذہب کی صورت میں بہت وسیع پیمانے پر
مروج ہے۔ اور کروڑوں آدمی اس کے پیرو ہیں۔ اور بڑے بڑے سائنس دان، فلاسفر،
عالم، فاضل، لارڈ حتیٰ کہ پارلیمنٹ کے ممبران بھی سوسائٹیوں اور حلقوں کے ممبر ہیں۔ علمِ
سائکومیٹری کے چرچ یعنی روحانی گرجے میں ایک بڑا ہال مرہ ہوتا ہے اور اس میں ایک
بڑی گول میز رکھی ہوئی ہوتی ہے جس کے حاشیے اور کنارے کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے
خانے ہوتے ہیں جن پر اپنے اپنے نمبر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی اپنی
جن چیزوں کے متعلق کچھ حالات معلوم کرنے ہوتے ہیں وہ اپنی اس چیز کو چمڑے یا
کپڑے کے تھیلے یا کاغذ کے لفافے میں بند کر کے اور اس پر اپنا نمبر لگا کر اس ہال کمرے
میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی چیز اس گول میز کے کسی خانے میں رکھ کر اس ہال کمرے
کے اندر میز کے پاس کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی چیزیں میز کے خانوں
میں رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں تو اس کے بعد علم سائکومیٹری کا ماہر میڈیم اس ہال کمرے میں داخل
ہوتا ہے۔ اس پر کوئی روح مسلط ہوتی ہے۔ اور میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور ایک
ایک خانے سے باری باری ایک چیز نکال کر اور اسے ہاتھ میں لے کر حاضرین سے مخاطب
ہوتا ہے کہ اس وقت میرے ہاتھ میں فلاں نمبر کے خانے میں رکھی ہوئی چیز ہے جس کا نمبر
فلاں ہے۔ اس کے بعد اس کا حال بتانا شروع کر دیتا ہے کہ اس تھیلے کے اندر فلاں چیز ہے
اور اس کا لانے والا فلاں شخص ہے۔ اور اس کا مالک فلاں ہے اور یہ چیز فلاں وقت فلاں
جگہ سے آئی ہے۔ غرض اس چیز کی تمام پچھلی تاریخ اور گزشتہ ہسٹری اور جس قدر واقعات
اس چیز سے وابستہ اور متعلق ہوتے ہیں وہ سب ایک ایک کر کے بیان کرتا جاتا ہے۔ اور اس
کا لانے والا اور مالک اس کے اثبات یا نفی میں جواب دیتا جاتا ہے۔

چنانچہ جان بٹلر صاحب نے اپنی کتاب میں ایک میڈیم مس ایسٹل رابرٹس کے علم
سائکومیٹری کے دو چشم دید واقعات کا یوں ذکر کیا ہے کہ اس نے ایک مجمع میں میرے
روبرو میز کے ایک خانے سے تھیلے میں بند ایک پتھر اٹھا کر اور معمولی نظر سے دیکھ کر کہا کہ یہ

پتھر برٹش میوزیم سے لایا گیا ہے۔ غرض اس پتھر کی تمام پچھلی ہسٹری اور تواریخ بیان کر دی اور
اس پتھر کے لانے والے نے سب باتوں کے اثبات میں جواب دیا اور اس کی تصدیق کی۔

جان بٹلر صاحب اسی میڈیم کی نسبت ایک دوسرے واقعے کا ذکر یوں کرتا ہے کہ اس
موقع پر جو کچھ میں نے دیکھا اس کے صحیح نوٹس میں نے شارٹ ہینڈ رائٹنگ میں اپنے نوٹ
بک میں لکھ لیے تھے۔ اور وہ واقعہ یوں ہے کہ اس نے ایک تھیلا اٹھا کر کہا کہ میرے ہاتھ
میں ایک تھیلا ہے جس کا نمبر 27 ہے۔ اور یہ تھیلا ایک عورت کا ہے جسے دنیا سے گزرے
ہوئے اتنے برس ہو گئے ہیں۔ وہ سینے کے درد سے فوت ہوئی تھی۔ یہ تھیلہ ایک بڑی الماری
سے اٹھا کر لایا گیا ہے۔ اس کے ہمراہ چند خطوط اور بلو ربن (BLUE RIBBON) یعنی
نیلے فیتے کا ٹکڑا بھی ہے۔ مالک نے جواب دیا بالکل ٹھیک ہے۔ پھر میڈیم نے کہا کہ اس
تھیلے کے اندر کچھ سکے ہیں مگر کوئی نوٹ نہیں ہے۔ سکے چاندی اور تانبے کے ہیں جن کی
قیمت تین شلنگ اور ساڑھے سات پنس ہے۔ اس میں تین پن ہیں جو بالوں میں لگائے
جاتے ہیں۔ نیز اس کے اندر ایک بس کا ٹکٹ بھی ہے (نہیں نہیں ایک منٹ صبر کرو) میں
خیال کرتی ہوں کہ وہ ٹرین کا ٹکٹ ہے۔ مالک نے جواب دیا بالکل ٹھیک ہے۔ اس ٹکٹ کا
آخری عدد 71 ہے۔ اس ٹکٹ میں آٹھ فگرز (FIGURES) میں سے چھے ہندسے دو
حرف ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا حرف۔ اغلباً TZ معلوم ہوتے ہیں۔ بعدہٗ کہا کہ اس میں
ایک بروچ (BROACH) یعنی کلپ ہے۔ مالک نے کہا کہ مسز رابرٹس! آپ نے اس
تھیلے کے متعلق جو کچھ کہا وہ سب درست ہے سوائے ایک بات کے کہ اس میں بروچ یعنی
کلپ ہے۔ مسز رابرٹس نے جواب دیا کہ ایک منٹ صبر کرو۔ مجھے پھر دیکھنے دو۔ اب کی بار
اس نے تھیلے کو اپنا ماتھے سے لگایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بعدہٗ آنکھیں کھول کر مالک سے کہا
کہ ممکن ہے آپ نے لاتے وقت ان چیزوں کو اچھی طرح نہ دیکھا ہو۔ اس میں ایک پتلا سا
کلپ ضرور ہے جو سنہری رنگ کا ہے مگر سونا نہیں ہے۔ مالک نے جواب دیا کہ لانے سے
تھوڑی دیر پہلے میں نے سب چیزوں کو اچھی طرح دیکھا تھا اور وہ چیزیں بر زبان یاد ہیں۔
آپ کی باقی سب باتیں بالکل صحیح ہیں سوائے ایک غلطی کے اس میں کوئی بروچ یعنی کلپ
نہیں ہے۔ اس پر اس میڈیم مسز رابرٹس نے مالک سے کہا کہ اگر تم برا نہ مانو تو چیئر مین

(CHAIRMAN) یعنی پریذیڈنٹ تھیلے کو کھول کر حاضرین کے سامنے خالی کردے۔ مالک نے کہا منظور ہے۔ بے شک اجازت ہے۔ پریذیڈنٹ تھیلے کو کھول کر اس کے اندر کی چیزیں حاضرین کو دکھادے۔ چنانچہ صدرِ جلسہ نے تقریباً اسی نوے حاضرین کے روبرو تھیلے کو کھول کر خالی کیا اور حاضرین کو چیزوں کے نام لے لے کر یوں مخاطب ہوئے۔ حاضرین اس تھیلے میں یہ چیزیں نکلی ہیں: ایک پنس، ایک نصف پنس، ایک 6 پنس کا سکہ، تین الگ الگ شیلنگ، ایک ٹرین کا ٹکٹ جس کا نمبر TZ285271 ہے اور تین بالوں والے پن ہیں اور بس اس کے ماسوا اور کچھ نہیں ہے۔ مسز رابرٹس نے کہا کہ مہربانی کر کے اسے دوبارہ دیکھو۔ ممکن ہے کہ اس تھیلے میں کوئی اندر کی طرف جیب ہو۔ صدرِ جلسہ نے جب اسے ٹٹول کر دیکھا تو کہا کہ بے شک اس کے اندر کی طرف ایک جیب ہے۔ لیکن وہ بالکل خالی ہے۔ مسز رابرٹس نے کہا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ اس میں ایک سنہری بروچ یعنی کلپ ہے۔ صدرِ جلسہ نے تھیلہ کو الٹا کر خوب جھاڑ کر اور ہلا کر کہا کہ مسز رابرٹس! اس تھیلے میں ممکن ہے پہلے کبھی کوئی کلپ ہو۔ مگر اس میں اس وقت کوئی کلپ نہیں ہے۔ اس پر مسز رابرٹس نے کہا اس میں کلپ ضرور ہے۔ اور میں دوسری کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی جب تک اس تھیلے سے بروچ یعنی کلپ نکلتا ہوا نہ دیکھ لوں۔ صدرِ جلسہ نے تھیلہ پھاڑ ڈالا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے حاضرین کو دکھاتا رہا۔ آخر جب ایک جگہ چمڑے اور کپڑے کے درمیان کھولی تو اس میں سے ایک پیتل کا باریک بروچ یعنی کلپ نکلا۔ حاضرین جلسہ سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ سپر چولسٹس (SPIRITUALISTS) اسے ایکس رے (X-RAY) قسم کی سائکو میٹری کہتے ہیں۔ کس قدر حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ تھیلے میں غلطی سے یہ پتلا کلپ سی دیا گیا تھا جس کا علم اور پتہ مالک کو بھی نہیں تھا۔ لیکن میڈیم کی تیز نظری سے نہ چوکا۔ اس قسم کے عجیب روحانی کرشمے یورپین سپر چولسٹس کے درمیان عام ہیں۔ اور صرف ایک شہر لنڈن کے اندر ان روحانی کمالات کے سینکڑوں گرجے موجود ہیں۔ اور ہر گرجے میں ہفتے کے اندر دو دفعہ اس قسم کے روحانی کرشمے دکھائے جاتے ہیں۔

اب ذرا خدارا ناظرین سوچیں کہ ہمارے ملک کے اندر کس قدر بے شمار مذہبی اور روحانی پیشواؤں نے باطنی تعلیم و تلقین کی فرضی دکانیں کھول رکھی ہیں۔ بعض نے صرف

ولایت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ نبوت اور پیغمبری کے درجے کو بھی بیک قدم پھاند گئے ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی آج تک اس قسم کا کوئی کمال دکھایا ہے؟ ہمارے ان جھوٹے فرضی ولیوں اور غوثوں کے پاس سوائے اس کے کہ "پدرم سلطان بود" یا جھوٹے کشف و کرامات کے قصوں، کہانیوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور بناوٹی بناسپتی پیغمبری خالی جھوٹی پیشین گوئیوں اور نکمے دعووں اور بے ہودہ تاویلوں سے اپنی دکانِ نبوت گرمائے بیٹھے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ ان واقعات کو جھٹلانے کی کوشش کریں لیکن اس قسم کے جھوٹ ایشیاء اور مشرق میں البتہ فروغ پاتے رہتے ہیں اور انہیں باور کرنے کے لیے ہزاروں بے وقوف تیار ہو جاتے ہیں۔ یورپ کے روشن خیال اور سائنس پروردہ لوگ اس قسم کے جھوٹ کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ان خشک مزاج کور چشم حاسد لوگوں کی سمجھ پر بھی افسوس ہے جو کہتے ہیں کہ پیغمبروں کے پاس کوئی باطنی اور غیبی علم نہیں ہوتا اور وہ دیوار کے پار کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے یا ہماری کوئی ندا نہیں سنتے۔ حالانکہ آج نفسانی مادی علمِ سائنس والے ہزاروں میل دور رہنے والے لوگوں سے فی البدیہہ باتیں کرتے ہیں۔ اگر ہمارے مذہبی پیشوا اور روحانی راہنماؤں سے آج کل کے نفسانی اور مادی علمِ سائنس والے بھی سبقت لے گئے تو پھر ہمارے اس مذہب اور روحانیت کی کیا حیثیت اور حقیقت ہو سکتی ہے۔ پھر تو ہمارے دین کا خدا حافظ ہے۔

مذکورہ بالا یورپین میڈیم کے یہ چند روحانی کرشمے یہاں اس لیے بیان نہیں کیے گئے کہ ناظرین کو ان کے سفلی کمالات کا گرویدہ اور قائل بنایا جائے۔ حالانکہ اس قسم کے سفلی شعبدے اور جنونی کشف اہل اللہ فقراء کے نزدیک بچوں کے کھیل سمجھے جاتے ہیں۔ اور انہیں اسلامی تصوف اور باطنی دنیا میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جاتی اور اس قسم کی باتوں کو بہت ہیچ اور ناچیز سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس فقیر نے ان واقعات کو ایک قرآنی تفسیر کے لیے بطور پیش لفظ اور تمہید کے پیش کیا ہے تاکہ ناظرین کو میری انوکھی تفسیر اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ لہٰذا مذکورہ سائکو میٹری کے واقعات سے ناظرین کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہم انسانوں کے اعمال اور افعال زمین اور زمین کی چیزوں میں اس طرح داخل، شامل، وابستہ اور پیوستہ ہوتے ہیں جیسا کہ ایک فلم کی سٹوری کے حالات اور واقعات ایک فلمی فیتے کے

اندر مندرج اور ریزرو (RESERVE) ہوتے ہیں۔ جس وقت اسے فلمی مشین کے چکر پر چلا کر فلمی پردے پر معکوس اور منعکس کیا جاتا ہے تو اس قصے کے تمام واقعات اور حالات اور ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے جملہ ادا کیے ہوئے کردار اور گفتار ہو بہو اسی طرح پردۂ سیمیں پر دوبارہ ادا ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور منظرِ عام پر آتے ہیں۔ غرض ہمارے تمام روزمرہ کے اعمال، افعال، کردار اور گفتار کے فلمی ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے مکان و زمان کے فیتوں پر منقش اور مرتسم ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے باطنی سٹور ہاؤس میں محفوظ رکھے جاتے ہیں اور قیامت کے روز انہیں دوبارہ سزا اور جزا کے لیے ہمارے جسموں کے پردہ ہائے سیمیں پر جاری کر کے دکھایا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ط وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ o (یٰسٓ ۳۶: ۱۲)۔ (ترجمہ) اور ہم لکھتے ہیں جو اعمال لوگ پیش کرتے ہیں اور جو آثار و نقوش وہ چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک چیز ہمارے ہاں ایک امام مبین میں محفوظ اور جمع ہے۔ قولہ تعالیٰ: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ط وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا o (بنٓی اسرآئیل ۱۷: ۱۳)۔ (ترجمہ) ''اور اسی طرح ہر انسان کے نیک اور بد اعمال اس کی اپنی گردن میں لٹکائے جاتے ہیں۔ اور قیامت کے روز انہیں پائے گا ایک واضح مرقوم منشور۔'' اسی کے مطابق ایک حدیث ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور اسے قبر میں دفنا دیا جاتا ہے تو قبر میں اس کے پاس ایک رُمان نامی فرشتہ آتا ہے اور وہ فرشتہ اسے قبر میں بیدار کرتا ہے اور اس کے منہ کو دوات اور انگشت شہادت کو قلم اور کفن کو کاغذ بناتا ہے اور اس کے مہد سے لے کر لحد تک کے تمام زندگی کے نیک و بد اور اچھے برے حالات کو لکھ کر اور اسے مثل تعویز بنا کر متوفی کے گلے میں لٹکا دیتا ہے۔ اور قیامت کے روز اسے بطور اعمال نامہ پیش کیا جائے گا۔ قولہ تعالیٰ: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ o (یٰسٓ ۳۶: ۶۵)۔ ترجمہ: قیامت کے روز ہم لوگوں کے منہ پر مہرِ سکوت مار دیں گے تاکہ فضول حجت بازی اور بیہودہ جھگڑا اور جزع فزع نہ کرنے پائیں۔ اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں اپنے کیے ہوئے افعال اور اعمال کی گواہی دیں گے یعنی انہیں دوبارہ دہرا کر دکھائیں گے جس طرح گراموفون باجے کے ریکارڈ پچھلی گائی

غزل اس میں گول گول لکیروں کی صورت میں منقش اور مندرج ہوتی ہے۔ اور جب اسے دوبارہ باجے پر چڑھایا جاتا ہے تو وہی غزل اور گانا دوبارہ اسی طرح گایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے جملہ افعال و اعمال اور گفتار و کردار اس زمین پر جس پر وہ واقع ہوتے ہیں اور ہمارے جسم کے ہر اس عضو پر جس سے وہ سرزد ہوتے ہیں اور ہر ذی روح چیز یا ذی روح جانور یا انسان پر جس سے اس کا تعلق ہوتا ہے ان سب پر وہ فعل اپنا عکس اور نقش چھوڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت آپس میں زنا کریں تو قیامت کے روز ایسی صورت میں پیش ہونگے کہ اس زانیہ عورت کا فرج اس زانی مرد کے ماتھے پر کندہ، منقش اور ہویدا ہوگا اور مرد کا آلۂ تناسل اس عورت کے ماتھے پر لٹک رہا ہوگا۔ بلکہ قیامت کے روز برے ارادے، بدخیالات اور ناروا معتقدات کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ ہوگا۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط (البقرۃ ۲: ۲۸۴)۔ یعنی جن ارادوں اور خیالات کو تم اپنے افعال اور اعمال کا جامہ دے کر ظاہر کرو گے یا ان کو پایۂ عمل تک نہ لا کر اپنے سینوں کے اندر چھپا چھوڑو گے اس سب کا اللہ تعالیٰ تم سے محاسبہ کرے گا اور حساب کتاب لے گا۔ قولہ تعالیٰ: اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ o وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ o اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ o (العٰدیٰت ۱۰۰: ۹۔ ۱۱)۔ ترجمہ: ''آیا انسان نہیں جانتا کہ قیامت کے روز اس کا جسم جو قبر کے اندر دفن کیا گیا تھا حساب کتاب کے لیے کھڑا کیا جائے گا اور جو کچھ سینے کے اندر ہوگا وہ حاصل اور معلوم کیا جائے گا۔'' غرض جس طرح علم سائکومیٹری کا ماہر میڈیم اپنی مسلط روح کے زیرِ اثر جب کسی چیز کو ہاتھ میں لے لیتا ہے تو اس چیز کی روح کا ریکارڈ حرکت میں آ جاتا ہے اور اسی کی پچھلی تاریخ دہرائی جانی شروع ہو جاتی ہے اور ریکارڈ کی طرح اس چیز کے پچھلے واقعات اور حالات اس میڈیم کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ دنیا و مافیہا کو اپنی قدرتِ کاملہ سے محاسبے اور سزا جزا کے لیے برانگیختہ فرمائے گا تو اس کی روح کا ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت پر بجنے لگ جائے گا۔ اور زمین اپنے گذشتہ بھاری حادثات اور سنگین حالات خارج اور ظاہر کرے گی۔ اور انسانوں کے اجسام فلم کے پردہ ہائے سیمیں بن کر اپنے کردار اور گفتار کو دہرا کر نمودار اور ظاہر کریں گے اور عمل کا ہر نیک و بد ایٹم اور ذرّہ اس دن

پیدااورہویداہوجائے گا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ○ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ○ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ○ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ○ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۵ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ○ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال ۹۹ : ۱ ـ ۱۱)۔(ترجمہ)

''جب قیامت کے روز زمین اللہ تعالیٰ کے یدِقدرت کے امر سے جنبش میں آئے گی اور زمین اپنے گزشتہ بھاری اور سنگین حادثات اور واقعات خارج اور ظاہر کر دے گی اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس روز وہ ناطق اور گویا ہو کر اپنے حالات اور واقعات بیان کرے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے امر اور وحی کیا ہوا ہوگا۔ اس روز ہر انسان کو الگ الگ صدر اور درمیان میں کھڑا کیا جائے گا اور تماش بین لوگ ان کے گرداگرد ہوں گے تا کہ اس تمام گزشتہ اعمال یعنی جملہ زندگی کے کردار اور گفتار اس کے پردۂ سیمیں پر دکھائے اور دہرائے جائیں۔ پس جس شخص نے ایک ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ پھر نظر آ جائے گی۔ اور اگر ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی دیکھ لی جائے گی۔''

غرض اللہ تعالیٰ کے پاس تمام لوگوں کے اعمال اور افعال کے زندہ ٹھوس ریکارڈ چلتی ہوئی فلموں کی طرح موجود ہیں۔ چنانچہ قیامت کے روز اسے ہژدہ ہزار عالم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اس کی تمام زندگی کے فلمی فیتے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی مشین پر اس طرح گھمائے گا اور چلائے گا کہ اس کی تمام زندگی کے کردار اور گفتار اس کے وجود کے پردے میں لوگوں کو دکھائی دیں گے۔ یعنی جو نیک اور بد اور چھوٹا بڑا فعل اس نے زندگی میں کیا ہوگا یعنی اس کی زندگی کا وہی مکان اور وہی وقت ہوگا اور اس کا وجود وہی کام اس طرح دوبارہ کرتا ہوا نظر آئے گا۔ مثلاً کسی شخص نے بیگانی عورت سے زنا کیا ہے تو اس کا جسم اسی وقت اسی مکان میں اسی طرح اس عورت کے ساتھ زنا کا فعل کرتا نظر آئے گا۔ سوائے بندگانِ خدا! اس بڑے دن کی فضیحت، ذلت، رسوائی اور شرمساری سے ڈرو کہ ہژدہ ہزار عالم تماشائی ہوگا اور ابدی رسوائی و شرمساری اور ہمیشہ کی ذلت و خواری اٹھانی پڑے گی۔ اپنے اعمال و افعال اور کردار و گفتار کو شریعت کے معیار کے مطابق سنوارنے کی کوشش کرو اور اپنے ظاہر و باطن کو تقویٰ کے لباس اور اعمالِ صالحہ کے زیور سے آراستہ اور پیراستہ کرو۔ تا

کہ قیامت کے روز ہمیشہ کی سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہو۔

اے عزیز دوستو! تم ہر روز لوگوں کے فرضی اور بناوٹی قصوں کی فلم دیکھنے جاتے ہو اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اور عزیز عمر کا قیمتی وقت ضائع کر آتے ہو اور اس کے عوض آنکھوں کا زنا اور فحش خیالات اور برے ارادے مول لیتے ہو۔ تمہیں یہ خیال کبھی نہ آیا ہوگا کہ ایک دن تمہاری تمام عمر کی سٹوری کے جملہ کردار اور گفتار ہژدہ ہزار عالم کے سامنے تمہارے وجود کے پردے پر دکھائے جائیں گے۔ کیوں نہ عمرِ عزیز کی اس قیمتی گھڑی کو کسی نیک عمل یا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں صرف کیا جائے تا کہ تمہارے کردار کے اس عمدہ پارٹ کو قیامت کے روز جن و انس اور فرشتے دیکھ کر عش عش کرتے رہ جائیں اور تمہارے اس نیک کردار پر تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے عوض وہ نعمتیں عطا کرے جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں نے سنی ہیں اور نہ کسی دل پر ان کا خطرہ اور خیال گزرا ہے۔ ہم جب کبھی اپنے گھر سے باہر نکلتے ہیں تو اپنے چہرے کپڑوں بالوں کو بار بار آئینے میں دیکھتے ہیں کہ دیکھیے ہمارے جسم کی زینت کپڑوں خط و خال اور حسن و جمال کی زیبائش میں کوئی کمی باقی نہ رہ گئی ہو تا کہ لوگوں کی نظروں میں سبکی اور خفت نہ ہو۔ لیکن اس روز کا کبھی خیال نہیں گزرتا جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ (ال عمرٰن ۳ : ۱۰۶) ۔ یعنی بعض چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور تاباں ہوں گے اور بعض چہرے بالکل سیاہ، تاریک اور قبیح۔ بعض کے لیے وہ بڑی رسوائی اور خواری کا روز ہوگا اور بعض کے لیے بڑی عزت اور سرفرازی کا دن ہوگا۔ قرآن مجید کی یہ چھوٹی سورۃ زلزال جس کی میں نے مذکورہ بالا تفسیر آپ کے سامنے پیش کی ہے کبھی آپ کے سامنے اس شکل میں نہیں آئی ہوگی۔ قرآنِ کریم تمام اس قسم کے ٹھوس، دلچسپ حقائق اور دقیق و عمیق معارف اور اسرار سے لبریز اور معمور ہے۔ لیکن ہمارے پاس ان پر غور اور خوض کرنے کے لیے فرصت نہیں ہے اور نہ وہ صحیح فہم اور فراست ہے۔

اس فقیر نے یورپ کے سپر چولسٹس کی بہت کتابیں دیکھی ہیں اور ان کے لٹریچر کا بڑا وسیع مطالعہ محض اس غرض سے کیا ہے تا کہ ان کے ذریعے اپنے قرآنی حقائق ثابت کروں۔ کیوں کہ ہماری مذہبی باتوں اور روحانی روایتوں کو تو آج کل کے روشن خیال مغرب زدہ

نوجوان یہ کہہ کرٹھکرادیا کرتے ہیں کہ یہ تو پرانے فرسودہ اور دقیانوسی خیالات ہیں۔ ہمارے روشن دماغوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اس لٹریچر کے مطالعہ سے ان کے یورپین پیشواؤں اور لیڈروں کے مغربی دماغوں کے مطابق اظہارِ خیال اور ان کی زبان اور اصطلاح میں ان سے تخاطب اور کلام کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔

یورپ کے سپرچولسٹس میں ایک علم اپورٹس مروّج ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کے روحانی حلقوں کے سپرٹس (SPIRITS) یعنی روحیں باہر کی ٹھوس مجسم چیزیں بند کمروں کے اندر لے آتی ہیں۔ اور بند مقفل کمروں سے اندر کی چیزیں باہر لے جاتی ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سپرچولسٹس اپنے کمرے کے اندر حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کمرے کو اندر سے قفل لگا دیتے ہیں۔ ان میں ایک میڈیم یعنی وسیط ہوتا ہے۔ جس پر روح اور جن یا آسیب مسلط ہوتا ہے۔ تو اس روح کو حاضر کرنے کے لیے عموماً گانا بجانا شروع کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ گانے سے وہ روح جلدی حاضر ہو کر اس میڈیم پر مسلط ہو جاتی ہے اور میڈیم بے خود اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور وہ روح اس کی زبان پر بولنے لگ جاتی ہے۔ اور گاہے وہ روح اس کے سر سے اتر کر اور اس کے جسم سے خارج اور الگ ہو کر اس کمرے کے اندر نمودار ہو جاتی ہے۔ اور میٹریالائزڈ (MATERIALISED) یعنی مجسم اور متشکل ہو کر ٹھوس مادی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اہلِ حلقہ سے باتیں کرتی ہے۔ اور ان کے ہر سوال کا جواب دیتی ہے۔ اس وقت جب کبھی اہلِ مجلس اس سے کسی چیز کی فرمائش کرتے ہیں کہ فلاں چیز ہمیں باہر سے لا دو تو وہ روح ان کی فرمائش کے مطابق وہ چیز فوراً باہر سے اٹھا کر بند مقفل کمروں کے اندر لا دیتی ہے۔ سپرچولسٹس کی اصطلاح میں اس علم کو اپورٹس (APPORTS) کہتے ہیں۔ چنانچہ مختلف اشیا مثلاً تازہ پھول، پھل، میز، کرسیاں، قیمتی پتھر، سبز پودے، پرندے، جانور حتیٰ کہ زندہ انسان تک بذریعہ اپورٹس بند کمروں کے اندر لا دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح اندر کی چیزیں اٹھا کر باہر لے جائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ علم اور عمل یورپ کے سپرچولسٹس میں بہت عام طور پر مروج ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس فلاسفی کے حل کے متعلق کہ ایک بالکل ہر طرح سے بند مقفل کمرے کے اندر باہر کی ٹھوس چیز کس طرح اندر آ جاتی یا اندر سے باہر چلی جاتی ہے وہ یہ ہے

کہ ہر چیز کے تین ڈائمنشن یعنی رخ اور پہلو ہوتے ہیں: ایک لمبائی، دوم چوڑائی اور سوم موٹائی۔ سپرچولسٹس کہتے ہیں کہ ہر ٹھوس چیز کا ایک چوتھا ڈائمنشن یعنی رخ اور پہلو ہے کہ ایک ٹھوس چیز دوسری میں سے گزر جاتی ہے جس کی حقیقت انہیں آج تک معلوم نہیں ہو سکی۔ دوسرا نظریہ جو ان سپرٹس یعنی ارواح کا بتایا ہوا ہے جب کہ ان سے سوال کیا گیا کہ تم ان ٹھوس مادی چیزوں کو بند کمرے کی دیواروں اور کواڑوں میں سے کیونکر گزار کر لے آتے ہو۔ حالانکہ یہ سائنس کے اصول کے بالکل مخالف ہے کہ ایک مادی چیز بغیر وزن اور سوراخ کے دوسری مادی چیز میں سے گزر جائے تو ان سپرٹس (SPIRITS) نے جواب دیا کہ ہم اس چیز کو جسے ایک کمرے کی ٹھوس دیوار میں سے گزارنا چاہتے ہیں اپنی قوتِ ارادی یعنی وِل پاور (WILL POWER) سے اس چیز کو گیس، ہوا یا اس سے زیادہ لطیف صورت میں لا کر کمرے کی دیوار میں سے گزار لیتے ہیں۔ پھر سپرچولسٹس نے ان سے دریافت کیا ہم نے مانا کہ تم اپنی قوتِ ارادی سے ایک ٹھوس چیز کو ہوا اور گیس کی لطیف صورت میں تبدیل کر کے کمرے کے اندر لے آتے ہو اور پھر اسے دوبارہ منجمد اور ٹھوس بنا لیتے ہو۔ لیکن جب کبھی تم کسی ترکاری، پھول، پھل یا کسی زندہ چیز کو اندر لانے کے لیے گیس اور ہوا کی لطیف صورت میں لاتے اور پگھلاتے ہو گے تو اس طرح وہ چیز ضائع اور ہلاک ہو جاتی ہو گی۔ تو اس کے جواب میں ارواح نے کہا کہ ہم اس چیز کے لیے دیوار کی اتنی جگہ کو جس میں سے وہ چیز گزارنی مطلوب ہوتی ہے لطیف بنا لیتے ہیں اور وہ چیز گزار لیتے ہیں۔ غرض ان ہر دو نظریوں میں سے جونسا بھی صحیح ہے یا اس کے علاوہ ارواح کے پاس کوئی اور حکمت ہو۔ یہ بات بالکل مسلّم اور ٹھوس حقیقت ہے کہ سپرٹس یعنی ارواح بند کمروں کے اندر باہر کی ٹھوس چیزیں اندر لے آتی ہیں اور اندر کی چیزیں باہر لے جاتی ہیں اور اس میں ذرہ برابر جھوٹ اور مبالغہ نہیں ہے۔ اور سپرچولسٹس کے درمیان یہ عمل ایک عام معمول ہے اور ہر روز ہزاروں حلقوں کے اندر یہ عمل علیٰ رؤس الاشہاد سینکڑوں لوگوں کے رو برو کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے فلاسفر، سائنس دان، ڈاکٹر اور انجینئر ان حلقوں میں موجود ہوتے ہیں اور ہر قسم کے فریب اور دھوکے سے بچنے کے لیے اس کمرے میں سائنس کے قسم قسم کے آلات اور اوزار لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں کے سائنس دان اور فلاسفروں نے اس عمل کے بیس تیس سال

کے متواتر گہرے مطالعے اور بے شمار تجربوں اور مشاہدوں کے بعد قبول اور اختیار کیا ہے۔ اب ہم علم اپورٹس کے ایک دو واقعات اس جگہ بیان کرتے ہیں جسے جان بٹلر صاحب نے اپنی کتاب اکسپلورنگ دی سائیکک ورلڈ (EXPLORING THE PSYCHIC WORLD) کے صفحہ ۱۸۵ میں لکھا ہے۔ جو زندہ انسانوں کو بطور اپورٹس بند کمروں کے اندر لانے اور باہر لے جانے کے واقعات ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

کہ یہ ۳ جون، ۱۸۷۱ء کا واقعہ ہے۔ اور اس واقعہ کی تصدیق کے لیے دس ایسے معتبر عینی شاہدوں اور گواہوں کے دستخط موجود ہیں جن کی موجودگی میں اور ان کے روبرو یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ یہ حلقہ سر ولیم کروکس کے روبرو جو ایک بڑے بھاری چوٹی کے نامور سائنس دان ہوئے ہیں۔ اور ان کے بھائی ڈاکٹر جان کے گھر قائم ہوا تھا اور ڈاکٹر ابراہام والیس نے دس حاضرین حلقہ کی شہادتیں لے کر اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ اس حلقہ میں میڈیم مس فلورنس کک تھیں اور ان پر جو روح مسلط تھی اس کا نام کیٹی کنگ (KAITY KING) تھا۔ ڈاکٹر ابراہام والس لکھتے ہیں کہ نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی کھڑکی کھلی تھی اور کمرے میں اندھیرا تھا۔ کیٹی کنگ کی روح حاضر تھی اور حاضرین حلقہ کی فرمائش پر مختلف اشیا بطور اپورٹس لا رہی تھی۔ چنانچہ حاضرین میں سے ایک شخص نے کسی چیز کے لانے کی فرمائش کی جس پر ایک دوسرے شخص نے بطور مذاق اور خوش طبعی کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مسز گوپی (GUPPI) کو لے آویں۔ اس پر ایک تیسرا شخص بولا خدا تمہارا بھلا کرے اس بات کی امید کیوں کر ہو سکتی ہے کہ کیٹی مس گوپی کو جو لنڈن کی بہت بھاری میڈیم ہے اٹھا کر لاوے۔ اس پر کیٹی کنگ روح نے تین دفعہ کہا آئی ول (I WILL) یعنی میں ضرور لاؤں گی۔ پھر جان نے چلا کر کہا ٹھہر جاؤ تم ایسا نہیں کر سکو گی۔ پھر حاضرین حلقہ میں سے کسی کی آواز آئی خدا کی پناہ کوئی چیز میرے سر پر آ رہی ہے۔ تب تو ایک دو چیخوں کے ساتھ میز پر کسی چیز کے دھڑام سے گرنے کی آواز آئی۔ روشنی کی گئی تو ہم تمام حاضرین یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ مسز گوپی ہمارے سامنے میز پر بیٹھی ہوئی موجود ہے اور ہم سب حلقہ وار اس کے اردگرد جمع ہیں۔

مسز گوپی اس وقت عالمِ استغراق اور بے ہوشی میں بالکل ساکن اور بے حس معلوم ہوتی تھی۔ تمام اہل حلقہ پر خوف اور ہراس چھایا ہوا تھا کہ خدانخواستہ مسز گوپی کو گزند اور

نقصان نہ پہنچا ہو۔ اس وقت اس نے اپنا ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھا ہوا تھا اور صبح کا ڈھیلا گاؤن پہنے ہوئی تھی اور بیڈ روم کے سلیپروں کا ایک جوڑا اس کے پاؤں میں تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک پین یعنی قلم تھا جو اس کے ہاتھ کے ساتھ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ کیٹی کنگ کی روح کو اسے اپنے مکان سے اٹھا کر لانے میں بمشکل تین منٹ کا وقفہ گزرا ہوگا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مسز گوپی ہوش میں آئی اور ہم نے حلقہ کی کارروائی بدستور جاری رکھی اور اس کارروائی میں مسز گوپی کے اور کپڑے کیٹی کنگ کے ذریعے بطور اپورٹس منگوائے گئے۔ حلقے کے خاتمہ پر حلقہ کے چار ممبر مسز گوپی کے ہمراہ اسے پہنچانے کے لیے اس کے گھر ہائی بری (HIGH BURREY) جو وہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا بھیجے گئے۔ جہاں جا کر انہیں مسز گوپی کی رفیق مس نے لینڈ (NAILAND) کی زبانی معلوم ہوا کہ دونوں انگیٹھی کے پاس بیٹھی حساب کر رہی تھیں کہ یک لخت اوپر دیکھنے سے مس نے لینڈ کو معلوم ہوا کہ مسز گوپی یک دم اوپر چھت کی طرف اڑ کر غائب ہو گئی اور چھت کے ساتھ تھوڑا سا دھواں اور غبار چھوڑ گئی۔

اسی قسم کا ایک دوسرا پچھلے سالوں کا واقعہ مارکوس سنٹورین سکاوٹ (MARQUIS SENTORINE SCOTT) نامی ایک میڈیم کا ہے جو ۲۹ جولائی ۱۹۲۸ کو ملسمو کاسل (MELSMO CASILE) میں واقع ہوا جسے پروفیسر بزانو (BIZZANU) نے یوں قلم بند کیا ہے:

''دورانِ حلقہ میں مَیں خود موجود تھا کہ مسٹر سکاٹ میڈیم نے گھبرائی ہوئی آواز میں چلّا کر کہا کہ اس وقت میں اپنے پاؤں محسوس نہیں کر رہا۔ گراموفون باجا جو اس وقت بج رہا ہے ٹھہرا لیا گیا۔ اسکے بعد ایک موت کی سی خاموشی حلقے پر ایک لحظہ چھائی رہی۔ میڈیم کو نام لے کر بلایا گیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بعدۂ اندھیرے میں اسے ٹٹولا گیا۔ اس کی جگہ خالی پائی گئی۔ ہم نے سرخ روشنی سے کمرے کو روشن کیا۔ دروازے سب اسی طرح بدستور بند تھے اور اس کی چابی اندر ہمارے پاس تھی۔ لیکن میڈیم کمرے سے غائب تھا۔ اس کاسل (CASILE) کے تمام کمروں میں میڈیم کو تلاش کیا گیا لیکن تلاشِ بے سود ثابت ہوئی۔ آخر تین گھنٹے کی سخت تلاش کے بعد میڈیم کو غلّے کے ایک کمرے کے اندر جو باہر سے

مقفل تھا خشک گھاس کے ڈھیر پر گہری نیند سویا ہوا پایا گیا۔ مصنف کتاب سر جان بٹلر لکھتے ہیں کہ زندہ انسانی اپورٹس کے پچاس اسی قسم کے واقعات کا ریکارڈ میری لائبریری میں موجود ہے۔ جو حال ہی میں واقع ہوئے ہیں۔ اس قسم کا معاملہ ہمارے ایک مخلص محمد صادق نامی شخص کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ جس کا مفصل ذکر ہم اس کتاب کے پچھلے صفحوں میں کر آئے ہیں۔

اب ناظرین اندازہ لگالیں کہ ایک معمولی روح جسے ہم اپنی اصطلاح میں ایک جن یا آسیب کہہ سکتے ہیں ایک زندہ انسان کو دو تین منٹ کے اندر تین یا چار میل کے فاصلے پر ایک مکان سے اٹھا کر دوسرے مقفل بند کمرے کے اندر ڈال سکتی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ قادر وقوی اور حی وقیوم اور خالقِ کائنات کو یہ طاقت حاصل نہیں ہے کہ وہ خود اپنی قدرتِ کاملہ سے یا اپنے زبردست فرشتے کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بند کمرے سے اٹھا کر آسمان پر لے گیا ہو۔ یا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی رات بیت المقدس اور وہاں سے آسمان پر لے گیا ہو۔ کہاں ہیں وہ کور چشم مردہ دل نفسانی لوگ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی معراج پر چہ میگوئیاں کرتے ہیں یا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسمانی طور پر آسمان پر نہیں گئے۔ گو مادی جزئی عقل اس قسم کی خارق عادت معاملے کو باور کرنے سے ہچکچاتی ہے کہ ایک مادی بھاری اور وزنی ٹھوس چیز یا ایک زندہ بھاری بھرکم انسان ایک مکان سے بغیر ظاہری اور مادی اسباب کے ایک طرفۃ العین میں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لایا جاسکتا ہے۔ لیکن یورپ میں سپرٹس کے ذریعے بطور اپورٹس کے یہ کام عام طور پر سینکڑوں لوگوں کے روبرو آلاتِ سائنس کے ہر قسم کے ٹسٹ اور آزمائش کے باوجود دکھائے جاتے ہیں۔ اور یہ معاملات آج کل کے اہلِ یورپ کے روحانی حلقوں کے اندر اس طرح عام طور پر دیکھے جاتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی نئی ایجادات کے بعید از عقل کارنامے اور زندہ مادی کرامات آئے دن دیکھتے ہیں۔ جن کی بدولت انسان روئے زمین پر ہر طرف لوہے کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ پرندوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ بلکہ فرشتوں کی طرح چاند اور مریخ تک پہنچنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیر رہے ہیں۔ ہزاروں میل دور مغرب کی باتیں ایک آن میں مشرق کے اندر سنائی دیتی ہیں۔ اور آئندہ اس سے زیادہ بعید از عقل کارناموں کی توقع

کی جاسکتی ہے۔ پہلے زمانے میں جب کہ روحانی سائنس اور باطنی علوم پورے عروج پر تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور اولیاؤں کو لوگوں کے رشد و ہدایت کے لیے یہ باطنی کمالات اور روحانی کرامات عطا فرمائی تھیں کہ وہ غیبی لطیف مخلوق جن، ملائکہ اور ارواح کے ذریعے اس قدر حیرت انگیز بعید از عقل کام کرتے تھے اگر سائنس دان انہیں دیکھ لیں تو انگشت بدنداں رہ جائیں۔ چنانچہ آج کل سپر چولسٹس کے ان سفلی ارواح کے کارناموں نے یورپ کے بڑے بڑے سائنس دانوں اور فلاسفروں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ چہ جائیکہ اہل سلف کے بڑے علوی روحانی کمالات کے مقابلے میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی رات آسمانوں اور عرش وکرسی وغیرہ علوی مقامات کی سیر کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چوتھے آسمان پر چلے جانے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ بلقیس کے کئی سو من بھاری سونے کے تخت کو سینکڑوں میل سے ایک طرفۃ العین میں اٹھا کر اپنے پاس حاضر کرنے کا معاملہ کیا اپورٹس کا زبردست کارنامہ نہیں ہے۔ جس کے معمولی نمونے یورپ کے سپر چولسٹس بطور مشتے نمونہ از خروارے علیٰ روس الاشہاد دکھا رہے ہیں۔ اور ہمارے قرآنی حقائق پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے اپنے عقل کے اندھے پھر بھی ہمارے اہلِ سلف پیغمبروں کے معجزات، اولیاؤں کی کرامات اور قرآنِ کریم میں اس قسم کے بعید از عقل واقعات کو جھٹلاتے ہیں یا انہیں توڑ مروڑ کر اپنی ناقص عقل کے ساتھ تطبیق دینے کے لیے نہایت ناروا تاویلیں کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ آج کل یورپ میں ایک بھی ایسا شخص نہ ہوگا جو ان حقائق پر یقین نہ رکھتا ہوگا۔ بلکہ باوجود اس کے دنیا میں اب اس قسم کا ہر بعید از عقل معاملہ ٹھوس حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر صریح الفاظ میں اس بات کو بار بار بطور تاکید ارشاد فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا تھا اور نہ سولی چڑھایا تھا بلکہ ہم نے بطور اپورٹس اٹھا کر آسمان پر چڑھا لیا تھا۔ قولہ تعالیٰ: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط (النسآء ۴: ۱۵۷) یعنی انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا تھا اور نہ سولی دی تھی۔ بلکہ انہیں شبہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ پھر دوسری جگہ اس سے زیادہ پُر زور الفاظ میں ارشاد ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط (النسآء ۴: ۱۵۷۔۱۵۸)۔

یعنی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف چڑھالیا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ پچھلے زمانے میں ایسے جھوٹے بناوٹی پیغمبر ظاہر ہوں گے جن کے پاس نہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی غیبی روحانی طاقت ہوگی اور نہ باطنی علم ہوگا۔ جن کی پیغمبری اور نبوت کی بنیاد محض زبان کی طراری، فرضی پیشین گوئیوں اور جھوٹی تاویلوں پر ہوگی اور سائنس کے مادہ پرست زمانے میں ہر خلافِ عقل باطنی اور روحانی معاملے کو سمجھنے والے اور باور کرنے والے بہت تھوڑے آدمی ہوں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر بطور تاکید وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاۢ (النسآء ۴: ۱۵۷) کے پُرزور الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے اور سولی پر چڑھائے جانے کے واقعہ کا انکار فرمادیا ہے۔ جیسا کہ بعض نے یہاں تک مشہور کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر گئے ہیں اور کشمیر میں ان کی قبر موجود ہے۔ بے شک کشمیر میں ایک قادری بزرگ کی قبر ہے جس نے اپنی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردے زندہ کیے تھے اور لوگوں میں ان کا لقب عیسیٰ ثانی ہو گیا تھا۔ غرض جھوٹی تاویلیں بنانے والوں اور فرضی پیشین گوئیوں کو سچا ثابت کرنے والوں کو ایسے حیلے اور بہانے خدا دے۔ چنانچہ انہوں نے اس بزرگ عیسیٰ ثانی کو حضرت عیسیٰ ابن مریم ثابت کر دیا اور ہزاروں بے وقوف اس بات کو باور کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حالانکہ بیت المقدس سے کشمیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے اور یہاں گم نامی میں فوت ہونے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ ابن مریم کی بجائے عیسیٰ ثانی مشہور ہونے کی سب باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین سے آسمان پر چڑھائے جانے سے بھی زیادہ خلافِ عقل ہیں اور پرانی اور نئی تواریخوں میں کہیں بھی اس کا ذکر تک نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھائے جانے پر یہ کیا جاتا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے ہیں تو وہاں وہ کیا کھاتے پیتے ہیں اور دیگر کام کرتے ہیں۔ سو اس کا جواب قرآن کریم نے ہی پہلے سے دے دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے روئے زمین پر بطور اپورٹس (APPORTS) اس قسم کے آسمانی دستر خوان میں آسمانی غذا اتار دی گئی تھی۔ اور معترضین کو دکھا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قادر قیوم کے ہاں ہر قسم کا

انتظام موجود ہے کہ وہ اہلِ زمین کے لیے آسمانی غذا کھلاتا پلاتا ہے اور جس اہلِ زمین کو چاہے آسمان پر اٹھاتا اور اسے آسمانی غذا کھلاتا ہے۔ اور جب تک چاہے اسے زندہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ (المآئدة ۵: ۱۱۲) ۔ (ترجمہ) ''جب کہ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے عیسےٰ علیہ السلام ابن مریم کیا آپؑ کا رب ایسا کرنے پر قادر ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان نازل فرمائے۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ اور اگر تم ایماندار ہو تو اللہ تعالیٰ ایسا کر کے دکھا دے گا۔ حواریوں نے عرض کیا ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی آسمانی غیبی غذا زمین پر کھا کر دیکھیں اور دلی اطمینان حاصل کریں۔ اور یہ جانیں کہ تو نے ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے تو نے اسے سچ مچ کر کے دکھا دیا ہے تا کہ ہم تیرے اس معجزے کے گواہ بن جائیں۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان نازل فرما تا کہ یہ دن میری امت کے سابقین اور متاخرین لوگوں کے لیے عید اور خوشی کا دن بن جائے۔ اور یہ تیری قدرت کا بڑا کارنامہ اور معجزہ ثابت ہو اور ہمیں اس قسم کا آسمانی غیبی رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق پہنچانے والا ہے۔'' سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ قرآنی شہادت میں ان منکرین اور معترضین کے لیے کافی اور شافی جواب ہے جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمان پر زندہ موجود ہیں تو وہ کیا کھاتے پیتے ہیں اور کس طرح زندہ ہیں۔ نیز یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سرشت، خلقت اور پیدائش چونکہ ملکوتی امتزاج اور روحانی اختلاط سے واقع ہوئی تھی اور ان کے جسمِ عنصری میں روحانی عنصر کا غلبہ تھا اس واسطے ان کا بطور اپورٹس عالمِ بالا کی طرف اٹھایا جانا بہت اغلب اور آسان تھا۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ ایک بار عالمِ انفس اور دوسری بار عالمِ آفاق میں معراج ہوا۔ اور قرآن کریم میں ان کا ذکر دو بار ایک سورۂ اسریٰ میں اور دوم سورۂ والنجم میں آیا ہے۔ اور احادیثِ معراج میں مذکور ہے کہ معراج سے پہلے آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا اور اسے آبِ حیاتِ لطف سے دھویا گیا اور نورِ حضورِ ذات سے آپ ﷺ کے تمام لطائف کو زندہ اور تابندہ کر دیا گیا۔ بعدۂ آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کو کمال لطافت عطا کر کے براق کی باطنی

برق اور رفرف کی روحانی ایٹمی انرجی کے ذریعے عالمِ بالا کی طرف چڑھایا گیا۔ قرآن کریم میں ایک معراج کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں مجمل طور پر یوں آیا ہے: سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝ (بنیٓ اسرآئیل ۱۷ : ۱) ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی رات کے وقت اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس کی طرف جس کے اردگرد ہم نے برکت ڈال رکھی ہے۔ تاکہ اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ اور وہ دانا اور بینا ہے۔'' قرآن مجید کے اندر دوسری دفعہ معراج کا ذکر سورۂ والنجم میں ذرا تفصیلاً آیا ہے جس میں ذکر ہے کہ: وَلَقَدۡ رَاٰہُ نَزۡلَۃً اُخۡرٰی ۝ (النجم ۵۳ : ۱۳)۔ یعنی آپ ﷺ نے دیکھا اس کو یعنی اللہ تعالیٰ کو دوسری بار۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بار ایک بار عالمِ انفس اور دوسری بار عالمِ آفاق میں بڑے بھاری اور اہم معراج ہوئے۔ اور دو دفعہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہوا ورنہ ویسے تو اللہ تعالیٰ بچپن سے لے کر چالیس سال کی عمر تک آپ ﷺ کو نبوت کے مختلف اعلےٰ مراتب اور ختمِ رسالت کے بے شمار افضل کمالات سے سرفراز فرماتے رہے ہیں اور کئی دفعہ آپ ﷺ کا سینہ اور صدر چاک کیا گیا اور اسے ہر غیر غل و غش اور غلاظت سے دھویا اور پاک و صاف کیا گیا اور اسے نورِ حضور سے معمور کر کے لطیف اور منور بنایا گیا۔ اور آپ ﷺ کو نبوت کے اظہار سے پہلے ختمِ رسالت اور وحی کے بارِ گراں کے لیے تیار کیا جاتا رہا۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ دائی حلیمہؓ کے لڑکے کے ہمراہ ایک دفعہ ایک پہاڑی وادی میں بکریاں چرا رہے تھے کہ آپ ﷺ کو چند ملائکہ نے پکڑ کر شقِ صدر کے لیے ایک پہاڑی کی چوٹی پر اٹھا لیا تھا۔ چنانچہ دائی حلیمہؓ کا لڑکا گھبرایا ہوا اپنی ماں کے پاس جا دوڑا اور یہ ماجرا سنایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چند سفید پوش آدمی اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے اور انہیں لٹا کر ان کا سینہ چاک کر دیا جسے سن کر دائی حلیمہؓ وہاں دوڑ کر گئی تو آپ ﷺ کو صحیح سلامت بکریاں چراتے پایا اور جب آپ ﷺ سے اس واقعہ کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ نے سب ماجرا کہہ سنایا۔

غرض آپ ﷺ کو چالیس سال تک ولایت اور نبوت کے ابتدائی روحانی مراحل اور

باطنی مدارج سے گذرنا پڑا اور آپ ﷺ کمال خاموشی، صبر اور تحمل سے اسے برداشت کرتے رہے۔ افسوس ہے ان کور چشم زبانی خشک عالموں کی عقل پر جو کہتے ہیں کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہارِ نبوت سے پہلے کسی قسم کی آگاہی نہیں تھی۔ آپ ﷺ ہماری طرح بے خبر آدمی تھے اور یک لخت آپ ﷺ پر نبوت کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ آپ ﷺ محض ہم تک وحی پہنچانے کا خالی واسطہ اور ذریعہ بنے۔ اور معاذ اللہ ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے یا وہ ہمارے بڑے بھائی کے برابر ہیں۔

معراج سے واپسی پر آپ ﷺ سے صحابہؓ میں سے عوام اور خواص نے دریافت کیا کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کو دیکھ آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے عوام کو جواب دیا لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ '' (الشوریٰ ۴۲ : ۱۱)۔ یعنی عوام کے دریافت کا یہ مقصد تھا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو کس شکل و صورت میں دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے اور وہ ہر قسم کی تشبیہ اور تمثیل سے پاک ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شکل و صورت تھی۔ اور خواص سے خطاب فرمایا کہ معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کے نور حضور دیدار سے رنگ دیا گیا ہوں اور اس نورِ قدیم کا عکس اپنے سینے کے آئینے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ اس لیے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: مَنۡ رَّاٰنِیۡ فَقَدۡ رَاَ الۡحَقَّ (بخاری و مسلم) فَاِنَّ الشَّیۡطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیۡ صُوۡرَتِیۡ (بخاری و مسلم)۔ یعنی جس شخص نے مجھے (باطن میں) دیکھا اس نے گویا حق کو دیکھ لیا۔ شیطان میری مثل نہیں ہو سکتا۔ سو یہ فقر اور تصوف کا باطنی مسئلہ ہے کہ خواب یا مراقبے میں کوئی سالک حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھے تو اس نے برحق آپ ﷺ کو دیکھا۔ شیطان آپ ﷺ کی صورت پر متمثل نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اِنَّ الشَّیۡطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیۡ وَلَا بِالۡقُرۡاٰنِ وَلَا بِالۡکَعۡبَۃِ۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میری صورت قرآن اور کعبہ کی صورت پر متمثل نہیں ہو سکتا۔ یعنی خواب، مراقبے اور عیان کی باطنی دنیا میں شیطان ان ہر سہ مظہرِ ہدایت اور نورِ حق کی صورت پر متمثل ہو کر کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ کیوں کہ آں حضرت صلعم اور قرآن اور کعبہ کی حقیقت ایک ہے۔ اور یہ ہر سہ حقیقتیں شیطان کی ضد ہیں۔ اور ہر سہ مظہرِ ہدایت اور نورِ حق ہیں۔ اور شیطان مجسم مظہرِ ضلالت اور ظلمتِ باطل کا پیکر

ہے۔ باطنی دنیا کی جس مجلس میں ان ہر سہ پاک مقدس حقائق کا ظہور ہو وہ مجلس اور واقعہ حق سمجھا جاتا ہے۔ اور شیطان کی باطل کارستانی کو اس میں دخل نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیطان باطن میں ان مقدس صورتوں پر متمثل ہوسکتا ہے انہوں نے بڑی بھاری غلطی کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو تمام باطنی اور روحانی دنیا پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اور حق اور باطل کا کوئی معیار نہیں رہتا۔ اور حق اور باطل کے درمیان تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ ان ہر سہ مظاہرِ ہدایت میں ان کے مختلف اجزائے ترکیبی اور صورِ معنوی بھی شامل ہیں۔ یعنی شیطان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صورت ذاتی، صفاتی، اسمائی اور افعالی پر متمثل ہونے کی طاقت نہیں ہے۔ اور خانہ کعبہ کے ہمراہ روئے زمین کی تمام مساجد شامل ہیں۔ اور قرآن کی حقیقت میں اس کی تمام سورتیں، آیتیں اور اسماء وغیرہ داخل ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص باطن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صورت پر دیکھے وہ باطنی معاملہ حقیقت پر مبنی ہوگا۔ اگر اس واقعہ کے اندر دیکھنے والا آپ ﷺ کی پاک صورت میں کوئی نقص دیکھے تو دیکھنے والا سمجھے کہ یہ اس کا اپنا نقص اور عیب ہے جو اسے آئینۂ محمدی صلعم میں نظر آ رہا ہے۔ اسے رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح اگر دیکھنے والا خواب یا مراقبے کے اندر خانہ کعبہ یا کسی پاک مسجد میں کوئی واقعہ دیکھے تو وہ معاملہ بھی برحق ہوگا۔ خواہ وہ دیکھے کہ اس پاک مسجد میں کتے وغیرہ گھس آئے ہیں۔ یا گندگی وغیرہ پڑی ہے تو سمجھے کہ اس کے دل کے صحن میں حُبّ دنیا کے کتے داخل ہو رہے ہیں اور دنیا کی گندگی پڑی ہوئی ہے اسے پاک کرے۔ اسی طرح جس باطنی مجلس کے اندر قرآن یا اس کی کوئی سورت یا آیت یا اسم الٰہی خود دیکھنے والا یا کوئی اور شخص پڑھ رہا ہو تو سمجھے کہ یہ مجلس برحق ہے۔ اگر کسی باطنی مجلس میں یہ چیزیں ظاہر نہ ہوں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآنِ مجید کی تلاوت اور اس کی دعوتِ روحانی لطیف مخلوق کے حاضر کرنے اور ان سے ہر قسم کی امداد اور خدمت لینے کا سب سے بڑا بھاری ذریعہ اور بہترین وسیلہ ہے۔ قرآن کی دعوت جب کسی سالک سے جاری اور روان ہو جاتی ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں بے نیاز اور لایحتاج ہو جاتا ہے اور قرآن کی برکت سے ہر مشکل مہم حل کر لیتا ہے۔ جب اہلِ دعوت غصے، قہر، غضب اور جلال سے دعوتِ قرآن

شروع کرتا ہے تو باطنی غیبی مؤکلات بھی اس کے دل کی صفت پر باطنی ہتھیاروں مثلاً تیر کمان، نیزوں، تلواروں، اور بندوقوں سے مسلح ہو کر اہلِ دعوت کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اہلِ دعوت کے دشمنوں پر اپنے باطنی ہتھیاروں سے ٹوٹ پڑتے ہیں اور انہیں ایک دم میں ہلاک اور برباد کر دیتے ہیں۔ اور جب کبھی اہلِ دعوت محبت اور شفقت کے جذبے سے پڑھتا ہے تو عالمِ غیب سے روحانی موکلات طرح طرح کے تحفے تحائف از قسمِ مال، نقد وجنس اس کی ضرورت کے مطابق اٹھائے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور اہلِ دعوت کے آگے پیش کرتے ہیں۔ جو بعد میں بذریعہ تسخیرِ قلوب لوگوں سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ جس قدر کام مشکل اہم اور دشوار ہوتا ہے اہلِ دعوت کو اسی قدر زبردست غیبی مؤکل حاضر کر کے اس سے اس کام کے حل کرنے میں امداد لی جاتی ہے۔ یہ بات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ جن، ملائکہ اور ارواحِ غیبی لطیف مؤکلات ہیں۔ اور جنّ سے ملائکہ کی روحانی طاقت بہت زیادہ ہوا کرتی ہے اور ملائکہ سے ارواح کی باطنی قوت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کیونکہ کامل روحانی جس وقت دعوت کے ذریعے حاضر ہوتا ہے تو اس کی تبع میں اس کی زندگی کے مسخر مؤکلات از قسمِ جن و ملائکہ بھی ہمراہ خدمت کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں اور اہلِ دعوت کے کام میں ممد اور معاون ہوتے ہیں۔

جب فقیر کامل عملِ دعوت کی انتہائی منزل کو پہنچ جاتا ہے اور علمِ دعوت میں یکتا ہو کر زندہ دم ہو جاتا ہے اور دعوت کا نور اس کی اندر متمکن ہو جاتا ہے تو وہ خیال، نیت اور ارادے سے کام کرتا ہے۔ اس وقت دعوت پڑھنے کے لیے اسے زبان اور ہونٹ ہلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کے اندر اس قسم کا کمال پیدا کر دیتا ہے کہ جب کبھی وہ کسی سخت کام یا مشکل مہم یا دشوار امر کے لیے اپنی باطنی ہمت اور توجہ سے متوجہ ہوتا ہے موکلات اس کی نیت اور اشارے پر کام کرتے ہیں۔ اس واسطے کامل فقراء کا مہر اور قہر اللہ تعالیٰ کے مہر اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے۔ اس کے برگزیدہ اشخاص اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی نظر نگاہ ہوتا ہے اور جس وقت وہ کسی کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلی ارادے پر ہی ان کی مراد پوری فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب صلعم کو فرمایا کہ: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِیْ

السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۖ (البقرۃ ۲ : ۱۴۴)۔ یعنی ''ہم نے آپ ﷺ کو آسمان کی طرف منہ اٹھاتے دیکھا۔ پس ہم آپ ﷺ کے لیے اپنا بیت الحرام قبلہ مقرر کرتے ہیں۔ جس کی آپ ﷺ کو خواہش ہے۔'' یہاں قبلے کے لیے کہیں سوال یا درخواست وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس خواہش اور ارادے کی تکمیل کے لیے آسمان کی طرف منہ پھیرنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہونے کا ذکر ہے۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر پر دعوتِ قرآن پڑھنے میں قبر پرستی کا شائبہ اور شمہ تک نہیں ہوتا۔ یہ تو محض عامل اور کامل لوگوں کا عمل دعوتِ قرآن کے ذریعے روحانی کسی مشکل مہم میں امداد لینے کا ایک باطنی طریقہ ہے۔ اس میں نہ تو بزرگ کی قبر کو سجدہ کرنے یا بوسہ دینے وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ اس عملِ دعوت القبور میں کوئی ناچیز غیر شرع الفاظ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اور نہ کوئی اس قسم کی ناروا حرکت یا ناواجب فعل اہلِ دعوت سے صادر ہوتا ہے کہ جس پر از روئے شرع شریف کوئی گرفت ہو یا حرف آئے۔ لیکن بعض کم ظرف خشک مزاج لوگ قبر کا نام سن کر آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور بڑ بڑا اُٹھتے ہیں کہ دیکھو جی یہ تو محض قبر پرستی اور صریح شرک کی تعلیم ہے۔ بھلا اگر کسی بزرگ کے مزار کے پاس بیٹھ کر محض قرآن پڑھنا شرک ہے تو ان لوگوں کے اس ابلیسانہ توحید سے ہمارا یہ شرک لاکھوں درجہ بہتر ہے۔ شیطان نے بھی آدم علیہ السلام کے سجدے سے انکار کیا تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں تو لاکھوں برس سجدوں میں سر مارتا رہا تھا اور توحید توحید اور لَا اَسْجُدُ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے دم مارتا رہا تھا۔ سو شیطان کمال توحید سے لعنتی اور راندۂ درگاہِ ربّ العالمین ہو گیا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے　　اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

(ابراہیم ذوقؔ)

سو اس شیطانی توحید سے اللہ تعالیٰ ہر مومن کو امان دیوے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں یعنی انبیا اور اولیا کی تعظیم و تکریم یا ان کی قبروں سے استمداد کا انکار برائے نام شیطانی موحدین کا جذبہ حسد و کبر کارفرما ہے۔ اور یہ نارِ حسد و کبر ان کے تمام خرمنِ عمل و طاعت کو ایک دم میں جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ حدیث: فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ یعنی ''حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں

کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔'' سو دعوت القبور ایک بھاری قرآنی عمل ہے اور صرف زندہ دل عارف عامل کامل لوگ ہی کسی ولی کی قبر پر دعوتِ قرآن پڑھ کر روحانی کو حاضر کر سکتے ہیں۔ اور روحانی کی رفاقت اور استعانت سے اپنی مشکل مہم حل کر سکتے ہیں۔ عام نفسانی مردہ دل لوگ اگر تمام عمر قبر پر قرآن پڑھتے رہیں نہ روحانی کو حاضر کر سکتے ہیں اور نہ اپنے کام میں ان سے مدد لے سکتے ہیں۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اہلِ یورپ اپنے روحانی حلقوں کے اندر گانے بجانے کے ذریعے ایک میڈیم کی وساطت سے مختلف سفلی روحوں کو حاضر کر سکتے ہیں اور ان سے ملاقی اور ہم کلام ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا کامل عامل بندہ قرآن پاک کے ذریعے روحانی کو حاضر نہیں کر سکتا؟ سو روحانی اپنی قبر کے غار میں سانپ اور اژدہا کی طرح اپنی باطنی برزخی خزانے پر کنڈل مارے بیٹھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی مردہ دل نفسانی شخص روحانی کو بے وجہ چھیڑتا ہے یا اس کی باطنی دولت کو چھوتا ہے تو روحانی اسے اس طرح باطنی ڈنگ لگاتا ہے کہ نفسانی فوراً بیمار ہو کر یا دیوانہ اور مجنون ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن جس وقت اہلِ دعوت عامل کامل کسی روحانی کی قبر کے غار پر قلندر کی طرح قرآن کی بین بجانی شروع کرتا ہے تو روحانی قرآنی بین کی آواز سن کر اپنے غارِ قبر سے باہر نکل آتا ہے۔ اس وقت آوازِ قرآن سے مست ہو کر قلندر اہلِ دعوت کا مطیع اور منقاد ہو جاتا ہے۔ اور کامل اہلِ دعوت روحانی کو اپنی گرفت میں پکڑ کر اس کے باطنی برزخی خزانے میں سے اپنی مراد کے موافق اپنا حصہ لے لیتا ہے۔ سو کسی ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھنا اور اپنی مشکل مہم حل کرنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے بلکہ بڑا مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ اہلِ دعوت کا باطنی لطیفہ نورِ قرآن کی ثقالت سے وزنی اور بھاری ہو کر بحرِ عالمِ غیب میں ڈوب جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○ (المزمل ۷۳ : ۵)۔ یعنی ہم تم پر قولِ ثقیل اتارنے والے ہیں۔ اور عامل اہلِ دعوت کا صخرۂ دل کے اندر سے لطیفۂ قلب مچھلی کی طرح نورِ آبِ حیاتِ قرآن سے زندہ ہو کر بحرِ عالمِ غیب میں تیرنے اور چلنے لگ جاتا ہے۔ اور عالمِ غیب اور عالمِ شہادت کے مجمع البحرین میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ خضرؑ مثال روحانی سے جا کر ملاقی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم پچھلے صفحوں میں بیان کر آئے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ: اِذْقَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ

اَبْرَحُ حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ٥ (الکھف ۱۸ : ۶۰) فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ٥ (الکھف ۱۸ : ۶۵)۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے پایا ہمارے خاص بندوں میں سے ایک باطنی و روحانی بندے خضرؑ کو جسے ہم نے اپنی خاص رحمت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اور اسے اپنی طرف سے خاص باطنی علم عطا فرمایا تھا۔

باطن میں دعوت کے مختلف طور طریقے ہیں۔ بعض اہلِ دعوت کو اہلِ قبر سے خواب کے اندر اپنے کام کے سرانجام ہونے کی بشارت مل جاتی ہے۔ بعض کو مراقبے کے اندر۔ بعض کو دل کے اندر غیب سے آگاہی ملتی ہے۔ بعض کو الہام ہوتا ہے۔ بعض کو صحیح وہم سے، بعض کو مضغۂ قلب لحم سے، بعض کو مطالعۂ لوحِ محفوظ سے اعلام ہوجاتا ہے۔ بعض کو ارواحِ مقدسہ کے ذریعے اشارات ملتے ہیں۔ بعض کی ظاہری اور باطنی آنکھ ایک ہوجاتی ہے۔ اور خواب و بیداری ایک ہوجاتی ہے۔ اور اپنا باطنی غیبی معاملہ اس طرح علی الاعلان اور عیاں طور پر دیکھتا ہے جس طرح انسان پردۂ سیمیں پر فلم کا تماشہ دیکھتا ہے۔ اور اگر روحانی اہلِ قبر کامل ہے اور اہلِ دعوت عملِ دعوت میں عامل ہے تو جس مشکل کام اور مہم کے لیے ہر دو متحد ہوجاتے ہیں تو وہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل و قدرت سے ضرور سرانجام ہوجاتا ہے اور وہ جلد یا بدیر ضرور اسی طرح سرانجام اور ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اہلِ قبر روحانی کے بھی مختلف منازل اور مدارج ہوتے ہیں۔ بعض اہلِ قبر روحانی اہلِ جلال ہوتے ہیں۔ ایسے روحانی اہلِ قبر کے مزار پر اگر کسی دشمن کی زبونی یا ہلاکت کے لیے دعوت پڑھی جائے تو وہ ایسے کام میں بہت مستعدی ظاہر کرتے ہیں۔ بعض روحانی اہل قبور سخت بیماریوں اور لاعلاج امراض کی شفا اور تداوی میں خوب مدد دیتے ہیں۔ بعض کی قبر پر دعوت پڑھنے سے رزق اور روزی میں خوب کشائش ہوتی ہے۔ بعض روحانی کی قبر سے علم کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ذہن اور فہم میں خوب طاقت اور قوت پیدا ہوجاتی ہے اور حافظہ تیز ہوجاتا ہے۔ بعض اہلِ قبور سے انسان کا روزینہ مقرر ہوجاتا ہے۔ اور وہ معین روزینہ بلاناغہ ضرور ملتا رہتا ہے۔ مذکورہ بالا فوائد آسانی سے جلدی اہلِ دعوت کو روحانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر اہلِ دعوت بڑا صاحبِ کمال ہے اور اہلِ قبر بھی زبردست روحانیت کا ملک ہے تو ایسی حالت میں قبر پر

دعوت پڑھنے سے فریقین کو کمال لازوال فوائد حاصل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً بعض کامل عامل اثنائے دعوت میں روحانی کو اس طرح اپنے ساتھ باطنی رشتے سے منسلک کرلیتا ہے کہ وہ تمام عمر اہلِ دعوت کی قید میں رہتا ہے اور جہاں جس وقت چاہے اس سے کام اور خدمت لیتا ہے۔ بعض روحانی سے اہلِ دعوت عہد و پیماں لے لیتا ہے۔ یعنی روحانی اس سے پکا اور پختہ وعدہ کرلیتا ہے کہ جس جگہ، جس وقت اور جس کام کے لیے تم ہم کو طلب کرو گے ہم خدمت کے لیے تیار اور مستعد رہیں گے۔ بعض روحانی کی قبر پر دعوت پڑھنے سے اہلِ دعوت کی زبان نورِ کُن سے مترشح ہوجاتی ہے اور وہ صاحبِ لفظ ہوجاتا ہے اور اس کی زبان سیف الرحمٰن بن جاتی ہے۔ اور جس کام کے لیے منہ کھولتا ہے اور جس امر کے لیے زبان ہلاتا ہے کہ ہوجائے اللہ تعالیٰ کے امر سے جلدی یا دیر سے ضرور ہوجاتا ہے اور کبھی خطا نہیں کرتا۔ بعض اہلِ قبر پر دعوت پڑھنے سے اہلِ دعوت کو لوحِ محفوظ کا مطالعہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور ماضی، مستقبل اور حال کے احوال پر آگاہی پاتا رہتا ہے۔ بعض اہلِ قبر پر دعوت پڑھنے سے باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اور زمین کے نیچے پرانے دفینے نظر آجاتے ہیں۔ اور جو زر و جواہر زمین کے اندر دبے پڑے ہیں اسے معلوم ہوتے ہیں اور جس قدر چاہے نکال کر خرچ کرسکتا ہے اور اس عمل کے ذریعے دنیا سے مستغنی اور لایحتاج رہتا ہے۔ بعض اہلِ قبور پر دعوت پڑھنے سے اہلِ دعوت کو کیمیا اکسیر کا ہنر حاصل ہوجاتا ہے اور باطن میں مؤکلات اسے ہنر کیمیا سکھا دیتے ہیں کہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور وہ تانبے سے سونا اور قلعی سے چاندی بنالیتا ہے۔ اور لوگوں سے بے نیاز اور لایحتاج ہوجاتا ہے۔ افسوس ہے مہوس لوگ تمام عزیز عمر کیمیا کی طلب میں صرف کردیتے ہیں اور پارہ، گندھک اور ہڑتال وغیرہ پھونکنے اور جلانے میں اپنی کمائی خرچ کردیتے ہیں لیکن انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور جھوٹے، مکاروں اور شعبدہ بازوں کے ہاتھوں دھوکے کھا کر کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں۔ غرض یہ عمل بھی روحانیوں اور باطنی غیبی مؤکلات کے ذریعے حاصل ہوجاتا ہے۔ بعض اہلِ قبر پر دعوت پڑھنے سے مؤکلات سنگ پارس کی نسبت اشارات اور بشارت دیتے ہیں کہ یہ سنگ پارس پہاڑ کے اندر پڑا ہوا ہے اسے اٹھا لو۔ اور جس قدر چاہو اس سے سونا بنالو۔ بعض روحانی اہلِ قبور کی قبر پر دعوت پڑھنے سے اہلِ دعوت کو روحانیوں کی مجالس کھل جاتی

ہے اور اہلِ دعوت جہاں کہیں بیٹھے مراقبہ کرتا ہے باطن میں طیر سیر کر کے روحانیوں کی باطنی مجلسوں اور محفلوں میں شامل اور داخل ہوتا رہتا ہے اور ان سے ملاقی اور ہم صحبت ہو کر ان سے فیض حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت بھاری باطنی نعمتیں اہلِ دعوت کو روحانیوں سے حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ جن کا قیاس بھی انسان نہیں کر سکتا اور جن کا یقین عوام کیا خواص بھی مشکل سے کر سکتے ہیں۔

ناظرین یقین جانیں کہ یہ مذکورہ بالا باتیں خالی گپیں اور ڈھکوسلے نہیں ہیں بلکہ ٹھوس حقیقتیں ہیں۔ لیکن یہ باطنی بھاری عظیم الشان نعمتیں جسے اللہ تعالیٰ چاہے عنایت فرماتا ہے:
ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ο (الجمعة ۶۲ : ۴)۔
لیکن دعوت القبور کی کلید اور کنجی حاصل کرنا ایک امرِ محال ہے۔ جب تک کوئی شخص موت سے پہلے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستے اور اس کی محبت میں فنا نہ کر ڈالے اور اپنی ہستی کو تخم اور بیج کی طرح مٹی کے اندر نیست اور نابود نہ کر دے زندہ پائندہ اور سرسبز ہرگز نہیں ہوتا۔ غرض علم تصور اسم اللہ ذات حضور اور عملِ دعوتِ قبور نہایت مشکل اور دشوار کام ہے۔ بعض بے وقوف، احمق نادان کسی کتاب میں عمل دعوت القبور پڑھ لیتے ہیں اور اپنے خام خیال سے قبروں پر دعوت پڑھنے لگ جاتے ہیں اور روحانی اہلِ قبر سے رجعت کھا کر تمام عمر مرض اور رنج میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا دیوانہ اور مجنون ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرض نفسانی کو اس عمل میں اپنے خام خیال سے خود بخود ہرگز قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔

کارِ بوزنہ نیست نجاّری

اب ہم ناظرین کے مزید اطمینانِ قلب اور ازدیادِ یقین کی خاطر اسی علمِ دعوت کے متعلق ایک دو مختصر سے اپنے واقعات اور عینی مشاہدے بے کم و کاست بیان کیے دیتے ہیں کیوں کہ اس قسم کے واقعات پڑھنے سے دعوت کی اصلی حقیقت اور اس کی نوعیت اہلِ مطالعہ پر نہایت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دعوت کیا چیز ہے اور کیوں کر رواں ہوتی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ان واقعات کو جھوٹ اور نمائش خیال کریں گے یا یہ قیاس کریں گے کہ یہ فقیروں اور صوفیوں کے محض اپنے خیالات اور واہمات ہوتے ہیں۔ جو انہیں اپنے جوشِ طبیعت کے سبب متشکل ہو کر نظر آتے ہیں اور یہ سب کچھ محض اپنے فریبِ

نظر اور قوتِ واہمہ کی کارستانیاں ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ عالم الغیب دلوں کی نیت اور حقیقتِ حال سے اچھی طرح واقف اور آگاہ ہے اور اسی کا علم ہمارے لیے کافی ہے۔ کَفٰی عِلْمُهٗ بِحَالِیْ۔

ایک دفعہ یہ فقیر رات کو اکیلا ایک بزرگ کی قبر پر دعوت پڑھنے کی غرض سے گیا اور جب ظاہر سورۂ مزمل باترتیب پڑھ کر روحانی کی طرف مراقب اور متوجہ ہوا تو میرے باطنی لطیفے نے باہر نکل کر درود، فاتحہ اور پھر درود شریف پڑھا۔ تو یہ فقیر فوراً بحرِ عالمِ غیب میں ڈوب گیا اور مچھلی کی طرح روحانی کی برزخی منزل کی طرف سیدھا چلا گیا۔ جب اس منزل کے قریب گیا تو مجھے روحانی کے ذکرِ جہر نفی اثبات لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز سنائی دی۔ اور میں اس منزل کے اندر داخل ہوا۔ اس کی سفید گھنی ڈاڑھی، گول چہرہ، سر مونڈھا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ ہاتھ ملانے کے بعد اس نے مجھے کہا کہ وہ آئندہ ہمیشہ ہر جگہ میری امداد کے لیے حاضر ہوا کرے گا۔ چنانچہ اس روحانی کو اپنا یار، رفیق اور امدادی پایا۔

ایک دفعہ یہ فقیر ایک بزرگ کی قبر پر دعوت پڑھنے کی غرض سے رات کو گیا۔ جب اس فقیر نے دعوت کی نیت سے قبر کے ارد گرد بانگ پڑھی تو روحانی فوراً حاضر ہو گیا اور اس کی قبر شیر کی طرح مہیب اور خوفناک شکل اختیار کر گئی اور اس سے رعب اور جلال ٹپکنے لگا۔ اس کے بعد میں نے قبر کے قریب کئی بار باترتیب سورۂ مزمل پڑھی اور وہاں سے اٹھ کر قبر کے قریب اپنی خواب گاہ میں لیٹ گیا۔ اور روحانی کی طرف اپنی باطنی ہمت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اور معاً بجلی کی چمک کی طرح ایک نور میری آنکھوں میں چمکا۔ اور اس نور نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور میں اس روحانی کے بڑے وسیع برزخی مقام میں داخل ہوا۔ اور گو میں بظاہر حافظِ قرآن نہیں ہوں مگر میرے باطنی وجود نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اور تمام قرآن ابتدا بسم اللہ سے لے کر انتہا والناس تک ختم کر ڈالا۔ اس کے بعد میری زبان پر سورۂ مزمل جاری ہو گئی اور میں اس برزخی مکان کے اندر روحانی کے ہمراہ پرندے کی طرح اڑتا اور چکر لگاتا رہا۔ اس کے بعد روحانی نے میری دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے بچے کی طرح اوپر کو اٹھا کر عالمِ بالا میں اڑا لیا۔ اور مجھے ایک ایسے مکان میں جا اتارا جو اللہ تعالیٰ کے نوری اسما

سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اسی مکان کے اندر میں نے اپنے آپ کو بیدار ہوتے اور آنکھ کھولتے دیکھا۔ اور جب میں اپنی خواب گاہ پر بیدار ہوا تو مجھے ظاہری آنکھوں سے بھی وہ مکان مع نوری اسماعیاں طور پر نظر آنے لگ گیا۔ اس دعوت سے مجھے کمال فائدہ حاصل ہوا۔ چنانچہ جب کبھی میں تین چار دفعہ سورۂ مزمل پڑھ کر مراقبہ کرتا تو مجھے فوراً غیبت اور استغراق حاصل ہو جاتا اور باطن میں طیر سیر کرنے لگ جاتا۔ اور روئے زمین کے تمام روحانیوں سے باری باری ان کے برزخی مقام پر ملاقات کرتا اور ان سے فیوضات اور برکات حاصل کرتا۔ اس فقیر نے بہت قبروں پر دعوتیں پڑھی ہیں۔ جن کی تفصیل بہت لمبی ہے اور یہ چند واقعات بطور مشتے نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین کر دیئے ہیں۔ شاید دنیا میں کبھی کسی سعادت منداور نیک بخت طالب کا ان واقعات کے پڑھنے کا اتفاق ہو اور یہ تجربہ اس کے لیے اطمینانِ قلب کا موجب اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے۔ کیوں کہ دنیا میں طالب تشنہ مستنق کے لیے ایسی باتیں آبِ حیات کا کام دیتی ہیں اور کور چشم نااہل لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ کسی طرح ان باتوں پر یقین نہیں لاتے۔ بلکہ الٹا اور بگڑنے لگ جاتے ہیں اور يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ(البقرۃ ۲: ۲۶) کے مصداق ہوتے ہیں۔

قبروں پر دعوت پڑھنے کے لیے سب سے زیادہ آسان اور موزوں دعوت سورۂ مزمل کی ہے۔ لیکن جب تک اس دعوت کی کلید اور کنجی کسی کامل عامل سے حاصل نہ ہو اور طالب زندہ دل نہ ہو جائے یہ دعوت رواں اور جاری نہیں ہوتی اور بغیر کلید اور اذن و اجازت دعوت کا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ خواہ تمام عمر کلام پڑھتا رہے اور چلّے وغیرہ کرتا رہے۔ حضرت سلطان العارفین قدس سرّہٗ فرماتے ہیں: ''ہر کہ می خواند مزمل در ہر دو جہان می شود کامل و مکمل۔'' یعنی جو شخص سورۂ مزمل باترتیب پڑھتا ہے وہ دونوں جہان میں کامل اور مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بڑی بھاری اور جامع دعوت سورۂ یٰسٓ کی ہے کیوں کہ احادیث میں آیا ہے کہ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے۔ سورۂ یٰسٓ کے تمام مؤکلات علوی ہیں۔ لیکن سورۂ مزمل کے مؤکلات ہر دو علوی و سفلی ملے جلے ہیں۔ سورۃ یٰسٓ دعوتِ جمالی ہے لیکن سورۂ مزمل کی دعوت ہر دو جمالی اور جلالی صفات کی حامل ہے۔ قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے۔ اور یٰسٓ کا

دل، مغز اور بزرگ آیت سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝(یٰسٓ ۳۶: ۵۸) ہے۔ اس آیت کی دعوت میں بہت عجیب و غریب راز اور اسرار ہیں۔ افسوس ہے کہ بوالہوس لوگ اسے اپنی نفسانی اغراض اور دنیوی مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔ اس واسطے نالائقوں اور نااہلوں کے سامنے اس قسم کے سربستہ قیمتی رازوں کا افشا مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد سورۂ ملک تَبٰرَكَ الَّذِيْ اور سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا دعوت القبور کے لیے بہت موزوں اور مناسب ہے۔ سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا کا ہر حرف، لفظ اور آیت نورِ جلال سے پر اور مملو ہے اور مقہوریٔ اعدا اور دشمنوں کے استیصال کے لیے نہایت تیر بہدف اور کارگر مہلک حربہ ہے۔ اگر کسی موقع پر مسلمان اور کفار و مشرکین کے درمیان لڑائی ٹھن جائے تو عامل کامل اہلِ دعوت کو چاہیے کہ جنگل بیابان جہاں پاک ریت ہو یا دریا کا کنارہ ہو وہاں دو رکعت نفل بہ نیتِ فتحِ اسلام و شکستِ کفار پڑھے اور تین نام نمرود، شداد، قارون ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھے اور دوسرے ٹکڑے پر فرعون، ہامان، ابلیس کے نام لکھے۔ اور ہر دو ٹکڑے اپنے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ کر دو رکعت نفل پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ یٰسٓ ختم کرے اور دوسری رکعت میں سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا پڑھے اور جس وقت دوگانہ ختم کرے تو سجدے میں جاوے اور اپنے ہاتھ کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف رکھے اور سجدے کے اندر تین دفعہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ ۔ بدھ، جمعرات اور جمعہ تین روز کم از کم یا ایک ہفتہ متواتر یہ دعوت پڑھے۔ اگر اہلِ دعوت عامل اور کامل ہے تو کفار اور مشرکین کو جلدی ہزیمت اور شکست مل جائے گی اور اسلام کو فتح اور غلبہ حاصل ہوگا۔ اگر سورۂ یٰسٓ اور اِنَّا فَتَحْنَا یاد نہ ہو تو آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبۃ ۹: ۱۲۸) (الی) عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (التوبۃ ۹: ۱۲۹) تک اور سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ ان دو سورتوں کا نعم البدل ہو سکتا ہے۔ لیکن تعداد ذرا زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ اس سے دوسرے اعدا کو بھی مقہور اور مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ الیکن اس کا طریقہ اور ترتیب الگ ہے۔

اگر کوئی شخص سورۂ یٰسٓ کو عمل میں لانا چاہے تو چاہیے کہ جنگل بیابان میں دریا کے

کنارے جہاں پاک ریت ہو انگلی کے ذریعے ریت پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کا نشان بنائے اور اس پر لکھے: قَبْرُ مُحَمَّدِ بْنُ عَبْدُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ۔ اور قبر کے اردگرد لکھے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (الاحزاب ۳۳: ۵۶)۔ اور تین دفعہ آیت مذکور پڑھے۔ بعدہٗ قبر کے سرہانے قبلہ رخ کر کے دوگانہ نفل یوں ادا کرے کہ پہلی رکعت میں سورۂ یٰسٓ چھ دفعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ یٰسٓ پانچ دفعہ پڑھے۔ بعدہٗ سورۂ ملک ختم کر کے اس کا ثواب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیا مرسلین، صدیقین، شہداء اور صالحین اور بزرگانِ دین اولین و آخرین خصوصاً جملہ اصحابِ کبار اور آئمۂ مجتہدین اور جملہ مؤمنین اور مسلمین کی ارواح کو بخشے۔ یہ دعوت بھی زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ یا کم از کم بدھ، جمعرات اور جمعہ کو تین روز متواتر پڑھے۔ اگر اہلِ دعوت صاحبِ استعداد اہلِ توفیق ہے تو دورانِ دعوت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ فیض بشارت سے خواب یا مراقبے کے اندر یا اعلانیہ طور پر مشرف ہو جائے گا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ دعوت کو کلیدِ دعوت عطا فرما دیں گے اور اس سورہ شریفہ کے جملہ مؤکلات اہلِ دعوت کے تابع ہو جائیں گے۔ یہ دعوت مستجاب الدعوات کہلاتی ہے۔ ویسے قرآن مجید کی تمام سورتوں اور آیتوں میں دعوت کی تاثیر ہے اور قرآن مجید کے نور پر ہر قسم کی علوی اور سفلی مؤکلات اس طرح گرتے ہیں جس طرح شہد کے چھتے پر شہد کی مکھیاں گرتی ہیں۔ دعوت پڑھتے وقت عامل کامل اہلِ دعوت کا دل بعینہٖ شہد کا چھتہ بن جاتا ہے اور نورِ قرآن شہد کی طرح اس سے ٹپکتا اور رستا ہے۔ اس کی ابتدائی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت اہلِ دعوت کی زبان اسی طرح میٹھی ہو جاتی ہے کہ گویا کسی نے منہ میں شہد گھول دیا ہے اور بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے اور دل میں رقت، لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور گاہے جسم بھاری اور ثقیل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بڑی سورتوں میں یہ چار سورتیں قرآن کے اعضائے رئیسہ میں شمار ہوتی ہیں اور ان کے پڑھنے سے بڑی زبردست دعوت جاری ہوتی ہے۔ اول سورۂ مزمل، دوم سورۂ یٰسٓ، سوم سورۂ ملک اور چہارم سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا اور چھوٹی سورتوں میں (۱) الحمد شریف یعنی سورۂ فاتحہ (۲) آیت الکرسی (۳) سورۂ والضحیٰ (۴) سورۂ الم نشرح (۵) سورۂ اخلاص (۶) اول رکوع

سورۂ حدید سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لے کر وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرِ (الحدید ۵۷: ۱۔۵) تک۔ (۷) آخری رکوع سورۂ حشر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ سے لے کر وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الحشر ۵۹: ۱۸۔۲۴) تک۔ (۸) آخری رکوع سورۂ بقرہ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ سے لے کر فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ ۲: ۲۸۴۔۲۸۶) تک۔ قرآن کے یہ چھوٹے ٹکڑے اور سورتیں دعوت پڑھنے کے لیے بہترین چیزیں ہیں۔ قرآنی آیتوں کے یہ چھوٹے اجزا قرآن کی بڑی سورتوں بلکہ قرآن کا نعم البدل بن جاتے ہیں۔ جس طرح ایک پھل کے اندر تمام درخت مندرج اور شامل ہوتا ہے اور ہر ڈالی میں کوئی نہ کوئی پھل ہوتا ہے اسی طرح قرآن کی ہر ڈالی کے اندر تمام درخت شامل اور داخل ہے۔ غرض دعوت اور تلاوتِ قرآن کی یہ ایک نرالی صفت ہے کہ جو چیز تمام قرآن کی دعوت اور تلاوت سے حاصل ہوتی ہے وہ اس کے جز اور ٹکڑے سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیا ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط (المزمل ۷۳: ۲۰)۔ یعنی پڑھو قرآن میں سے جس کا پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ اخلاص یعنی قل شریف کا تین دفعہ پڑھنا ثواب اور برکت میں تمام قرآن کے برابر ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ تمام قرآن سورۂ فاتحہ یعنی الحمد شریف میں شامل اور مندرج ہے۔ اور سورۂ فاتحہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اسم اللہ ذات میں بالقوہ اس طرح مندرج اور شامل ہے جس طرح پھل اور گٹھلی کے اندر درخت اور پودا ہوتا ہے۔

ہم عرفان کے پہلے حصے میں اس حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کر چکے ہیں کہ اسم اللہ ذات کے اندر قرآن مجید کس طرح شامل اور داخل ہے اور قرآن مجید کیوں کر اسم اللہ ذات سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ جب کہ پہلی بار جبرائیل امینؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غارِ حرا میں وحی قرآنی لائے اور آپ ﷺ سے کہا کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھ تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اَنَا لَيْسَ بِقَارِئٍ یعنی میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں کیا پڑھوں۔ جبرائیلؑ امین نے آپؐ کو تین بار سینے میں دبایا اور ہر بار کہتے رہے کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھ۔ اور تیسری بار جب تخمِ اسم اللہ ذات آپ ﷺ کے سینے میں منتقل کر کے فرمایا کہ اِقْرَاْ تو

آپ ﷺ کی زبانِ حق ترجمان میں سے شجرِ قرآن کی پہلی شاخ سورۂ اقرا (العلق) کی صورت میں نمودار ہوئی۔ چنانچہ اس پہلی نازل شدہ سورت کا مضمون خود اس بات کا شاہد ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o (العلق ۹۶: ۱) ۔یعنی اے محمد ﷺ تو قرآن اپنے رب کے اسم کی برکت سے پڑھ جس نے مخلوق کو ایک لفظ کُن سے پیدا فرمایا۔ سو وہ خالق تمام شجرِ قرآن کو اسی طرح اپنے اسم کی برکت سے آپ ﷺ کے اندر ظاہر اور ہویدا فرمائے گا۔ اب بھی جس عارفِ کامل سالک کے اندر اسم اللہ ذات کا تخم اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائم ہو جاتا ہے اور فیض کے آبِ حیات سے سرسبز ہو جاتا ہے تو ایسے عارفِ کامل کی زبان پر قرآن مجید جاری ہو جاتا ہے۔ سو جس طرح اللہ تعالیٰ کا امرِ کُن تمام کائنات کی تخلیق کا باعث ہوا اسی طرح اسم اللہ ذات تمام قرآن کے اجراء کا موجب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسم اللہ ذات اللہ تعالیٰ کے امرِ کُن کا مترادف اور نعم البدل ہے۔ جیسا کہ حضرت پیر محبوبِ سبحانی قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی ہے: بِسْمِ اللّٰهِ مِنْ عَارِفٍ بِاللّٰهِ كَكُنْ مِنَ اللّٰهِ یعنی عارف باللہ کی بسم اللہ حق تعالیٰ کے کن کے برابر ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں جو عارف باللہ کسی کام کے لیے اسم اللہ کہہ دیتا ہے وہ کام جلد یا بدیر ضرور ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اسم اللہ ذات اسم اعظم کا کام دیتا ہے اور تمام کائنات اس اسم کی تسخیر اور تصرف میں ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط (الجاثیۃ ۴۵: ۱۳) (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سب کچھ جو زمین اور آسمان میں ہے مسخر کر دیا ہے اپنے نام کی برکت سے۔

ہم نے عرفان کے پہلے حصے میں اسم اللہ ذات کے ذاتی اسم ہونے کے ثبوت میں بہت کچھ عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ذاتی اسم خاص طور پر ہمارے آقائے نامدار خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کیا گیا تھا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان ﷺ تک تمام پیغمبروں کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں اور جملہ زبانوں میں یہ اسم کسی نہ کسی صورت اور ہیئت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے دلوں، دماغوں اور زبانوں پر مسلط اور جاری رہا ہے۔ جس کے ذریعے لوگ اپنے خالق اور مالک کو یاد کرتے تھے۔ اور اپنے معبودِ حقیقی کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی دنیا کی پرانی زبانوں اور

ملکوں میں اسم کا کھوج ملتا ہے۔ اور یہ اس اسم کی ابتدائی اسلامی اور ذاتی اسم ہونے کی علامت ہے۔ اس اسم کا تلفظ بھی عجیب ہے۔ اگر اس اسم کے حروف ایک ایک کر کے علیحدہ کیے جائیں تب بھی اس کی اسمیت اور ذاتیت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ چنانچہ اسم اللہ کا پہلا حرف اگر دور کیا جائے تو لِلّٰہِ رہ جاتا ہے اور یہ بھی اس کی ذات کی دلالت کرتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (البقرۃ ۲: ۲۸۴)۔ اگر دوسرا حرف لام دور کریں تو لَهٗ رہ جاتا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط (البقرۃ ۲: ۲۵۵)۔ اور اگر دوسرا لام دور کیا جائے تو هُوْ رہ جاتا ہے اور وہ بھی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اس اسم میں اصلی حرف لام ہے۔ اور الف اور ہا محض بطور حرکت اور حرفِ علت لگائے گئے ہیں۔ سو جس طرح پھل کے اندر درخت بالقوہ موجود ہوتا ہے اس طرح اس اسم کے اصلی حرف ل کی صورت بسیط میں ل۔ا۔م یا ا۔ل۔م کر کے لکھیں تو جس طرح حرف واحد ل میں تینوں حروف ا ل م مندرج ہیں اسی طرح اسم اللہ ذات کے اندر تمام قرآن مجید مندرج اور شامل ہے۔ چنانچہ اسی راز کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ابتدائی حروفِ مقطعات میں اشارہ فرمادیا ہے: الٓمّٓ o ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ج فِيْهِ ج (البقرۃ ۲: ۱۔۲)۔ یعنی جس طرح حرف ل واحد کے اندر تینوں حرف ا ل م بالقوہ موجود ہیں اسی طرح تمام کتاب اسم اللہ ذات میں مندرج اور داخل و شامل ہے۔ نیز قرآن میں اور دوسری آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مذکر کے صیغے میں ظاہر فرمایا ہے اور کائنات اور مخلوق کو مؤنث کے صیغے میں ادا فرمایا ہے۔ اور جس طرح پیدائش میں آدم کو حوا پر مقدم کیا ہے اور مرد کو عورت پر فوق، غالب اور افضل ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ آیا ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النسآء ۴: ۳۴)۔ اسی لیے اپنی ذات کو ہر جگہ مذکر کے صیغے میں ادا فرمایا ہے تاکہ دہریوں کے اس خیال کا بطلان ظاہر ہو کہ مادہ پہلے موجود تھا۔ اور بعدہٗ اس میں خود بخود ارتقا نمو اور تخلیق کی صفت پیدا ہوئی۔ جس طرح بعض نادان دہری مزاج لوگ کہہ دیتے ہیں کہ انڈہ پہلے تھا یا مرغی۔ اس سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مادہ یعنی (MATTER) پر غالب، قاہر، قادر اور متصرف ہے۔ جب ہم پرانی زبانوں میں لفظ اللہ کا کھوج لگاتے ہیں تو اس کو کسی نہ کسی صورت اور ہیئت میں تھوڑے بہت انتلاف کے ساتھ

موجود پاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ہم پرانی زبانوں کا نقشہ پیش کرتے ہیں:

نمبر شمار	نام زبان	لفظ	معنی	نمبر شمار	نام زبان	لفظ	معنی
۱	سمارین	لا	بلند	۵	اکاڈین	آلُو	قادر
۲	=	لُو	اونچا	۶	ہیروو یونانی	اُل	قوی
۳	بربر	اَلْ	اعلیٰ	۷	سیرین	ھلّا	مضبوط
۴	کورین	اُلّا	اوپر	۸	ملائی	اُلُو	ازلی

ذیل کی زبانوں میں لفظ اللہ کے اصلی حرف ''ل'' کو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اظہار میں استعمال کیا گیا ہے۔

نقشہ

نمبر شمار	زبان	لفظ	معنی
۱	سیرین (SYRIAN)	الُوحا	اَللّٰہُ
۲	اکاڈین (ACCADIAN)	لُو	اَللّٰہُ
۳	فینشین (PHOENICIAN)	الُون	اَللّٰہُ
۴	عبرانی (HEBREW)	اَل اِلیّاہ	اَللّٰہُ
۵	ہیٹین (HIATIAN)	لَوا	اَللّٰہُ
۶	فنشن (FINNISH)	لویا	اَللّٰہُ

غرض اللہ تعالیٰ کا نام اور کلام مسلمانوں کا اصلی قدیمی ورثہ اور روحانی ہتھیار ہے۔ اور اس کی بدولت مذہب اور اسلام دنیا میں قاہر، غالب اور زندہ و تابندہ رہا ہے۔

پہلے زمانے کے جانباز، پاکباز اور متقی فرزندانِ اسلام کے پاس محض روحانی ہتھیار اور باطنی اوزار ہی تو تھے جن کی بدولت چند گنتی کے مسلمان تمام دنیا پر چھا گئے تھے۔ ان کے اخلاق اور بلند کردار کو دیکھ کر لوگ ان کے سچے دین کو دل و جان سے قبول کرتے تھے۔ اور

جو قومیں محض جہالت، تعصب اور حسد و عناد کی وجہ سے ان کی دعوتِ اسلام سے برسرِ انکار اور پیکار ہوتے تھے مسلمان انہیں اپنے ظاہری اور باطنی ہتھیاروں سے کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔ اور خلقِ خدا کو ان اعدائے دینِ الٰہیؔ کے ظلم و ستم، جاہلانہ رسم و رواج اور شرک اور کفر کے باطل بے ہودہ عقائد سے نجات دلا دیتے تھے۔ چونکہ ان مسلمانوں کا ہر فعل اور کام اللہ کے لیے تھا اور اس آیت کے سچے مصداق تھے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o (الانعام ۶ : ۱۶۳)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور اس کی ظاہری اور باطنی تائید ان کے ہمراہ تھی۔ کوئی اور ملت خواہ وہ تعداد اور ظاہری اور مادی طاقت میں کتنی زبردست اور طاقتور ان کے مقابلے میں آئی پاکباز اور جانباز مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں شکست فاش ہوئی۔ مطابق مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ وہ اللہ کے لیے تھے، اللہ ان کے لیے تھا۔ اس قسم کے مٹھی بھر انسانوں کا مقابلہ تمام دنیا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے لڑنا اللہ تعالیٰ سے لڑنا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر اور قوی کے مقابلے میں عاجز مخلوق کی کیا طاقت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان بے سروسامان اور نادار مگر ایمان دار مسلمانوں نے اپنے شکستہ نیزوں اور کند تلواروں سے قیصر و کسریٰ جیسے زبردست بادشاہوں کے تخت و تاج الٹ دیئے۔ روئے زمین کی عظیم الشان اور مضبوط حکومتوں کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے کہ وہ مومنوں کو غالب اور حاکم رکھتا ہے۔ کبھی غیروں سے مغلوب اور محکوم نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o (ال عمرٰن ۳ : ۱۳۹)۔ ''اے مومنو! تم ناامید نہ ہوؤ اور غم نہ کرو۔ اور تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم اہلِ ایمان ہو۔'' اور اسی کے مطابق حدیث ہے کہ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ۔ یعنی ''اسلام ہمیشہ غالب رہے گا، اور کبھی مغلوب نہ ہوگا۔'' ہم آج غیروں کے ہاتھوں اس لیے ذلیل اور محکوم ہیں کہ ہم میں نہ تو شعائرِ اسلام ہیں اور نہ نورِ ایمان۔ صرف نام کے مسلمان ہیں اور اخلاق و عادات میں کفار اور مشرکین سے بدتر ہیں۔ پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکوہ اور شکایت کریں کہ اس نے کفار اور فساق کو ہم پر کیوں حاکم اور مسلط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن و متقی کا بڑا بھاری درجہ ہے۔ اور اس کی بارگاہ میں ایمان دار آدمی کی بڑی قدر اور عزت ہے۔

اسلام کے اہلِ سلف متقی مومنوں نے تمام دنیا کو زیرِ نگیں کر لیا تھا۔ ہمارے اسلاف میں علمائے عاملین اور اولیائے کاملین کی پاک اور برگزیدہ ہستیاں تھی۔ جن کی بدولت اسلام چار دانگِ عالم میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیل گیا تھا۔ اسلامی فتوحات کا یہ حیرت انگیز معجزہ ابھی تک دانایانِ فرنگ کے دماغوں کو دنگ اور حیران کیے ہوئے ہے۔ اور یہ عقدہ قیامت تک ان کے دماغوں میں اسی طرح اٹکا رہے گا اور کبھی حل نہ ہوگا۔ جب تک اسلام کی یہ روحِ رواں یعنی روحانی اور باطنی طاقت کے مالک اولیائے کرام کی پاک ہستیاں اس قوم کی پشت پناہ رہیں ان کے دم قدم سے مسلمان اپنی اصلی صفت اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ کا مصداق بنا رہا اور ہر میدان میں غالب، قاہر اور فاتح بنا رہا۔ ورنہ کہاں عرب کے صحرائی بادیہ نشین اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے اور کہاں قیصر و کسریٰ اور شام و روم اور مصر کے جاہ و حشمت اور دولت و ثروت والی زبردست حکومتیں۔ مگر وہ کیا چیز تھی جس نے اس وحشی بادیہ نشین جاہل اور اکھڑ قوم کو علم، ہنر، شرافت، تہذیب، تمدن اور عقل و فراست اور تمام ظاہری و باطنی اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ سعیدہ سے آراستہ و پیراستہ کر دیا تھا۔ اور تمام دنیا میں مَلکی صفات سے ممتاز اور مُلکی فتوحات سے سرفراز فرما دیا تھا۔ وہ محض نورِ ایمان اور جوہرِ اسلام تھا اور وہ اس سراجِ منیر یعنی آفتابِ عالم تاب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مقدس وجود کی نوری آفتابی کرنیں اور شعاعیں تھیں جس نے آپ ﷺ کے صحابہؓ کرام کے ظاہر و باطن، صورت و سیرت، خلق و خُلق اور جسم و جاں کو نورِ اسلام و ایمان اور عرفان سے منور کر دیا تھا۔ اور وہ یا تو بمصداق اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا (التوبۃ ۹: ۹۷) نکمے پتھروں کی طرح سنگ دل لوگ تھے یا آپ ﷺ کی صحبت کیمیا اثر سے بقول ''اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ'' آسمانِ کمال کے درخشندہ ستارے بن گئے۔ مسلمان نورِ ایمان کے ذریعے بمقتضائے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح ۴۸: ۲۹) ایک دوسرے سے متحد و متفق، یک دل و یک جان، رفیق و شفیق اور ایک دوسرے پر رحیم اور مہربان بنے ہوئے تھے۔ اور یہی چیز اس ملتِ آوارہ کا شیرازہ اور رشتہ تھا جس نے تمام امت کے افراد کو تسبیح کے دانوں کی طرح مربوط اور منسلک کیا ہوا تھا اور اس امرِ ربی کے مطابق کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (اٰل عمرٰن ۳: ۱۰۳) سب

اسلام اور ایمان کی مضبوط رسی کو پکڑے ہوئے اور اسی میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ اسی اخوتِ اسلامی اور اتحادِ ایمانی کے جذبے اور سپرٹ کے تحت مسلمان ایک دوسرے پر جان و مال قربان کرتے تھے۔ اور یہی چیز ان کی تمام دنیوی مہمات اور ملکی فتوحات میں کامیاب اور کامرانی کا موجب اور باعث بنی رہی ہے۔

اسلام میں ہمیشہ روحانی قوت اور باطنی طاقت نے مادی حکومتوں اور ظاہری سلطنتوں کی آستینوں میں یَدُ اللّٰہ (قدرت کا ہاتھ) بن کر دین اور مذہب کی تبلیغ اور توسیع کا کام کیا ہے۔ جملہ انبیائے بنی اسرائیل مثلاً داؤد علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیا خصوصاً ہمارے آقائے نامدار سرورِ انبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدینؓ کے تمام فاتحانہ کارناموں میں ہمیشہ روحانی طاقت اور آسمانی ہمت کارفرما رہی ہے چنانچہ انبیا علیہم السلام کی دعوت پر ہمیشہ ملائکہ یعنی آسمانی کمک فوج در فوج امداد کے لیے اترتی رہی ہے اور اسی روحانی و باطنی امداد کی بدولت اسلامی فوجیں اور دیگر موحدین جیوش باوجود بے سروسامانی کے کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰہِ ط (البقرۃ ۲: ۲۴۹) کے مطابق اپنے سے دس گنا دشمن پر فتح پا لیتے تھے۔ اس قسم کی لڑائیوں کی مثالیں قرآنِ کریم میں بہت مذکور ہیں کہ جن میں ملائکہ یعنی فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لیے آسمان سے نازل ہوتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے دوش بدوش کفار سے لڑتے رہے ہیں۔ انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کا یہ ہمیشہ اصول اور قاعدہ چلا آیا ہے کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار اور ملکی مہمات میں اپنے باطنی تصرف اور روحانی ہمت کو استعمال کرنے سے حتی الوسع احتراز اور اجتناب کرتے رہے ہیں اور اکثر اوقات رضا بقضائے الٰہی کا شیوہ اور صبر و توکل کا طریقہ اختیار کر کے یہ کہتے ہیں کہ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ o (المؤمن ۴۰: ۴۴)۔ یعنی ہم اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات کا خود نگہبان اور نگران ہے۔ مگر سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے باطنی امداد، غیبی تائید اور آسمانی کمک کے طلب گار اور مستدعی ہوئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی دنیا کے اس دار الامتحان اور عالمِ اسباب میں ہمیشہ اسباب کے پردے میں اپنے بندوں نے اپنی راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کی خدمت لیتے رہے

ہیں اور اپنی قدرت کے ہاتھ کو اسباب کی آستین میں چھپا کر کام کرتے ہیں۔ اور گاہے گاہے شاذ و نادر سخت ضرورت کے وقت اپنے خاص برگزیدہ جانباز بندوں کی خاطر قدرت کے ہاتھ پر سے اسباب کی آستین اتار کر ننگے ہاتھوں اپنی قدرت کے معجزات اور کرامات ظاہر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرشتے اکثر مسلمانوں کے دلوں کو لڑائی کے موقع پر تقویت، اطمینان اور تسلی پہنچانے کی خاطر آسمان سے نازل ہوتے رہے ہیں۔ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں ہمت، جوانمردی اور شوقِ شہادت کا جذبہ اور ان کے جسموں اور جانوں میں غیر معمولی طاقت اور قوت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ ورنہ ایک فرشتہ لاکھوں انسانوں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک حاکم یا سردار اپنے لڑکے کو اپنے نوکر کے بچے سے کشتی لڑنے اور مقابلہ کرنے کا امر کرتا ہے اور سردار کا لڑکا اپنے باپ کے حکم کی فوراً تعمیل کر کے محض اس کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کی خاطر میدان میں کود پڑتا ہے اور اپنے نوکر کے بچے سے کشتی اور مقابلے پر اتر آتا ہے اور اس کے ساتھ کشتی لڑنے لگ جاتا ہے۔ اب باپ اپنے بچے کے جذبۂ اطاعت اور جوشِ فرماں برداری کو پاس کھڑا ہو کر دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کس طرح میرا بچہ اپنی ساری ہمت اور پوری طاقت میرے حکم کی تعمیل اور میری خوشنودی کے حصول میں صرف کر رہا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ ایسے موقع پر سردار کا اپنا بچہ گرنے لگ جاتا ہے تو باپ خفیہ طور پر اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر اپنے بچے کو گرنے سے بچالیتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی اپنے برگزیدہ اور فرماں بردار بندوں کے ساتھ آسمانی امداد اور تائیدِ غیبی کی بھی یہی صورت رہی ہے تاکہ دنیا کے دارالحکمت اور دارالامتحان میں اسباب کا پردہ بھی چاک نہ ہو اور ساتھ ہی مسلمان موحدین اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور غزا کی جزا اور ثواب کے مستوجب اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں اپنی جان و مال قربان کرنے کے عوض آخرت کے ابدی انعام اور اکرام کے مستحق ہو جائیں۔

قولہٗ تعالیٰ: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (الانفال ۸: ۹ ـ ۱۰)۔ (ترجمہ) ''جب تم اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔ اور ہم نے ایک ہزار فرشتوں

کے نزول اور ظہور سے تمہاری امداد فرمائی اور یہ غیبی امداد کا معاملہ اس لیے کیا گیا تاکہ تم کو ایک گونہ بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان اور تسلی حاصل ہو۔ ورنہ فتح اور نصرت تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ غلبے اور حکمت والا ہے۔'' مذکورہ بالا آسمانی امداد محض مسلمانوں کے دلوں کو اطمینان اور تسلی دینے کے لیے اتاری گئی تھی۔ اس میں فرشتوں کو لڑنے کا حکم نہیں تھا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ (الانفال ۸: ۱۲)۔ (ترجمہ) ''اور جب اے نبی ﷺ! تیرے رب نے وحی کی فرشتوں کو کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ پس تم ثابت قدم رکھو میدانِ جنگ میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں خوف اور رعب ڈالنے والے ہیں۔ پس مارو ان کی گردنیں اور ان کو ہر پور اور بند بند میں کاٹو۔''

یہاں قدرت کے ہاتھ پر سے اسباب کی آستین اتار کر امداد فرمائی گئی۔ چنانچہ اصحابؓ فرماتے ہیں کہ ایسے امداد کے موقعوں پر فرشتوں کو اجنبی لوگوں کی صورت میں اپنے دوش بدوش لڑتے دیکھا کرتے تھے۔ اور گاہے ہم کسی کافر کو مارنے کا ارادہ کرتے تھے تو اس کا سر خود بخود پہلے کٹ جایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں عام ہوا کرتے تھے اور بعض صاحبِ بصیرت باطنی اصحاب بارہا فرشتوں کو ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان سے اترتے اور ان کے دوش بدوش کافروں سے لڑتے دیکھا کرتے تھے اور بے شمار صحیح روایتوں میں ان کی شہادتیں موجود ہیں۔ اور اس قسم کے واقعات سے قرآنِ کریم بھرا پڑا ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں یعنی انبیا اور اولیا نے مشکل مہمات اور لڑائیوں کے موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی لطیف مخلوق یعنی ملائکہ اور ارواح کی رفاقت سے انکی امداد فرمائی ہے۔ اس امداد کے مختلف طور طریقے اور الگ الگ صورتیں ہوتی رہی ہیں۔ بعض دفعہ جب کبھی کچھ لوگ پیغمبروں پر ایمان لا کر ان کے ہمراہ ہو جایا کرتے تھے اور کفار سے لڑتے تھے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی امداد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل فرماتے جن کی مدد سے تھوڑے مسلمان اپنے سے دس گنا کافروں پر غالب آجاتے۔ جیسا کہ اوپر کی آیتوں سے ظاہر

ہوتا ہے۔لیکن جب کبھی ساری قوم کی قوم بگڑ جاتی تھی اور انکار اور پیکار پر اتر آتی تھی تو اس وقت اللہ تعالیٰ عالم گیر آفاقی حادثے سے انہیں ہلاک کر دیتے تھے۔جیسا کہ نوح علیہ السلام کی تمام قوم کو عالم گیر طوفان میں غرق کر دیا تھا۔فرعون بے عون کو اپنے لشکر سمیت دریائے نیل کی لہروں میں بہا کر ہلاک کر ڈالا تھا۔لوط علیہ السلام کی قوم کے تین سو شہروں کو زلزلے اور بھونچال سے تہ و بالا کر دیا تھا۔عاد، ثمود اور صالحؑ کی قوموں کو اس قسم کی عالم گیر آفتوں سے فنا کر دیا تھا۔

اب بھی اللہ تعالیٰ کے غیبی سٹور اور آسمانی میگزین میں اس سے بدر جہاز بردست قہرمانی طاقتیں موجود ہیں جن کے سامنے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بموں کی کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اب نہ تو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایسی برگزیدہ و محبوب ہستیاں موجود ہیں اور نہ اس قسم کے جان باز جانثار مومن نظر آتے ہیں جن کی خاطر اللہ تعالیٰ زمین پر اسباب کا پردہ چاک کر کے اپنے دستِ قدرت کا مظاہرہ فرمانے کی ضرورت محسوس کرے۔آج خود ہمارے خود غرض سیاسی اور ملکی لیڈروں یعنی نام نہاد ناخداؤں کے ہاتھوں اسلام کا بیڑا غرق ہوتا نظر آ رہا ہے۔آج دنیا انسان نما حیوانوں اور درندوں سے بھری پڑی ہے۔کہیں کہیں خال خال کوئی اصلی حقیقی معنوں میں انسان نظر آتا ہے۔

یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (الاعراف ۷: ۱۷۹)۔(ترجمہ) ''ہم نے جن و انس میں سے اکثروں کو جہنم کے لیے تیار کیا ہے۔ان کے دل ہیں جن سے وہ نہیں سوچتے۔ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے۔ان کے کان ہیں جن سے وہ نہیں سنتے۔وہ نرے حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں۔''

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: سَيَاتِىْ زَمَانٌ'' عَلٰى اُمَّتِىْ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا رَسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْاِيْمَانِ اِلَّا اِسْمُهٗ''۵۔یعنی میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ نہیں باقی رہے گا اسلام میں سے مگر رسم اور رواج اور نہیں باقی رہے گا ایمان سے مگر خالی

نام۔آج وہی زمانہ ہے کہ اسلامی ارکان بطور رسم و رواج محض نمائش اور دکھلاوے کے لیے ادا کیے جاتے ہیں۔اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔اور صرف نام کے مومن دنیا میں موجود ہیں۔نام سنو تو ابراہیم کہلاتے ہیں لیکن نفاق اور رعونت میں نمرود سے بڑھ کر ہیں۔نام موسیٰ ہے ظلم اور سرمایہ داری میں قارون اور فرعون کے کان کتر ڈالے ہیں۔نام کے غلام محمد اور غلام احمد ہیں لیکن کئی ابوجہل اور یزید گریبان میں ڈال رکھے ہیں۔غرض اس قسم کے مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔کیا ہوا کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے اور مسلمان نام رکھ لیا۔جب کہ اعمال اور افعال میں کفار سے بھی بدتر ہیں۔اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھائے اور اپنے نام اور کلام کی چاشنی چکھائے۔ورنہ حالت بہت خراب نظر آ رہی ہے۔

پہلے زمانے کے مسلمان بادشاہوں کی ملکی فتوحات میں اس زمانے کے برگزیدہ اولیائے کرام کی باطنی ہمت اور روحانی توجہ کارفرما تھی۔جس کی بدولت وہ اپنے سے تعداد اور طاقت میں بہت زیادہ اور زبردست قوموں پر فتح پا لیتے تھے۔وہ مسلمان بادشاہ اولیائے کرام کو اپنا اصلی پشت پناہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روئے زمین کے حقیقی وارث اور اولوالامر اور مالک سمجھتے تھے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ ○ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ○ (الانبیآء ۲۱: ۱۰۵-۱۰۶)۔(ترجمہ) ''ہم نے اپنی کتاب زبور میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تعریف کے بعد یہ بات لکھ دی کہ میری زمین کے اصلی اور حقیقی وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔سو میرے اس فرمان میں عبادت گذار لوگوں کے لیے بڑی اچھی بشارت ہے۔'' کہ جو شخص میری زمین کی اصلی اور حقیقی وراثت اور باطنی حکومت کا طلب گار ہو وہ اس چیز کو میرے ذکر کی کثرت اور عبادت سے حاصل کر سکتا ہے۔لہٰذا پہلے زمانے کے مسلمان بادشاہ اولیائے کرام کو روئے زمین کے اصلی وارث اور اولوالامر حاکم سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو ان کا ظل اور سایہ خیال کرتے تھے اور اپنی حکومت کا قیام اور استحکام ان کی روحانی قوت اور باطنی تصرف کے طفیل جانتے تھے۔لہٰذا وہ دور بین، دانش مند اور دیندار بادشاہ اولیائے کرام کی دل و جان سے زندگی میں اور بعد از مرگ پوری قدر اور عزت کیا کرتے

تھے۔ چنانچہ اکثر پہلے مسلمان بادشاہ خصوصاً مغلیہ خاندان کے بڑے جلیل القدر بادشاہ یعنی جلال الدین اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگزیب وغیرہ اکثر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کو پاپیادہ چل کر جایا کرتے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بگوش غلام تھے اور اکثر پاپیادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ آج کل کے بعض الحادزدہ اور دہری مزاج لوگ پرانے زمانے کے بادشاہوں کے اس قسم کے عقائد اور اعمال کو ان کی توہم پرستی اور سادہ پن پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ مغربی تعلیم نے ہماری قوم کے دلوں اور دماغوں کو مادہ پرستی اور ملحدانہ خیالات سے ماؤف اور مسموم کر دیا ہے۔ جس سے اکثر لوگوں کے قلوب مذہبی طور سے مر چکے ہیں اور ان کا مذہبی احساس بالکل مفقود ہو چکا ہے۔ اور بعض جو اس تعلیم کے اثر سے کسی طرح بچ گئے ہیں اور اس تعلیم کی عام فضا میں وبائی اثر سے متعدی لاعلاج امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جب اللہ والوں نے دیکھا کہ راعی اور حاکم ہوس رانی اور جذباتِ نفسانی کا شکار ہو گئے ہیں اور رعایا اور عوام کے قلوب مذہبی لحاظ سے بیمار ہو گئے اور ان طبیب القلوب کو معلوم ہوا کہ ملکی حکومت و سلطنت ظاہری جاہ و حشمت اور نفسانی عیش و عشرت مسلمانوں کے دین و ایمان کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے تو انہوں نے مسلمانوں کی بہتری اسی میں جانی کہ یہ ظاہری دولت و ثروت اور ملکی جاہ و حشمت ان کے ہاتھوں سے چھین لی جائے۔ گھی اور گوشت اگرچہ بظاہر مرغوب اور عمدہ غذا ہے لیکن دانا اور دور اندیش باپ اپنے بیمار بچے کے منہ سے نکال کر اسے کتوں کے آگے ڈالنا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ط (الشوریٰ ۴۲: ۲۷) ۔ (ترجمہ) ''اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق فراخ کر دیوے تو البتہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ سے باغی ہو جائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے اندازے پر مکتفی رزق فرماتے ہیں۔'' جو ان کی بغاوت کا باعث نہ بن سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا لا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ ج رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ○ (یونس ۱۰: ۸۸) ۔ (ترجمہ) ''کہ اے اللہ تو نے

فرعون اور اس کی قوم کو دنیا کی آسائش و آرائش اور بکثرت مال و دولت عطا کی ہے اور یہ باتیں تیرے راستے سے ان کی گمراہی کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ اے اللہ! ان کے مال و دولت کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سختی سے پکڑ لے۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ بھوک اور افلاس کا دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔''

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی عسرت اور تنگیٔ رزق کی شکایت کی اور عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے رزق کی تنگی اٹھا لے اور ہمیں کشادہ اور وسیع روزی عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے اصحابؓ! میں تمہارے افلاس اور تنگیٔ رزق سے اتنا خائف نہیں ہوں جتنا تمہاری وسعت اور فراخیٔ رزق سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ دنیا کی فراوانی اور ملکوں کی حکمرانی نے بعض اصحاب کو آپس کے خانگی جھگڑوں اور لڑائیوں میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ یا تو افلاس اور ناداری کے دنوں میں ان کے اندر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹: ۱۰) اور رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح ۴۸: ۲۹) کا نقشہ نظر آتا تھا۔ اور ایک دوسرے پر جان و مال قربان کرتے تھے یا خلافت اور حکومت کی خانگی لڑائی اور جھگڑوں نے انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔ غرض دنیوی کشائش اور وسعت اور دنیوی حکومت اور سلطنت اکثر ایمان کے لیے سمِ قاتل کا حکم رکھتی ہے ہمیشہ ایمان اور اسلام افلاس اور ناداری کی فضا میں پھلتے پھولتے رہے ہیں۔ اور کفر، شرک اور نفاق کے شجرِ ملعونہ کے پھلنے پھولنے کے لیے کثرتِ دنیا کا ماحول بہت موافق اور سازگار رہتا ہے۔ اقبالؔ مرحوم نے اس بارے میں کیا اچھا کہا ہے ؎

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب ‌‌ ‌ ‌ زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب ‌ ‌ ‌ ‌ پاس رکھتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
اُمرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے

غرض اگلے بادشاہ خود دیندار اور متقی تھے۔ ان کے دلوں میں دین اور دینداروں کی کافی قدر اور منزلت تھی اور وہ اپنی دنیوی دولت کو اکثر دین اور مذہب کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ لہٰذا دینی پیشوا اور روحانی رہنما یعنی اولیائے کرام ان کے ملکی اور دنیوی مہمات

میں ہر جگہ اپنی باطنی ہمت سے ان کے معاون اور مددگار رہا کرتے تھے۔ وہ بادشاہ اپنی رعایا کے سچے ہمدرد اور غم خوار تھے اور رعایا بھی ان کی دل و جان سے فرماں بردار تھی۔ ان بادشاہوں کی حکومت خالی جسموں پر نہیں تھی بلکہ وہ رعایا کے قلوب پر بھی حکمران تھے۔ کیوں کہ باطنی الوالامر لوگ جن کا تصرف قلوب اور ارواح پر رہتا ہے باطنی طور پر ان کے ہم دم و ہم جسم تھے اور ہر وقت ان کے ہمراہ اور پشت پناہ تھے۔ اگرچہ اس زمانے میں نہ تو آج کل کی طرح آمدورفت کیلیے کوئی موٹریں، ریلیں اور ہوائی جہاز تھے اور نہ پیغام رسانی کے ایسے تیز ذرائع مثلاً ٹیلیفون، ٹیلیگراف ریڈیو اور وائرلیس وغیرہ موجود تھے۔ اور بادشاہ ہزاروں میل دور رہتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی حکومت اور سلطنت کا باطنی اثر تمام ملک میں جاری اور ساری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ ہر گھر میں موجود ہے۔ جب تک اولوالامر اہل اللہ اور باطنی متصرفین کا سایہ ان کے سر پر رہتا تھا کسی کو ان کے حکم سے سرتابی اور بغاوت کی ہمت نہیں پڑتی تھی کیوں کہ وہ حکومت اللہ والوں کے دم اور قدم سے دلوں پر قائم تھی۔ خلاف آج کل کی حکومتوں کے کہ جن کی محض جسموں پر حکومت ہے اور دل ان سے سخت متنفر اور بیزار ہیں۔ طرح طرح کے سیاسی مکر اور فریب استعمال کیے جاتے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی اور لوازماتِ حیات پر قبضہ اور کنٹرول جما رکھا ہے۔ گھر گھر خفیہ پولیس اور سی آئی ڈی والے تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ ہر شخص کی زبان اور قلم پر مہر لگا رکھی ہے اور خلقِ خدا کو جکڑنے اور پھانسنے کے لیے نت نئے سیاسی داؤ پیچ اور تازہ ہتھکنڈے ایجاد کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر جگہ آناً فاناً میں پہنچنے کے لیے ہوائی جہاز موجود ہیں اور طرفۃ العین میں ہزاروں میل کی خبریں ہر وقت پہنچتی رہتی ہیں اور نہتے بے سروسامان، مفلوک الحال، کمزور اور ناتواں رعایا کی سرکوبی اور ہلاکت کے لیے ہوائی جہاز، ٹینک اور ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر رکھے ہیں لیکن پھر بھی ہر وقت بغاوت اور سرکشی کا خطرہ اور اندیشہ لاحق ہے۔ بھلا ایسے ظلم و جبر اور اکراہ کی حکومتوں سے کیا حاصل اور ایسی عارضی حکومتیں کب تک قائم رہ سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نت نئے انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ ہزاروں معصوم اور بے گناہ تختۂ دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ یا گولیوں سے اڑائے جاتے ہیں۔ اور بے شمار غریبوں کو محض شک اور شبہ میں حبسِ دوام کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی بغاوت اور فتنہ وفساد کا سلسلہ ختم

ہونے میں نہیں آتا۔

کہتے ہیں کہ عالم گیر اورنگزیب بادشاہ کا ایک شہزادہ کسی بات پر اپنے والد سے ناراض اور منحرف ہو کر ایک راجہ کے پاس چلا گیا تھا اور اس راجہ کے ہمراہ اپنے والد کے قتل و ہلاکت اور اس کی اسیری و معزولی کے منصوبے اور سازشیں کرنے لگا۔ اورنگزیب کو جب اس کا پتہ لگا تو چند سپاہی ہمراہ لے کر اس طرف سیر و شکار کے بہانے چلا گیا۔ سپاہیوں کو جنگل میں چھوڑ کر خود ایک نوکر کے ہمراہ اس راجہ کے دارالحکومت میں جا نکلا اور اپنے گھوڑے کو باہر باندھ کر خود ایک مسجد میں جا بیٹھا اور اپنے نوکر کے ہاتھ ایک پروانہ راجہ کے نام اس مضمون کا لکھا کہ: ''میں آج اتفاقاً تیرے دارالحکومت میں آ گیا ہوں اور مجھے ایک ضروری کام کے لیے تجھ سے ملنا ہے۔ فلاں مسجد میں تمہاری ملاقات کا منتظر ہوں۔'' غرض اس پروانے پر شاہی مہر ثبت کر کے ایک نوکر کے ہاتھ راجہ مذکور کے ہاں بھیج دیا۔ نوکر کو حسبِ دستور اسی وقت راجہ کے پاس حاضر کیا گیا۔ نوکر نے جاتے ہی بادشاہ کا خاص پروانہ پیش کیا۔ مزید زبانی گفتگو سے جب راجہ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اورنگزیب بہ نفسِ نفیس اس کے دارالحکومت میں اچانک آ گیا ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور حیرت سے دم بخود ہو گیا۔ اسی وقت فوراً مع ارکانِ سلطنت مسجد کی طرف پا پیادہ روانہ ہو گیا۔ جب اس کی نظر بادشاہ کے چہرے پر پڑی تو خوف اور ہراس کی وجہ سے کانپنے لگا۔ مسجد میں داخل ہو کر بصد ادب و احترام بادشاہ کا کورنش بجالایا اور دست بستہ بادشاہ کے سامنے مع تمام ارکانِ سلطنت کھڑا ہو گیا اور حکم کا منتظر رہا۔ بادشاہ نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس وقت گرمی کا موسم تھا اور بادشاہ کو پسینہ آیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے اپنی قمیص کے بٹن کھولنے کے لیے کہا۔ راجہ کے ہاتھ مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ گردن کے ساتھ والے پہلے بٹن کو نہ کھول سکا۔ بادشاہ نے اسے اپنا خنجر جو اس وقت اس کے پاس تھا راجہ کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اس خنجر سے بٹن کاٹ ڈالو۔ اب چونکہ معاملہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک اور نازک صورت اختیار کر گیا کہ ادھر تیز خنجر تھا اور ادھر بادشاہ کے نازک گلو کے متصل والا بٹن کاٹنے کا حکم تھا۔ راجہ کے چہرے پر مارے خوف کے ہوائیاں اڑنے لگیں۔ کئی دفعہ کوشش کی لیکن مارے خوف کے خنجر ہاتھ سے گر پڑتا۔ آخر عرض کی کہ جہاں

پناہ! یہ غلام حضور کی اس خدمت سے قاصر اور معذور ہے۔ غرض بادشاہ نے وہ خنجر راجہ کے ہاتھ سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیا اور اس سے یوں مخاطب ہوا کہ اے نادان بنیئے! اورنگ زیب اس وقت اکیلا بے یار و مددگار اور بغیر فوج و سپاہ تیری مملکت میں بیٹھا ہے اور اس کا خنجر تیرے ہاتھ میں اور اس کا گلا تیری انگلیوں میں ہے اور باوجود اس کے حکم اور فرمائش کے اور اپنی بار بار کوشش کے تو اس کی قمیص کے ایک معمولی بٹن کاٹنے پر قادر نہیں ہوسکا۔ تو پھر کس طرح میرے لڑکے کے ہمراہ میرے قتل اور ہلاکت کے منصوبے باندھتا پھرتا ہے۔ اب تجھے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہمارے سر پر ظلِ الٰہی ہے اور ہم اس کے امر سے حکومت کر رہے ہیں۔ جب تک وہ ظلِ ہمایوں سر پر قائم ہے کوئی شخص ہمارا ایک بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد آپ نے اس راجہ کو معزول کردیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو جانشین کردیا۔ غرض یہ حال تھا ان بادشاہوں کا جو صحیح معنوں میں ظل الٰہی تھے۔ اور جن پر حقیقی وارث الارض اولو الامر اولیائے کرام سایہ فگن تھے۔ اور جو ہر حال میں ظاہر باطن ان کے ہمراہ اور پشت پناہ تھے۔ افسوس ہے غیر ملکی حکمرانوں نے ہماری درسی تواریخ میں ہمارے عادل، منصف مزاج، دیندار اور راسخ دین بادشاہوں کو نہایت غلط رنگ میں پیش کیا ہے اور انہیں حد درجہ کے لالچی، متعصب، ظالم اور عیاش ثابت کیا ہے۔ اور ان کی بجائے اپنے ملک کے نیم وحشی، جاہل، اکھڑ اور اجڈ بادشاہوں اور اپنے فوجی جرنیلوں کی تعریف اور توصیف کا ہماری تاریخی کتابوں میں ایسے ناروا اور غلط پراپیگنڈے کا ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ انہیں ہمارے پیغمبروں سے بھی آگے بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ جن دنوں یہ فقیر کالج میں پڑھتا تھا تو ان دنوں ایک کتاب الفریڈ دی گریٹ (ALFRED THE GREAT) ہمارے انگریزی کورس میں شامل تھی۔ کتاب کے مصنف نے اس میں جابجا الفریڈی دی گریٹ کے اخلاق، عادات اور اطوار کا ہمارے آقائے نامدار احمدِ مختار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور عادات سے موازنہ اور مقابلہ کیا تھا اور الفریڈ کو ہمارے مجموعۂ خلقِ عظیم اور معدنِ اوصافِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے بہتر اور برتر ثابت کیا تھا۔ جو بہترین از جملہ انبیائے مرسلین اور محبوبِ رب العالمین ہیں۔ اور جن کے حمد و توصیف سے دن رات زمین و آسمان گونج رہے ہیں۔ سو اس قسم کی بے ہودہ کتاب کو ہمارے نصابِ تعلیم میں داخل

کرنے سے سوائے اس کے اور کیا غرض ہوسکتی تھی کہ ہمارے صادق و مصدوق اور محبوبِ خالق و مخلوق پیغمبر کو ہماری نظروں میں ایک ادنیٰ قسم کے ظالم حکمران کی صورت میں پیش کیا جائے اور ہمارے اسلامیہ کالج کے مسلمان پروفیسر اس قسم کی لغو کتاب پڑھانے اور ہم اس کے پڑھنے اور یاد کرنے پر مجبور تھے۔ ایسے موقعہ پر ہم صرف یہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔

چراغِ مردہ کُجا شمعِ آفتاب کُجا   ببیں تفاوتِ رہ از کُجاست تا بکُجا
(حافظ)

سولھویں اور سترھویں صدی سے پہلے کے یورپین حکمرانوں اور بادشاہوں کے کیا بلکہ ان کے پیشواؤں اور روحانی رہنماؤں یعنی پاپائے اعظموں کی زندگی کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں بربریت اور سفاکی کے وہ ہولناک نمونے اور خاکے نظر آتے ہیں کہ جن کے سامنے چنگیز اور ہلاکو خان کے خون ریز کارنامے ماند اور محو پڑ جاتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں میں محمود غزنوی اور عالم گیر اورنگزیب بڑے عادل، نیک اور دیندار بادشاہ ہوگذرے ہیں۔ چنانچہ ان کی قبروں میں بھی آج روحانی زندگی کے آثار اور انوار نظر آتے ہیں اور ان کی تربتوں کی عزت اور توقیر بھی آج تک قائم اور برقرار ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ تواریخ کے اندر ان کو بالکل غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ غرض اسلام میں ہمیشہ روحانی قوت اور باطنی طاقت نے مادی حکومتوں اور ظاہری سلطنتوں کی آستینوں میں ید اللہ اور قدرتی ہاتھ بن کر حیرت انگیز کشور کشا کام کیے ہیں۔

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر تمام حملوں میں کامیابیوں اور حیرت انگیز فاتحانہ کارناموں کا راز محض اس زمانے کے پاکباز کامل فقراء اور روحانی طاقت کے حامل درویشوں کی باطنی توجہ اور روحانی ہمت میں مضمر تھا جو کہ فولادی متحرک قلعوں کی طرح سلطان مذکور کے ہمراہ بطور باطنی اور روحانی پشت پناہ رہا کرتے تھے اور ہر طرح کی امداد کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلطان محمود کو مشکل مہمات اور ملکی فتوحات کے لیے اپنا خرقہ مبارک تبرکاً عطا کرکے روانہ کرنے کا قصہ عام مشہور اور سلطان محمود کا اپنی بے سروسامان فوج کے ہمراہ اتنے دشوار گذار پہاڑوں اور خشک ریگستانی علاقوں سے گذرنا اور

اتنا دور دراز سفر پیدل طے کر کے ہندوستان جیسے زرخیز، دولتمند، گنجان آباد، ہنر مند اور مہذب ملک کے تمام راجوں مہاراجوں کے متفقہ اور متحدہ یعنی مرکزی تیرتھوں اور بڑے مشہور مندروں پر حملے کرنا اور ہزاروں راجوں مہاراجوں کے تیغ ہندی سے مسلح گتکا باز کھتری اور راجپوت سورماؤں اور تیز رفتار گھوڑوں، سانڈنیوں اور قوی ہیکل ہاتھیوں کے سوار رسالوں کو شکست فاش دینا اور ایک ایک سپاہی کا دو دو سو ہندو قیدیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح آگے لگا کر غزنی لے جانا روحانی طاقت کا معجزہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے کے ہندو لوگ بزدل اور ڈرپوک تھے اور فنونِ حرب اور کمالاتِ جنگ وجدل سے بے بہرہ تھے۔ لیکن یہ ان مورخین کا محض باطل خیال ہے۔ بھلا جس قوم کی عورتیں اپنی عزت اور ننگ و ناموس کی خاطر ستی ہو کر اور زندہ جل کر اپنی جانوں پر کھیل سکتی ہوں اس قوم کے مردوں کو کسی طرح بھی بزدل اور ڈرپوک نہیں کہا جا سکتا۔ اور اس زمانے کے فنونِ حرب میں سے گتکہ بازی آج تک ہندوستان کی شہرہ آفاق مانی جاتی ہے اور تیغِ ہندی ضرب المثل ہے۔ سو بزدلی اور ڈرپوکی کی یہ بے ہودہ توجیہیں ان مورخوں نے روحانی طاقت سے کورچشمی اور لاعلمی کے سبب تراشی ہیں۔

کہتے ہیں کہ سومنات کی لڑائی میں جب سلطان کا لشکر لڑتے لڑتے تھک گیا، بہادروں کے دل دہل گئے، تلواریں کند ہو گئیں، نیزے ٹوٹ گئے اور تیر ختم ہو گئے۔ ظاہری طاقتوں اور مادی سامانوں نے جواب دے دیا۔ اس وقت سلطان محمود نے لاچار اور مجبور ہو کر اس غیبی آسمانی مدد کے منگوانے اور دعوت دینے کا آخری حیلہ اور وسیلہ تلاش کیا۔ جس کے بھروسے اور امید پر سلطان اتنی دور دراز زبردست حکومتوں اور ملکوں پر حملہ آور ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت سلطان نے لشکر سے علیحدہ ہو کر دو رکعت نماز نفل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادا کیے اور شیخ صاحبؒ کا عطا کردہ خرقہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بطور وسیلہ پیش کر کے دعا مانگی۔ شیخ صاحبؒ کی ہمت اور توجہ نے جو باطنی بجلی کی طرح اس خرقے کے ساتھ وابستہ اور مربوط تھی سلطان کی دعا میں اجابت اور قبولیت کی مقناطیسی پاور بھر دی۔ پھر کیا تھا ایک طرفۃ العین میں اجابت اور منظوری دوڑتی ہوئی استقبال کے لیے آگے آئی۔ آسمانی امداد پہنچ گئی۔ کفار اور مشرکین کے دلوں سے جرأت اور ہمت یکدم خارج ہو گئی اور ان کے چھکے چھوٹ گئے۔

اور مسلمانوں کے دلوں اور جانوں میں شجاعت، مردانگی اور شوقِ شہادت کی لہر دوڑ گئی۔ غرض ایک باطنی جادو تھا جو یک دم طرفین کے اندر دلوں اور دماغوں پر چل پڑا۔ جس نے کاہ کو کوہ اور کوہ کو کاہ اور رائی کو پہاڑ اور پہاڑ کو رائی کا رنگ دے دیا۔ کفار کے قدم اکھڑ گئے اور لشکرِ اسلام فتح مند ہو گیا۔ سلطان محمود کے دوگانہ نفل ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا قصہ مورخوں نے لکھا ہے۔ لیکن چونکہ آج کل کے مادہ پرست مورخین آسمانی بادشاہی اور غیبی امداد کے منکر ہیں اور صرف مادہ یا مادی طاقت کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اس واسطے انہوں نے اس قصے کو اس رنگ میں بیان کیا ہے کہ دوگانہ ادا کرنے اور دعا مانگنے کے بعد سلطان محمود نے اپنی فوج کے سرداروں کو جمع کیا اور ان کے آگے ایک پرجوش تقریر کی۔ جس سے ان کے دلوں پر ایک غیر معمولی اثر ہو گیا اور وہ جوش سے بھر گئے۔ اور یوں ہو گیا اور یاں ہو گیا۔ جیسا کہ ہمیشہ ان مادہ پرستوں کا قاعدہ چلا آیا ہے کہ اس قسم کے ہر غیبی غیر معمولی معاملہ کو الٹ پلٹ کر اپنے مادی شعور اور عقل کے موافق بنانے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے جوڑ لیتے ہیں اور چند من گھڑت باتیں تراش لیا کرتے ہیں۔ سو یہ ان مادہ پرست مورخوں کا اپنا اختراعی اور تراشا ہوا مضمون ہے۔ ورنہ دراصل سومنات کی حیرت انگیز فتح میں اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد اور آسمانی تائید کارفرما تھی۔ اقبال مرحوم نے ایسے موقع پر کہا ہے ؎

نہ گنج و دولت و نے لشکر و سپاہ میں ہے ۔۔۔ جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود سومنات کی مہم سے فتح یاب اور ظفر مند ہو کر بے شمار زر و جواہر اور غلاموں کو لے کر غزنی پہنچا تو شیخ ابوالحسن خرقانی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا کہ ''اے محمود خرقہ ما راچہ کردی۔'' یعنی میرے خرقہ کو آپ نے کیا کیا؟ سلطان نے عرض کیا ''کہ آں را بہ جنابِ حق تعالیٰ بفروختم و بعوضِ آں فتح سومنات خریدم۔'' یعنی میں نے جناب کا خرقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فروخت کر ڈالا ہے اور اس کے بدلے میں سومنات کی فتح خرید لی ہے۔ شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ ''محمود! خرقۂ ما را خیلے ارزاں فروختی۔'' یعنی اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کو بہت ارزاں اور سستی قیمت پر بیچ ڈالا ہے۔ اسی مقام پر کسی نے فرمایا ہے ؎

حمایت را کہن دامانِ درویش ۔۔۔ بہ از سدِ سکندر در مد و بیش

(سعدیؒ)

حضرت ابوالحسن خرقانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے جلیل القدر اور کامل ولی اللہ ہوگذرے ہیں۔ آپؒ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے سو(۱۰۰) سال بعد ہوئے ہیں اور حضرت بایزیدؒ کی روحانیت سے آپؒ کو باطنی اور اویسی طور پر فیض حاصل ہوا ہے۔ آپؒ خرقان سے پیدل چل کر ہر روز بایزیدؒ کے مزار پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور ان کی روحانیت سے استفادہ اور باطنی فیض حاصل کیا کرتے تھے آپؒ ظاہری علم سے قطعاً عاری، محض امی اور بالکل ان پڑھ تھے۔ لیکن باطنی طور پر بے واسطہ علمِ لدنی سے پورے طور پر بہرہ مند تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ غائبانہ طور پر ایک ولی اللہ آپؒ کے سامنے نمودار ہوا۔ اور آپؒ کے سامنے فخر سے اپنا پاؤں زمین پر مار کر بولا ''من بایزیدؒ وقتم و من جنیدِ وقتم۔'' یعنی میں اپنے زمانے کا بایزیدؒ اور جنیدؒ ثانی ہوں۔ اس پر شیخ صاحبؒ نے اٹھ کر اس کے جواب میں فرمایا کہ ''من خدائے وقتم و من رسولِ وقتم''۔ یعنی ''میں اپنے وقت کا خدا اور رسول ہوں۔'' یعنی میں روئے زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا نائب اور جانشین ہوں۔ سلطان محمودؒ کا حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پہلی ملاقات کا قصہ مختلف کتابوں میں یوں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی کمالات اور بے شمار کشف و کرامات کا شہرہ سلطان محمود غزنویؒ نے سنا تو سلطان کو ان کی ملاقات اور زیارت کا شوق پیدا ہوا اور کئی دفعہ آپؒ کو غزنی آنے کی دعوت دی۔ لیکن شیخ صاحبؒ نے قبول نہ کیا۔ آخر سلطان محمود غزنی سے روانہ ہو کر خرقان پہنچا اور شہر کے باہر شاہی خیمہ گاڑ دیا۔ اور ایک قاصد شیخ صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کر کے اس کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ بادشاہِ وقت آپؒ کی زیارت کے لیے غزنی سے آپؒ کے وطن خرقان آیا ہے۔ آپؒ ذرا قدم رنجہ فرما کر بادشاہ کے خیمہ تک اگر تشریف لے چلیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اور ساتھ ہی قاصد کو سمجھا دیا کہ اگر شیخ صاحبؒ یہاں آنے سے معذوری ظاہر کریں تو انہیں یہ آیت سنا دو: اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (النسآء ۴: ۵۹)۔ یعنی ''اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اولوالامر یعنی بادشاہِ وقت کی۔'' جس وقت بادشاہ کا قاصد شیخؒ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور بادشاہ کا فرمان سنایا تو شیخ صاحبؒ نے بادشاہ کے پاس حاضر ہونے سے معذوری ظاہر کی تو اس پر قاصد نے آیت مذکور پڑھ کر کہا اس آیت کی رو سے آپؒ پر بادشاہِ وقت کی اطاعت اور اس کی حکم کی تعمیل فرض ہوتی ہے۔ آپؒ نے جواب دیا کہ بادشاہ سے کہہ دو کہ میں تو ابھی اَطِیْعُوا اللّٰهَ کے فرمان سے سبکدوش اور عہدہ برآ نہیں ہو سکا ہوں۔ اسی میں مبتلا اور گرفتار ہوں۔ اس کے بعد اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے بے شمار فرامین ابھی ادا کرنے باقی ہیں۔ خدا جانے اولوالامر کی اطاعت کی باری کبھی زندگی میں پیش آئے گی بھی یا نہ۔ ابھی تو اَطِیْعُوا اللّٰهَ سے لمحہ بھر فرصت نہیں ہے۔ جب قاصد سلطان کے پاس حضرت شیخؒ کی طرف سے یہ مسکت اور معقول جواب لایا تو سلطان نے کہا کہ اب شیخ صاحبؒ نے ہمیں لاجواب کر دیا ہے۔ اب ہمیں ان کی خدمت میں ضرور جانا چاہیے۔ چنانچہ سلطان نے شیخ صاحبؒ کے باطنی کشف کے امتحان لینے اور آزمانے کے لیے یہ حیلہ بنایا کہ اپنے غلام ایاز کو شاہی لباس پہنا کر شاہی تاج اس کے سر پر رکھا اور خود ایاز کا غلامانہ لباس پہن لیا اور چند لونڈیوں کو مردوں کا لباس پہنا کر اپنے ہمراہ لے لیا۔ اور اس طرح اس الٹے روپ اور بھیس میں شیخ صاحبؒ کی کٹیا کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ جب یہ پرفریب قافلہ ایاز کی سرکردگی میں حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ صاحبؒ چونکہ واقفِ حال اور روشن ضمیر تھے آپؒ نے ایاز کے شاہانہ لباس کی طرف مطلق توجہ نہ کی بلکہ سلطان کی طرف جو اس وقت ایک غلام اور سپاہی کے لباس میں پیچھے کھڑے جھانک رہے تھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان نامحرم عورتوں کو باہر نکال دو۔ چنانچہ انہیں فوراً باہر نکال دیا گیا۔ بعدہٗ شیخ صاحبؒ نے سلطان محمودؒ سے کہا کہ بڑا دامِ فریب اٹھا لائے ہو۔ اس پر سلطان محمود نے عرض کی آپؒ جیسے عنقا کے لیے ہمارا دامِ فریب ناکارہ اور ہیچ ثابت ہوا ہے۔ سلطان نے اس وقت شیخ صاحبؒ سے اپنا کچھ تبرک طلب کیا۔ شیخ صاحبؒ نے جو کی روٹی کا ایک روکھا سوکھا ٹکڑا پیش کیا۔ سلطان نے بڑے ادب و احترام سے وہ ٹکڑا لے کر اشرفیوں کی چند تھیلیاں بطور نذرانہ شیخ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیں۔ اور شیخ صاحبؒ کا تبرک منہ میں ڈال کر کھانے لگا۔ اتفاقاً بادشاہ کے نازک گلے میں جو کا روکھا سوکھا ٹکڑا اٹک گیا اور بادشاہ کھانسنے لگا۔ جس پر شیخ صاحبؒ اشرفیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ اے محمود! پیغمبروں کی غذا آپ

کے گلے سے نیچے نہیں اترتی اور یہ ظلم وستم کا اندوختہ جو بے شمار مساکین کے خون سے آلودہ ہے اور فراعنۂ دہر کی میراث ہے اس فقیر کے گلے سے کیوں کر اترے گی۔ چنانچہ سلطان کی بہت منت وسماجت اور بے شمار تکرار کے باوجود شیخ صاحبؒ نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں ان کے لینے کا حق دار ہوں۔ جن کا مال ہے وہی اس کے اصلی حقدار ہیں۔ اس پر سلطان شیخ صاحبؒ کا حد سے زیادہ گرویدہ اور معتقد ہوگیا اور اس کے بعد کئی دفعہ شیخ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور دعا، استمداد اور توجہ کا طالب رہا۔ چنانچہ ملکی مہمات کے لیے شیخ صاحبؒ سے بطور تبرک آپؒ کا خرقہ مبارک ساتھ لے گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت اور توسل سے سلطان کو فتح نصیب فرمائی۔

سلطان محمود کے ہندوستان پر تمام حملوں میں فتح مندی اور کامیابی کی بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں کی باطنی ہمت اور توجہ تھی۔ اور بعض اولیاء اللہ کو سلطان محمود اپنے لشکر کے ہمراہ بطور روحانی پشت پناہ ہندوستان لے آئے تھے اور انہیں یہاں دعوت اور تبلیغ دین کی خاطر چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان مردانِ خدا میں سے ایک ہیں جن کو سلطان محمود یا ان کے بیٹے اپنے ہمراہ لے آئے تھے اور خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے انہیں یہاں لاہور میں چھوڑ گئے تھے۔

تاتاریوں کا قیامت آفریں فتنہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی جس نے تمام روئے زمین میں ظلم وستم کی ایک عالمگیر اور بے پناہ آگ لگادی تھی۔ جو کئی سالوں تک تمام دنیا کے شہروں اور آبادیوں کو خس وخاشاک کی طرح جلاتی رہی۔ جس نے بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کو راکھ اور خاکستر بنا کر رکھ دیا تھا۔ اور یہ آگ کسی بادشاہ اور حکمران سے نہ بجھ سکی۔ آخر یہ آگ اللہ تعالیٰ کی دو برگزیدہ ہستیوں یعنی حضرت ابویعقوب اور محمد خواجہ دربندی رحمۃ اللہ علیہما کے چند قدم آگ میں گذرنے کے تصرف اور کرامت کے ایک ادنیٰ کرشمے سے ہمیشہ کے لیے فرو ہوگئی۔ چنانچہ یا تو روزانہ لاکھوں بے گناہ مرد وعورتیں اور معصوم بچے اور بوڑھے خاک وخون میں تڑپتے تھے یا تمام روئے زمین کے ستم دیدہ اور جفا رسیدہ مخلوق کو ان پاکبازان اور مقبولانِ الٰہی کے دم اور قدم سے چین، امن اور آرام نصیب ہوا۔ اور ہلاکو[1]

جیسا خونخوار سفاک یا تو انسانی خون کا اس قدر پیاسا تھا کہ روزانہ لاکھوں بے گناہوں کے خون سے اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی یا ان مردانِ خدا کے زہر آمیز شربت کے ایک پیالہ پینے سے اس کے سارے ظلم وستم کی پیاس بجھ گئی۔ اور تمام تاتاری درندے مع اپنے خون خوار بادشاہ ہلاکو خان کے ہمیشہ کے لیے اسلام کے ٹھنڈے اور شیریں آبِ حیات سے سیراب ہوگئے اور ایک دفعہ پھر دنیا اسلام کی سلامتی، ایمان کے امن اور عرفان کی عافیت میں آگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ پاک، مقدس نورانی ہستیاں تمام اسلامی کائنات کے کالبد کے لیے بمنزلہ روحِ رواں کے ہیں اور تمام اسلامی دنیا ان کے دم سے زندہ اور تابندہ ہے۔ اور تمام دنیا پر ان مقدس ہستیوں کے بڑے بھاری احسانات ہیں۔ جو لوگ ان مقبولانِ الٰہی

---

[1] یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ہلاکو خاں اور اس کے تمام تاتاری سردار اور فوج اور رعایا جنھوں نے ظلم وستم اور کشت وخون کا عظیم الشان طوفان مچا رکھا تھا بالکل بے دین اور لامذہب تھے۔ جس وقت انھوں نے اپنی حکومت قائم کی تو ان کا ارادہ ہوا کہ وہ کوئی صحیح مذہب اختیار کرلیں جس کی صداقت پہلے آزمائی جائے۔ اس زمانے میں چونکہ کوئی پیغمبر تو موجود نہیں تھا جس کا معجزہ دیکھ کر اس کا دین قبول کیا جاتا ہے۔ آخر اولیاء اللہ ہی تھے جو کہ پیغمبروں کے نعم البدل، نائب اور جانشین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہلاکو خاں نے اسلام میں اس زمانے کے دو اولیائے کرام، ایک حضرت ابویعقوب اور دوم حضرت محمد خواجہ دربندی رحمۃ اللہ علیہما کی تعریف سنی۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اگر مذہب اسلام کے یہ دو ممتاز فرزند اس کے امتحان کی کسوٹی اور معیار پر پورے اتر پڑیں تو وہ مع تمام فوج ورعایا مذہب اسلام اختیار کرلیں گے۔ چنانچہ ان ہر دو فرزندانِ توحید کو ہلاکو خاں نے اپنے خیمہ گاہ میں حاضر ہونے کی دعوت دی اور ان کی کرامت اور اسلام کی صداقت کے امتحان کے لیے یہ انتظام کیا کہ اس نے اپنے خیمے کے اردگرد بڑی گہری اور چوڑی خندق کھدوا کر اس میں بڑی بھاری آگ جلانے کا اہتمام کیا اور ان کی تشریف آوری سے تھوڑی دیر پہلے آگ کو اتنا بھڑکایا گیا کہ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ جب وہ ہر دو خاصانِ خدا آگ کے قریب آئے تو بے تامل بسم اللہ اور کلمہ شریف پڑھ کر اس بھڑکتی ہوئی آگ میں کود پڑے۔ ہلاکو خاں اپنے خیمہ سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ ہر دو غواصانِ بحرِ توحید آگ کے دریا اور شعلوں کی موجوں میں سمندری جانور کی طرح صحیح سلامت برآمد ہوئے۔ ہلاکو خان یہ ماجرا دیکھ کر محوِ حیرت ہوگیا اور اپنے خیمہ میں جا کر دوسرے امتحان کی تیاری اور انتظار میں اپنے مسند پر بیٹھ گیا کہ اتنے میں مصاحبوں نے ہر دو بزرگوں کو خیمہ کے اندر حاضر کیا۔ ہلاکو خاں بڑی عزت اور احترام سے پیش آیا اور انھیں اپنی مسند کے قریب بٹھا کر انہیں دو شربت کے جام جن میں ایسی سخت زہرِ ہلاہل ملادی گئی تھی کہ جس کا ایک قطرہ ہلاکت کا پیغام تھا یہ کہہ کر پیش کیے گئے کہ آپ آگ میں سے گذر کر آئے ہیں آپ کو پیاس لگی ہوگی یہ شربت نوشِ جان فرمالیں۔ چنانچہ ہر دو جانبازانِ راہِ الٰہی نے بسم اللہ پڑھ کر ہر دو پیالے پی لیے۔ ہلاکو خاں نے جس وقت ان ہر دو محبوبانِ الٰہی کو ہر دو امتحانات میں کامیاب پایا تو ان کے ہاتھ مع جملہ امراء ورعایا اور سپاہ اسلام لائے اور دینِ حق کو قبول کیا۔

اور محبوبِ بارگاہِ ایزدی کے روحانی تصرفات اور تمام دنیا پر ان کے باطنی احسانات کا انکار کرتے ہیں وہ گویا خود اللہ کی دنیا میں غیبی فعل، لطیف تصرف اور باطنی قدرت کے منکر ہیں۔
مگر سچ پوچھو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ غیب کے حقیقی کلید بردار یہی اولوالامر لوگ ہیں۔ اور مفاتیح الغیب یعنی ملکوں کے تصرف کی کنجیاں انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے روئے زمین پر اصلی حقیقی خلیفے، نائب، جانشین یہ ہی رجال الغیب ہیں۔ انہی کے دم اور قدم سے دنیا کا قیام ہے اور انہیں کے ہاتھوں میں دنیا کے زمام ہے اور انہیں کی خاطر دنیا کی تمام کارگذاری اور انہیں کے طفیل یہ ساری رونق اور کل کائنات کا انتظام ہے۔ جس روز کائنات کے کالبد میں یہ روح رواں نہیں رہیں گے تو دنیا کا ڈھانچہ بگڑ کر ناکارہ اور ضائع ہو جائے گا۔

غرض اسلام دنیا میں اپنی روحانی طاقت، اپنی حقانیت اور فرزندانِ اسلام کے بلند اخلاق کے طفیل دنیا میں پھیلا، پھلا اور پھولا ہے۔ جب سے اسلام کے یہ اصلی جوہر اور روحانی طاقت مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی ہے مسلمانوں کے پاس نہ حکومت رہی ہے اور نہ دولت اور حشمت رہی ہے اور نہ عزت۔

اسلام کی سلطنت اور حکومت جہاں قائم ہونی ہوتی ہے پہلے روحانی بادشاہ، باطنی متصرفین اور اولوالامر رجال الغیب اپنے باطنی تصرف کا جھنڈا اس سرزمین میں باطنی ہاتھوں سے گاڑ دیتے ہیں اور اپنے روحانی تصرف سے اسے فتح کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ظاہری اسلامی بادشاہوں کی مادی طاقتیں اور ظاہری فوج کشیاں ان ملکوں کو فتح کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔ چنانچہ جناب حضرت پیر محبوبِ سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرّہ العزیز نے پہلے پہل جناب سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے تصرف اور ولایت کی کنجیاں عطا فرما کر حکم دیا تھا کہ جاؤ اور کشورِ ہندوستان کو اپنے باطنی تصرف میں لے آؤ اور اس میں اسلام کا باطنی جھنڈا گاڑ دو۔ اس زمانے میں تمام ہندوستان کے اندر کفر و شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ آپؒ نے تشریف فرما کر ہندوستان کے وسط مقام اجمیر میں اپنے باطنی تصرف کا جھنڈا پہلے پہل نصب فرمایا۔ اس کے بعد ظاہری اسلامی بادشاہوں کی مادی طاقتیں اور ظاہری سلطنتیں

ہندوستان میں نمودار اور کامگار ہوئیں۔ کیونکہ باطنی روحانی لوگ اشیا کی حقیقتوں یعنی ارواح اور مغزوں کو باطنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے باطنی روحانی ہاتھوں سے اپنے تصرف اور قبضے میں کر لیتے ہیں۔ بعدہٗ اس کی مادی صورت اور ظاہری ڈھانچہ خود بخود تبعاً اور طوعاً و کرہاً مسخر اور مفتوح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کو باطنی ہاتھوں اور آنکھوں والا یاد فرمایا۔
وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ۝ (صٓ ۳۸: ۴۵)۔
یعنی ”یاد کرائے نبی ﷺ! ہمارے خاص بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو جو کہ تھے ہاتھوں والے اور آنکھوں والے۔“ یہاں ہاتھوں اور آنکھوں سے مراد روحانی ہاتھ اور باطنی آنکھیں ہو سکتی ہیں۔ ورنہ ظاہری ہاتھ اور مادی آنکھیں تو تمام لوگ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا انہیں ہاتھوں اور آنکھوں والا فرمانے کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ سو یہ حقیقت الامر ہے کہ اسلام دنیا میں اپنی روحانیت سے پھیلا ہے۔ اور جو کور چشم لوگ اسلام کی روحانیت کا انکار کرتے ہیں اور اسلامی فتوحات اور ملک گیری کو محض مسلمان حکمرانوں کی تیغ زنی اور مادی فوج کشی کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ لوگ مخالفین دین متین اور منکرین اسلام کے اس بڑے اعتراض کی حمایت اور تائید میں پورے طور پر ان کے شریک اور ہم نوا ہیں جو کہتے ہیں کہ اسلام محض تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی نظر محض اسباب اور مادے کی آستین کو دیکھتی ہے۔ قدرت کے غیبی ہاتھ سے غافل اور بے خبر ہیں۔ سو انسان بہت ضعیف البنیان اور ناتوان ہے۔ لیکن اگر اسے اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام کی روحانی طاقت مل جائے تو وہ طاقت اور قوت میں ملائکہ اور فرشتوں سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ جس طرح اور جہاں تک بن پڑے اپنی باطنی زندگی کی کوشش کرے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعے اس کے حی قیوم ذات کے ساتھ زندۂ جاوید ہو رہے۔ روزی کا فکر اور اس کا غم ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ (البقرۃ ۲: ۲۶۷)۔ ”شیطان بے وجہ انسان کو افلاس سے ڈراتا اور اسے بے حیائیوں میں گراتا ہے۔“ حالانکہ رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے طے ہو چکا ہے۔ ہر شخص کو اپنا مقدر اور مقسوم رزق بہر حال اپنے وقت پر پہنچتا رہتا ہے۔ اس کے لیے انسان کی

تمام ہرج کاریاں اور پریشانیاں خود ساختہ ہیں۔ اور ''از وقت پیش واز مقدر بیش مے خواہند'' والا معاملہ ہر کسی کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔

رزق دو قسم کا ہے: ایک رزق مرزوق، دوم رزق مملوک۔ مرزوق رزق تو انسانی زندگی کے ساتھ لازمی گردانا گیا ہے۔ وہ کسی حال میں ہم کو نہیں چھوڑتا۔ ہاں البتہ جو مملوک رزق ہے جس کے اپنے حرص کے سبب ہم لوگ قبل از وقت چند روز کے لیے مالک بن جاتے ہیں۔ اور اس کے قبل از وقت اکتساب سے آخرت کے حساب اور عذاب کا بار اپنے ذمے لے لیتے ہیں، حالانکہ اس مال میں سے کچھ حصہ ان کے وارثوں کا ہوتا ہے، کچھ چوروں چکاروں کا، کچھ ڈاکٹروں اور حکیموں کا اور کچھ وکیلوں اور کچھ کچہری کے منشیوں وغیرہ کا حصہ ہوتا ہے۔ جو اپنے اپنے وقت پر ان عارضی مالکوں سے طوعاً اور کرہاً ہتھیا لیتے ہیں اور وہ حسرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اگر وہ حریص یہ پرایا مملوک مال جمع نہ کرتے تو مذکورہ بالا حقدار اور حصہ دار اسے خود کما کر حاصل کرتے۔ قرآنِ کریم میں اکثر جگہ اس عقیدے کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی بعض کور چشم بے دین اور ضعیف الیقین لوگ ہمارے اس بیان کو بیکاری کی تلقین اور رہبانیت کی تعلیم پر محمول کریں گے۔ غرض انسان کی گمراہی، بے راہی، حرص و آز، ظلم و ستم اور سرمایہ داری کا سب سے بھاری سرچشمہ اور بڑا باعث اور ذریعہ یہی ایک شیطانی داؤ اور فریب ہے کہ وہ اسے بھوک اور افلاس سے بے وجہ ڈراتا ہے اور بے حیائیوں اور رسوائیوں میں گراتا ہے۔ اور روزی کا غم اور فکر وہ حد سے زیادہ محسوس کرتا ہے اور حرص و آز کی وجہ سے وہ روزی کی طلب اور تلاش میں وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر یہ بھوت ایسی بری طرح سوار ہو جاتا ہے کہ وہ اس جذبے کے تحت ہر قسم کے روا ناروا، جائز و ناجائز افعال کر گزرتا ہے اور اسی جوش اور جنون میں وہ شریعت، رواج اور سماج کی تمام حدود توڑ کر انہیں پھاند جاتا ہے۔ حرص و آز کے اسی سودا اور جنون کے سبب بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے اور دوست و آشنا ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔ ملک ملک سے اور قوم قوم کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ تجارتی منڈیوں اور تیل کے چشموں کے لیے ایسی خونریز عالمگیر لڑائیاں لڑی جا رہی ہیں کہ ستانے اور دم لینے کے درمیانی وقفے کے چند سال میں ان پہلی

تباہیوں اور بربادیوں کی ابھی تلافی نہیں ہونے پاتی کہ پھر جنگ اس سے زیادہ خونریزیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ غرض یہی حرص اور آز کی آگ ہے جو انسان اور قوموں کے دلوں اور دماغوں میں لگی ہوئی ہے اور انہیں بے چین اور پریشان اور اللہ تعالیٰ سے روگرداں کیے ہوئے ہے۔ اب اسی روزی اور رزق کے بارے میں ذرا اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس کے احکام پر غور و فکر کریں۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ (الطلاق ۶۵: ۲۔۳)۔
(ترجمہ) اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے آمدنی کا ایسا ذریعہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسے طریقے سے روزی پہنچاتا ہے کہ جس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو اللہ تعالیٰ پر تکیہ اور توکل کر لیتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی اور کفیل ہو جاتا ہے۔
قولہٗ تعالیٰ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (الذّٰریٰت ۵۱: ۵۶۔۵۸)۔
(ترجمہ) ''کہ ہم نے نہیں پیدا کیا جن اور انس کو مگر اپنی عبادت کے لیے۔ ان کی پیدائش سے میرا ارادہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ رزق حاصل کریں۔ یعنی حیوانوں کی طرح کھائیں اور پئیں۔ اور نہ یہ ارادہ ہے کہ وہ میرے بندوں کو روزی مہیا کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو روزی اور رزق پہنچانے والا ہے اور وہ زبردست طاقت والا ہے۔'' روزے کے معاملے میں وہ کسی معاون اور مددگار کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے رزق اور روزی پہنچانے پر مامور اور متعین ہیں اور وہ ہر شخص کو اس کا مقدر پہنچاتے ہیں۔

برسرِ ہر دانہ بنوشتہ عیاں کز فلان ابنِ فلان ابنِ فلان
(رومی)

یعنی ہر دانے پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں کا حصہ ہے۔ جس طرح ایک شخص کی چٹھی ڈاک والے دوسرے شخص کو نہیں دیتے اس طرح ایک آدمی کا مقدر دوسرے کو نہیں ملتا اور نہ کوئی شخص دوسرے کی روزی کھا سکتا ہے۔ ہر شخص کو اپنا مقسوم، مقدر اور مرزوق ملائکہ متعلقین کے ذریعے اپنے اپنے وقت پر ملتا رہتا ہے۔ ہاں البتہ وقت سے پہلے چند روز کے لیے کوئی شخص اپنے حرص و آز سے دوسروں کے رزق اور مقدر کو اپنے پاس جمع کر کے

اس کا عارضی مالک اور محافظ بن جاتا ہے۔ لیکن جس وقت اس رزق اور مقدر کے کھانے اور استعمال کرنے کا وقت آ جاتا ہے تو وہ رزق اس سے چھین لیا جاتا ہے اور اپنے اصلی مالکوں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ بعض سیاسی سرسام زدہ سودائی کہتے ہیں کہ نماز، روزہ، نفل، نوافل، تلاوت، ذکر فکر اصل عبادت نہیں ہے۔ بلکہ یہ محض ایک بے سود مشغلہ اور تضیع اوقات ہے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ (الذّٰریٰت ۵۱:۵۶)۔ میں جس عبادت کی طرف اشارہ ہے اس عبادت سے مراد خدمتِ خلق یعنی لوگوں کی روزی اور معاش میں ان کی امداد کرنا ہے۔ سو اصل عبادت سیاسی علو اور اقتدار حاصل کرنا اور حکومتِ وقت کا شریک کار اور حصہ دار بن کر عوام نادار لوگوں کی زندگی کا معیار بلند کرنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے پچھلے حصے میں اس بات کی نفی کر دی ہے کہ: مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ٥ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ٥ (الذّٰریٰت ۵۱:۵۷-۵۸)۔ یعنی اس عبادت سے میری مراد حصولِ رزق ہرگز نہیں ہے اور نہ یہ منشا ہے کہ وہ میرے بندوں کو طعام اور رزق پہنچائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کا رزّاقِ مطلق اور کفیل ہے اور وہ زبردست طاقت والا ہے۔ اور رزق کے معاملے میں کسی کی معاونت اور امداد کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن یہ سیاسی سودائی ادھر حکومتِ وقت کے حصہ دار ہوتے ہیں اور ادھر اللہ تعالیٰ کے شریکِ کار۔ اور اس سے بڑھ کر اس کی مخلوق کے مختار اور پروردگار بنتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

فرزند بندہ ایست خدا را غمش مخور — تو کیستی کہ بہ ز خدا بندہ پروری؟

(سعدیؒ)

سو رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور اصل عبادت اور جن وانس کی پیدائش کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام اور ذکر فکر اور اس کے اسما کے تصورات اور دعوات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ (الذّٰریٰت ۵۱:۵۰) اختیار کر کے اس کی طرف باطنی اور معنوی قدموں سے چلنا اور اس کی معرفت، قرب، وصال، فنا و بقا اور مشاہدہ ولقا حاصل کرنا اور اس کے نور سے اس کے ساتھ ہمیشہ زندۂ جاوید ہوتا ہے۔ افسوس ہے سیاسی اقتدار کے بھوکے مذہب کے لبادہ اور لباس اوڑھ کر حکومت کی کرسیوں پر قبضہ جمانے

کے لیے اس قسم کے حیلے اور بہانے تراشتے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو صالحین اور علمبردارِ دینِ متین ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن جس وقت حکومت کا شیطانی نشہ ان کے دماغ میں داخل ہو جاتا ہے اور جیفۂ دولتِ دنیا کی دھونی ان کے مشام میں پہنچتی ہے تو وہ اپنے پیش رووں سے زیادہ ظالم اور سفاک ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

اہل کاران بوقت معزولی — شیخ شبلیؒ و بایزیدؒ شوند

چون بیا یند باز بر سرِ کار — شمر ذی الجوشن و یزید شوند

(سعدیؒ)

کیونکہ شرابِ دولتِ دنیا کا یہ مخصوص خاصہ ہے کہ جس کسی کے گلے سے نیچے اترتی ہے اسی کو مست اور مدہوش کر دیتی ہے۔

گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی — بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است

(حافظ)

دولت کمانے، حکومت اور علو حاصل کرنے اور مال و زر جمع کرنے کو ہر جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور منافقوں کا شیوہ، پیشہ اور طریقہ بیان کیا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ٥ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ٥ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥ (الزخرف ۴۳:۳۳-۳۵)۔ (ترجمہ) ''اگر اس بات کا خوف اور خدشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ بن جائیں گے کفر کا ایک گروہ تو البتہ ہم بنا دیتے دنیا میں کافروں کے لیے ایسے گھر جن کی چھتیں چاندی کی ہوتیں اور سیڑھیاں بھی۔ جن پر چڑھ کر وہ مظاہرہ کرتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور انکے آگے دھرے ہوئے تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے سب جگمگاتے سونے چاندی کے بنا دیتے۔ لیکن یہ سب کچھ چند روزہ دنیا کی متاعِ فانی ہے۔ اور آخرت کی ابدی دولت متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے ہے۔'' سو اللہ تعالیٰ نے متاعِ دنیا کی بے قدری کا اس آیت میں پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اس بات کا خوف اور خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ کافروں کی دنیوی کرّ و فر، ظاہری زیب و زینت اور مادی عیش

وعشرت سے شیفتہ اور فریفتہ ہوکر ان کے گروہ میں شامل اور داخل ہوجاتے اور کفر کی گرم بازاری دیکھ کر دینِ الٰہی اور اللہ اور اللہ والوں کا مذہب اور راستہ چھوڑ کر سب کفر اختیار کرلیتے۔ اگر یہ خطرہ لاحق نہ ہوتا تو البتہ ہم دارِ آخرت کے ابدی حرمان کے عوض کافروں کو دنیا میں اتنی دولت دیتے کہ ان کے مکان اور ان کے برتنے کے سامان سب سونے چاندی کے بنادیتے۔ لیکن پھر بھی اس فانی دنیا میں ان کے دارِ آخرت سے حرمان کی تلافی نہ ہوسکتی۔ کیونکہ دنیا حادث اور فانی کی کل متاع دارِ آخرت کی ابدی اور جاودانی دولت کے ایک ادنیٰ ذرے کے برابر نہیں ہوسکتی۔ اور بمقتضائے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ط (الاعراف ۷: ۱۵۶) ہماری رحمت تمام مخلوق کو پہنچی ہوئی ہے۔ سو ہر شخص کی سعادت اور شقاوت اس کی اپنی استعداد، ظرف اور حسن و قبح کی طلب و انتخاب پر ہے۔ سو اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ جس قدر کوئی شخص مادہ پرستی اور کفر میں ترقی کرتا ہے اسی قدر زیادہ اسے مادی دنیا کی دولت دی جاتی ہے۔ اور جس قدر کوئی شخص اس مادی دنیا میں زیادہ خوش نصیب، بامراد اور کامران ہے۔ اسی قدر زیادہ وہ دارِ آخرت میں بے نصیب، بدبخت اور اہلِ حرمان ہے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ الٹی عقل والے دل کے اندھے جب کبھی کسی ایسے حرمان نصیب قارون کو دیکھتے ہیں کہ اس گھر میں سونے چاندی کی میز کرسیاں اور کھانے پینے کے طلائی برتن ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کی اس دنیائے دوں اور آخرت کی زبوں حالی سے پناہ مانگتے۔ الٹا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے۔ اس کے اس خواب و خیال کے چندروزہ عارضی اور فانی دنیا کی آسائش اور آرائش کو دیکھ کر قارون کی قوم کے نادانوں کی طرح دلی تمنا اور آرزو کرتے ہیں کہ: یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ لا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ o (القصص ۲۸: ۷۹)۔ یعنی کاش کہ ہمیں قارون جیسی دولت حاصل ہوتی۔ وہ بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا کہ اپنی دولت خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا ہے تو کہنے لگے کہ: لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ط (القصص ۲۸: ۸۲)۔ یعنی یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس دنیائے دوں کی آزمائش اور لعنت سے بچالیا ہے۔ ورنہ اسی طرح زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ غرض ہر دنیادار حریص کا انجام اسی طرح ہوتا ہے کہ اپنے حرص و آز اور ظلم و ستم

کا تمام اندوختہ اور جمع کیے ہوئے دنیوی مال و دولت میں سے اپنا تھوڑا سا مقسوم، مقدر اور مرزوق حصہ ہزار غموں اور فکروں سے حاصل کرتا ہے اور باقی ہزاروں لاکھوں انسانوں کے مملوکہ رزق کا پرایا بوجھ اور آخرت کا ابدی عذاب اور طولِ حساب کا بارِ گراں قارون کی طرح سر پر اٹھائے ہوئے قبر کی زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے اور اسی صورت میں راہیٔ ملکِ عدم ہوجاتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں نعمائے آخرت کے مقابلے میں متاعِ دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں کسی کافر کو ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔ یعنی متاعِ دنیائے فانی دولتِ آخرت جاودانی کے مقابلے میں مچھر کے ایک پر سے بھی زیادہ ہیچ ہے۔ سو اس دنیائے فانی اور دارِ آخرتِ جاودانی کے درمیان کوئی نسبت قائم نہیں ہوسکتی۔ مثلاً دارِ دنیا کو ایک یونٹ یعنی ایک اکائی خیال کرلیا جائے اور دارِ آخرت کو اتنا بڑا اعدد فرض کرلیں کہ ایک عدد کے ساتھ اتنی بے شمار صفریں یعنی نقطے لگادیں جتنے تمام کائنات کے ذرے ہیں پھر بھی فانی دنیا اور ابدی آخرت کی صحیح نسبت قائم نہ ہوسکے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ ایک شخص تمام دنیا و مافیہا ہاتھ میں لے کر آیا ہے اور دوسری طرف سے ایک شخص دارِ آخرت میں سے ایک مچھر کا پر اٹھالیا ہے اور یہ دو اشخاص ان دو چیزوں کا آپس میں موازنہ اور مقابلہ کریں۔ تو ابدی دارِ آخرت کے مچھر کے پر کی قدر اور قیمت تمام دنیائے فانی کی دولت سے زیادہ اور بڑھ کر ہوگی۔ کیونکہ متاعِ دنیا حادث فانی ہے اور متاعِ دارِ آخرت باقی اور جاودانی ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان خواب اور بیداری کی مثال بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اچھے اور خوشگوار خواب میں بھی کچھ لذت اور وقعت ہوتی ہے۔ لیکن موت کے بعد تمام دنیاوی عیش و کامرانی ایک خواب سے بھی ہیچ معلوم ہوگی۔

لذّاتِ جہان چشیدہ باشی ہمہ عُمر — با یارِ خود آرمیدہ باشی ہمہ عُمر
چون آخر وقت زین جہان باید رفت — خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عُمر
(خیام)

مثلاً اگر کسی شخص کو یہ کہا جاوے کہ ایک روپیہ دے دو رات کو آپ کو خواب میں بادشاہ

بنا دیا جائے گا تو وہ ہرگز یہ سودا قبول نہیں کرے گا۔ لیکن دارِ [illegible] کے خواب میں اگر کوئی شخص بادشاہ بنا دیا جاتا ہے تو موت کی بیداری سے اس سے خالی بادشاہی نہیں چھن جاتی بلکہ اس کے فقدان کی حسرت اور ارمان کے سانپ اس کے سینے پر قیامت تک لوٹتے رہتے ہیں۔ اور دارِ آخرت میں سخت عذاب اور طویل حساب کا ابدی وبال اس کے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ سو جب دولتِ دنیا کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں ہے اور دولتِ دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی حقیر، مبغوض اور مقہور چیز ہے کہ وہ اسے اپنے دشمنوں، منکروں اور کافروں کے حوالے کرنا پسند کرتا ہے۔ تو ایسی حقیر اور ہیچ چیز کا حصول اور تحصیل کیوں کر عبادت ہو سکتی ہے۔ لیکن دنیا کے گوبر کے گبریلے اپنی معشوقہ اور محبوبہ جیفۂ دنیا کی گندگی پر مر مٹنے کو اصلی عبادت اور اپنی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام کی مشک اور عنبر سے منہ موڑ کر اس شغل کو بے فائدہ اور تضیعِ اوقات خیال کرتے ہیں۔ انسان، حیوان نہیں ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد سونا، کھانا، پینا اور ٹٹی کرنا ہو۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرآئیل ۱۷ : ۷۰) ۔ ''ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے۔'' وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ٥(قٓ ۵۰ : ۱۶)۔ ''ہم انسان کے شاہ رگ سے زیادہ نزدیک ہیں۔'' لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ٥ (التین ۹۵ : ۴)۔ ''ہم نے انسان کو بہت خوبصورت بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔'' اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ(البقرۃ ۲ : ۳۰) ''ہم نے اسے زمین میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔'' يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ٥ (الانشقاق: ۸۴ : ۶)۔ یعنی ''اے انسان، تو اپنے رب کی طرف چلنے اور کوشش کرنے والا اور اسے ملنے والا ہے۔''

اس کی زندگی کا مقصد بہت بلند، ارفع اور اعلیٰ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طلب، تلاش، معرفت، قرب، وصال اور مشاہدے سے زیادہ اہم، ضروری اور گراں قدر اور کوئی غرض، مقصد اور نصب العین انسان کے لیے نہیں ہو سکتا۔ ہماری حقیقی اُخروی زندگی کا نصب العین کس قدر اہم، دلچسپ اور ضروری ہے اور ہماری باطنی اور روحانی سفر کی منزلِ مقصود کس قدر لازوال، ابدی، نعیمِ اُخروی سے معمور اور بھرپور ہے۔

اے مردِ مومن! جاگ اٹھ اور دیکھ تو کس عالی شان، بلند غرض اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اپنی حقیقت پہچان، دولتِ ابدی اور نعمتِ سرمدی کا لازوال خزانہ تیرے سامنے ہے اور تیرا حقیقی مالک اور خالق اور اس کی رحمت تیری منتظر ہے۔ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ٥ (الفرقان ۲۵ : ۲۰) ۔ لیکن تو اپنی نادانی اور کوتاہ بینی کے سبب اپنی ابدی اور سرمدی دولت سے بے خبر ہے اور چند روز دنیائے فانی کی گندگی میں پڑا سڑ رہا ہے۔ کیا تو حیوان ہے کہ محض کھانا، پینا اور سو جانا تو نے اپنی زندگی کا شغل بنا رکھا ہے۔ فانی دنیا کی یہ عارضی ناپائیدار متاع کب تک تیرا ساتھ دے گی۔ آخر اس سے ایک نہ ایک روز جدا ہونا پڑے گا اور یہ تمام فانی لذتیں اور راحتیں خواب و خیال بن کر گذر جائیں گی۔ اور ابدی دولت سے غفلت اور حرمان کے سبب تو تہی دست اور مفلس کنگال بن کر دارِ آخرت میں داخل ہوگا اور کفِ افسوس ملتا رہے گا۔ اور کہے گا: يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ٥ (الزمر ۳۹ : ۵۶) ۔ یعنی ہائے افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کے پڑوس اور قرب میں رہتے ہوئے اس کی طلب میں غفلت اور کوتاہی کی اور میں ان باتوں پر ٹھٹھا اور تمسخر کرتا رہا۔

ایک دولت مند کروڑ پتی کو ہزار ظلم و ستم اور سالہا سال کی سردردیوں اور پریشانیوں سے اپنی کمائی ہوئی اور جمع کی ہوئی دولت میں سے صرف روٹی اور کپڑا ہی تو نصیب ہوتا ہے جو ہر شخص کو دنیا میں مل رہا ہے۔ لیکن دنیا کی تنگ و تاریک چند روزہ پر خار دارالمحن سے نکل کر جب آخرت کی ابدی وسیع دنیا کی طرف راہی ہوتا ہے تو پائی پائی کا حساب اور عذاب سر پر اٹھائے نہایت ذلت اور حسرت کی موت مرتا ہے۔ اس وقت اس کے مصائب اور آلام کا اندازہ لگانا انسانی عقل اور قیاس سے بہت دور اور بعید ہے۔

اے مردِ خدا! کچھ ہوش اور عقل سے کام لے۔ دنیا کی اس کمینہ بے کیف شکار گاہ میں سگانِ دنیا کے مقابلے میں کہاں تک دوڑتا رہے گا۔ ذرا غور تو کر ہالی ووڈ امریکہ کی ایک ایکٹرس یعنی ایک فاحشہ کمینی عورت ایک ہفتہ کی تین چار ہزار پونڈ تنخواہ پاتی ہے۔ یعنی ایک ہفتے میں تقریباً ستر اسی ہزار روپیہ کماتی ہے اور ایک دن میں دس ہزار روپیہ حاصل کرتی ہے۔ اے میرے کمزور، ناتواں، بے دست و پا بھائی! تو اس میدان میں کہاں تک دوڑے گا اور

تیرے سب بھائی بند اور دوست و آشنا سب مل کر اپنی تمام قوت اور طاقت کے ساتھ دوڑتے رہیں تو پھر بھی ایک عصمت فروش فاحشہ عورت سے اس میدانِ دنیا میں سبقت نہیں لے سکیں گے۔ اور تم اس فاحشہ کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ افسوس اور ہزار بار افسوس ہے تیری اس احمقانہ دوڑ دھوپ اور جاہلانہ جدوجہد پر کہ جس میں ایک فاحشہ عورت کامیاب اور کامگار ہو اور تو نامراد، رسوا اور شرمسار ہو۔

اگر ذرا عقل اور ہوش سے کام لے کر آج تو اپنی زندگی کے اصلی مقصد اور حقیقی غرض کو پہچان لے اور اپنے محبوبِ حقیقی اور مطلوبِ ازلی کی طلب اور تلاش میں صدقِ دل سے نکل کھڑا ہو۔ اور طلبِ الٰہی کی مقدس وادی میں فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ (الذّٰریٰت ۵۱: ۵۰) اختیار کر کے طالبانِ مولیٰ کے ہمراہ دوڑ پڑے تو فرشتے تیری اس انوکھی مقدس چال پر عش عش کریں گے۔ تیرے قدموں کے نیچے اپنے پروں کو بچھائیں گے اور تیرے سر پر اللہ تعالیٰ کے انوارِ رحمت کے طاس بھر بھر کر تصدق اور نچھاور کریں گے۔ اور آسمانوں میں تیری تعریف اور توصیف کے گیت گائیں گے۔ اور تو اس پہلے قدم میں تمام ایکٹرسوں، دنیاداروں بلکہ بادشاہوں کو پیچھے چھوڑ دے گا اور سب سے آگے نکل جائے گا اور تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ تجھ سے رضامند اور تو اس سے خوشنود ہوگا۔ اور وہ تجھے خطاب فرمائے گا: یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ (الفجر ۸۹: ۲۷۔ ۳۰)۔ اس وقت دنیا بھی تیری لونڈی اور غلام بن کر تیرے قدموں پر گرے گی اور تو اس میں سے اپنا ازلی مقدر حصہ بصد عزت و احترام اور ہزار راحت و آرام حاصل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین، اکرم الاکرمین اور اقرب الاقربین، حیّ قیّوم، سمیع و بصیر اور قریب و مجیب ہے۔ وہ جملہ مطلوبوں کا جامع اور افضل مطلوب اور تمام محبوبوں سے بہترین محبوب اور تمام خلائق کا مقصودِ مطلق اور معبودِ برحق تیرے بہت قریب موجود ہے اور ہر وقت تیرا منتظر ہے۔ لیکن تو بچوں کی طرح دنیا کی ٹھیکریوں سے کھیل رہا ہے۔ شیطان نے دنیا کا کھلونا تیرے سامنے ڈال کر تجھے اپنے حقیقی مالک اور خالق سے غافل کر دیا ہے۔

(۱) اَنَا الْمَوْجُوْدُ فَاطْلُبْنِیْ تَجِدْنِیْ　　وَاِنْ تَطْلُبْ سِوَائِیْ لَمْ تَجِدْنِیْ

(۲) اِذَا لِلَّهْفَانُ نَادَنِیْ كَظِیْمًا　　اَقُلْ لَبَّیْکَ فَاطْلُبْنِیْ تَجِدْنِیْ

(۳) اَنَا لِلْعَبْدِ اَرْحَمُ مِنْ اَخِیْهِ　　وَمِنْ اَبَوَیْهِ فَاطْلُبْنِیْ تَجِدْنِیْ

(۴) تَجِدْنِیْ فِیْ سَوَادِ اللَّیْلِ عَبْدِیْ　　قَرِیْبًا مِّنْکَ فَاطْلُبْنِیْ تَجِدْنِیْ

(ابنِ عباسؓ)

ترجمہ۔ (۱) ''اے بندے! میں موجود ہوں۔ اگر تو مجھے تلاش اور طلب کرے گا تو ضرور مجھے پالے گا۔ اگر میری طلب کی آڑ اور بہانے میں کسی غیر ماسویٰ چیز کو طلب کرے گا تو مجھے ہرگز نہیں پائے گا۔ (۲) جب کوئی فریادی بے کسی کی حالت میں مجھے پکارتا ہے تو میں اسے جواب میں آواز دیتا ہوں کہ اے میرے بندے! میں حاضر ہوں۔ اگر تو مجھے تلاش کرے تو ضرور پالے گا۔ (۳) میں اپنے بندے پر اس کے بھائیوں، بہنوں، ماں باپ اور سب خویشوں اور دوستوں سے زیادہ مشفق اور مہربان ہوں۔ اگر وہ میری جستجو کرے گا تو مجھے بھی حاصل کر لے گا۔ (۴) اے میرے بندے! جب تو اندھیری رات کی تاریکی کی تنہائی میں مجھے پانے اور دیکھنے کی خواہش کرے گا تو تو مجھے اس وقت اپنے آپ سے زیادہ قریب تر پائے گا۔''

ہمیشہ سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ جب کسی چھوٹے بچے کی ماں اپنے کام کیلیے گھر سے باہر چلی جاتی ہے اور بچہ ماں کو یاد کر کے رونے لگتا ہے تو گھر والے بچے کا دل بہلانے اور اسے چپ کرانے کے لیے اس کے ہاتھ میں کوئی کھلونا دے دیتے ہیں۔ جس سے نادان بچہ خوش اور خاموش ہو جاتا ہے اور اپنی ماں کو بھلا دیتا ہے۔ لیکن جو بچہ بہت سیانا اور ہوشیار ہوتا ہے وہ کھلونے وغیرہ سے خاموش نہیں ہوتا بلکہ کھلونے کو دور پھینک دیتا ہے اور اتنے تک روتا اور ماں کو یاد کرتا ہے کہ جب تک وہ اپنی ماں کو نہیں دیکھ لیتا اور اس سے بغل گیر نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح گریاں اور نالاں رہتا ہے۔

اسی طرح ہم دارِ دنیا میں تمام انسان اپنی ازلی ماں، اپنے اصلی مالکِ حقیقی محبوب سے بچھڑے اور جدا ہوئے ہیں اور ہر انسانی دل میں فطرتاً اور جبلتاً اس کی تڑپ، طلب اور امنگ موجود ہے۔ لیکن آزمائشاً اور امتحاناً شیطان نے دنیا کے طرح طرح کے کھلونے ہمارے سامنے ڈال دیئے ہیں اور بعض ذرا سیانے بچوں کے ہاتھ میں کچھ زیادہ دلچسپ قسم کے

کھلونے دے دیئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر اور بعض کو ہاتھ میں لے کر ہم خوش اور مطمئن ہوگئے ہیں اور اپنے خالق مالک کو بھلا بیٹھے ہیں اور اس سے بالکل غافل اور بے خبر ہوگئے ہیں۔

اہلِ یورپ مادی تحقیقات میں عمریں صرف کررہے ہیں اور بالکل بے فائدہ مہمات کے سرکرنے میں اپنی عزیز جانوں پر کھیل جانے سے ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ مشکل پسند لوگ اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ ہم اپنا روپیہ، گراں مایہ وقت اور عزیز ہستی جس غرض اور مقصد کے حصول کے لیے ضائع کررہے ہیں کیا اس سے کوئی ٹھوس حقیقی فائدہ بھی ہے یا نہ۔ لیکن محض اس لیے کہ یہ مشکل کام ہے اور آج تک یہ کام پہلے کسی انسان سے پورا اور سرانجام نہیں ہوسکا اور اس مشکل مہم اور دشوار کام کے سرانجام کرنے میں ہمارا نام دنیا میں یاد رہے گا۔ محض اسی نمود، نمائش اور شہرت کی خاطر یہ کوتاہ اندیش اور طفل مزاج لوگ ایک رائیگاں شغل اور بے سود خاک رانی میں اپنی گراں قدر عمریں اور عزیز جانیں ضائع اور تلف کررہے ہیں۔

پچھلے سالوں کی بات ہے کہ ایک یورپین عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا جس وقت اسے دردِ زہ شروع ہوا تو اس نے بچہ پیدا ہونے سے پہلے ایک ہوائی جہاز میں سوار ہونے کا اہتمام کرلیا۔ چنانچہ وہ بچہ زمین کی بجائے ہوائی جہاز کے اندر ہوا میں پیدا ہوگیا۔ اس عورت کو یہ انوکھا خیال اس لیے سوجھا اور ہوائی جہاز میں اڑتے وقت بچہ پیدا کرنے کا یہ سارا بکھیڑا اس شہرت کی بھوکی عورت نے اس لیے برداشت کیا تاکہ تاریخ میں اس کا لڑکا وہ پہلا بچہ شمار ہوگا جو سب سے پہلے ہوائی جہاز میں پیدا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا مہمات کے علاوہ یورپین محققین کی عملی تحقیقات کا اگر جائزہ لیا جائے تو انسان کو حیرت آجاتی ہے۔ مدت سے یورپ کے ڈاکٹر، فلاسفر اور سائنس دان دنیا کی حقیر ترین چیزوں مثلاً کیڑوں مکوڑوں، چیونٹیوں، مکھیوں، مکڑیوں، چوہوں اور چھچھوندروں وغیرہ کی عملی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ اور بے شمار اہلِ علم اپنی عزیز عمریں ان نکمی حقیر چیزوں کے کھوج اور ریسرچ میں وقف کرچکے ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک نامی گرامی ڈاکٹر فلاسفر کے اس قسم کے جنون اور سودا کا ایک واقعہ سنیے اور سن کر سر دھنیے۔

تفصیل اس واقعہ کی یوں ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر جو اس قسم کے حقیر جانوروں کی تحقیقات کا بڑا ماہر فلاسفر ہوگزرا ہے ان کے ایک شاگرد کو کسی عورت سے محبت اور تعشق ہوگیا تھا۔ جس نے اس سے منہ موڑ کر کسی اور سے شادی کرلی تھی۔ اس پر وہ شاگردِ رشید اپنے استاد ڈاکٹر ہنٹر کو لکھتا ہے کہ میری ایک محبوبہ تھی جو میری زندگی کی تمام آرزوؤں اور امیدوں کا مرکز تھی۔ اس نے مجھے سے روگردانی کرکے ایک دوسرے شخص سے شادی کرلی ہے اور میری تمام مرادوں کو خاک میں ملادیا ہے۔ اب اس کے بغیر مجھ پر دنیا تنگ اور تاریک ہوگئی ہے۔ اور اس کی جدائی میں اپنی زندگی سے بیزار ہوگیا ہوں اور خودکشی کا تہیہ کیے بیٹھا ہوں۔ آپ میرے راہبر اور استاد ہیں۔ کیا آپ جذبات کے اس بے پناہ طوفان میں میری کچھ مدد فرماسکتے ہیں اور مجھے کنارۂ نجات تک پہنچاسکتے ہیں؟ اس کے جواب میں جلیل القدر استاد اس شاگرد کے لیے جو کارگر علاج تجویز فرماتے ہیں اور جو راہِ نجات بتاتے ہیں وہ سننے کے قابل ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اپنے شاگرد کو تحریر فرماتے ہیں کہ اے شاگردِ رشید! میں آپ کو اس مہیب اور مہلک مصیبت سے نجات کا صحیح راستہ بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ آج سے جنگلی چوہوں یعنی ہج ہاگز (HEDGE HOGS) کی تحقیقات شروع کردیں۔ اس میں اس قدر بے شمار دلچسپیاں اور بے اندازہ عجیب وغریب نفسیاتی باریکیاں ہیں کہ آپ اس دلفریب اور دلکش علمی مشغلے میں اپنی محبوبہ لیڈی کیا تمام دنیا و مافیہا کو بھول جائیں گے۔ سبحان اللہ! یورپین محققین اور متجسسین کی مادی علمی تحقیقات کے سودا اور جنون کی طرف ذرا غور فرمائیے کہ کس طرح ایک بڑے بھاری ڈاکٹر اپنے شاگرد کو موت سے بچانے اور راہِ نجات دکھانے کے لیے جنگلی چوہے کی پیٹھ پر کانٹوں کے سبز باغ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اب ذرا ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے طالب اور اس راستے کے سالک اور عارف کیلیے باطنی اور روحانی دنیا کا کس قدر لامحدود اور لازوال میدان پڑا ہوا ہے اور اس میں کس قدر بے شمار عجیب وغریب نادیدہ و ناشنیدہ معارف واسرار کے خزانے مخفی پڑے ہیں۔ اور زندگی کے کتنے انوکھے، باریک اور دقیق علمی حقائق اور موت کے بعد ابدی زندگی کے نہایت اہم اور ضروری معلومات کا بڑا بھاری ذخیرہ ناتلاش کردہ اور پوشیدہ پڑا ہوا ہے اور عالمِ غیب کی لطیف مخلوقات یعنی جنات، ملائکہ اور ارواح سے اختلاط اور ملاقات اور ان سے

حصولِ فیوضات اور برکات کے راستے کھلے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب، وصال، مشاہدے اور فنا و بقا اور لقا کے امکانات موجود ہیں۔ لیکن ہم اس طرف سے بالکل اندھے اور بہرے ہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ محض دنیا کی خاک رانی میں عمرِ عزیز ضائع نہ کرے۔ بلکہ دارِ آخرت کا بھی فکر کرے۔ بے شک دنیا کے کام کاج بھی کرے لیکن دنیا کی طلب اور تلاش میں اپنے مالک سے غافل نہ ہو جائے۔

ہمارے اس پچھلے مضمون سے کہ اللہ تعالیٰ رزاقِ مطلق ہے اور رزق روزِ اول سے مقدر ہو چکا ہے بعض مغرب زدہ تعلیم یافتہ لوگ آتش زیر پا ہوں گے اور کہیں گے کہ یہ تو فقط رہبانیت کی تعلیم و تلقین ہے اور اس قسم کے مسائل اور عقائد نے مسلمانوں کو بے کار اور سست بنا دیا ہے۔ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ لوگ کام اور کسب کرنا چھوڑ دیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے نکمے اور بیکار ہو کر بیٹھ جائیں۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ از روئے شرع شریف اصلی اسلامی نظریہ اور عقیدہ ہے۔ اب ہم کسبِ معاش کے مسئلے اور روزی کی تلاش کے معاملے کو یہاں ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کیونکہ روزی اور کسبِ معاش کا معاملہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ کسبِ معاش اور روزی کے معاملے میں وہ شتر بے مہار کی طرح بالکل بے راہ رو اور آزاد ہیں۔ انہیں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے مطلق کوئی تمیز ہی نہیں ہے۔ جہاں سے اور جس طرح پیسہ ہاتھ لگے اس کے حصول سے دریغ نہیں کرتے۔ اور ہر طرح کی کمائی کو شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ محض لوگوں میں بدنامی اور حکامِ وقت کے خوف اور دشمنوں کے طعن و تشنیع کے خوف سے بعض دفعہ یہ لوگ اعلانیہ طور پر ناجائز اور حرام کمائی سے ہچکچاتے اور کتراتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک مال جمع کرنے، سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ان کے ہاں شرافت اور تہذیب کا معیار دنیوی مال و دولت ہے۔ جس قدر کوئی شخص قارون کی طرح زیادہ سرمایہ دار اور دنیا دار ہے، خواہ وہ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے کتنا ہی بدکردار نالائق حماقت شعار ہے، ان کے ہاں بڑا معزز، شریف، مہذب اور باوقار ہے۔ انہی کے حال کے مطابق کسی نے کہا ہے۔

خوک باش و خرس باش یا سگِ مردار باش ہر چہ باشی باش لیکن اندرکے زردار باش

(طالب آملی)

ایسے لوگ اگر کسی نیک کام میں یا پبلک کے مفاد کی خاطر کبھی اپنا روپیہ خرچ بھی کرتے ہیں تو ان میں ان کا ارادہ محض لوگوں میں شہرت اور عزت اور ناموری حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے کام هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ (الفرقان ۲۵: ۲۳) اور گرد و غبار بن کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی نیکیوں کی کوئی قدر اور منزلت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کا ہر کام اور ہر عمل دنیا کی خاطر ہوتا ہے۔ یہ لوگ محض دنیا اور نفس کے بندے ہوتے ہیں۔ ان کی تمام سعی اور کوشش محض دنیا تک محدود ہوتی ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور دارِ آخرت سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہوتے ہیں حیوانوں کی طرح چند روز دنیا میں آئے اور کھا پی کر چلتے بنے۔ دنیا کی تمام اقتصادی بدحالی، معاشی تنگی اور دولت کی ساری غیر مساویانہ تقسیم کا واحد ذمہ دار یہی قارونی گروہ ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم عقل اور ہمت کے مالک ہیں اور ہم جنگل کے شیر کی طرح ہیں۔ ہمارا حق ہے کہ ہم کمزوروں کو شکار کر کے اور چیر پھاڑ کر کھائیں۔ اور غریب، مفلس اور نادار لوگ، بے وقوف، کم ہمت اور بزدل ہونے کے سبب اسی بات کے لائق اور سزاوار ہیں کہ ہم ان کو لوٹیں اور ان کا مال کھائیں پئیں اور عیش کریں۔ یہ لوگ محض انسان نما حیوان اور درندے ہیں اور دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ط اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ط فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ (الاحقاف ۴۶: ۲۰)۔ (ترجمہ) ''اور قیامت کے روز کافروں کو دوزخ کے سامنے لے جا کر انہیں خطاب کیا جائے گا کہ تم نے دنیا کی زندگی میں خوب عیش اڑائے اور نفسانی فائدے اٹھائے۔ آج اس کے بدلے تم کو خوار اور رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم نے ناحق اور ناجائز طریقے پر دنیا کما کر اپنے آپ کو بڑا آدمی بنا رکھا تھا اور اس دنیا کے ذریعے طرح طرح کے فسق و فجور اور گناہ کے کام کیا کرتے تھے۔''

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اور دارِ آخرت پر تو ایمان ہے لیکن روزی اور کسب کے معاملے میں ان لوگوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور وہ ضعیف الاعتقاد ہوتے

ہیں۔ ایسے لوگوں کو ظاہری اسباب کسبِ معاش اور ہاتھ پاؤں مار کر روزی کمانے سے چارہ نہیں ہے۔ خالی توکل کرنا اور اسباب اور کسبِ معاش کو ترک کرنا ایسے لوگوں کے لیے مضر بلکہ مہلک ہے۔ جیسا کہ چھوٹا بچہ اپنی ماں کا اور ماں کے دودھ کا محتاج ہوتا ہے۔ اور گو خارج میں اور بیرونی دنیا کے اندر طرح طرح کی غذائیں اور ان کے حصول کے بے شمار راستے موجود ہیں۔ پھر بھی جب تک وہ بچہ ہے اسے ماں کی چھاتی سے چمٹنا اور اس سے غذا حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ لہٰذا ایسے مبتدی ضعیف الایمان آدمی کے لیے مادرِ اسبابِ مادی سے چمٹا رہنا اور اس سے اپنی معاش اور روزی حاصل کرنا لازمی ہے۔ لیکن باوجود ہاتھ پاؤں چلا کر روزی کمانے کے انہیں اس بات پر ایمان اور یقین رکھنا چاہیے کہ اصل روزی اور رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی رزق اور معاش کے لیے ہماری ظاہری جدو جہد اور کوشش اس رزاق مطلق کے یدِ قدرت پر بطور آستین کے ہے۔ اور معاش اور روزی کے لیے ہماری دوڑ دھوپ اور طلب وتلاش بھی اس کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت صاحبؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ''چوں رزق مقدر است پس گردیدن چیست''۔ یعنی جب رزق مقدر ہے تو پھر اس کے لیے پھرنے اور تلاش کرنے کا کیا مطلب ہے اور اس کے لیے پھرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''چوں رازق مے گرداند پس پرسیدن چیست۔'' یعنی جب خود رزاق انسان کو رزق کے لیے پھرائے تو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یعنی جس طرح رزق مقدر ہے اس کے لیے پھرنا اور تلاش کرنا بھی رزق کی طرف سے مقدر ہوتا ہے۔ اگر کاسب اور روزی کمانے والا اس اعتقاد اور یقین کے ساتھ روزی کمائے اور کسب کرے تو وہ مومن اور مسلمان ہے ورنہ اگر روزی محض اپنے کسب اور کوشش سے جانے اور اللہ تعالیٰ کو رزاقِ مطلق نہ جانے تو وہ کافر اور بے دین ہے۔ ایسے لوگوں کے حق میں مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

گر توکل مے کنی در کار کن — کسب کن پس تکیہ بر جبار کن
گفت پیغمبر ﷺ بہ آوازِ بلند — بر توکل زانوئے اشتر بہ بند
(رومیؒ)

ایسے لوگوں کو اپنی کمائی اور مال میں سے عشر اور زکوٰۃ وغیرہ نکال کر ایک سال کا ذخیرہ رکھنا جائز ہے۔ اگر ایک سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع رکھے تو حریص اور گنہ گار ہوگا۔

تیسری قسم متقی اور پرہیزگار لوگوں کی ہے۔ روزی کے بارے میں ان لوگوں کا معاملہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اول تو خالص حلال کمائی کی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ حلال کی کمائی آج کل بہت مشکل اور دشوار ہے۔ اس لیے حرام اور مشتبہ روزی میں ہاتھ ڈالنے سے متقی لوگ اکثر کتراتے ہیں اور جی چراتے ہیں۔ اور خالص حلال کمائی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اگر حسنِ اتفاق سے انہیں کوئی حلال کی کمائی مل بھی جائے تو اکثر اس کے حصول میں مردہ دل نفسانی لوگوں، فاسق، فاجر، بے دینوں اور دنیا دار متکبر، مغرور اور ظالموں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور اس قسم کے مردہ دل نفسانی لوگوں کے اختلاط اور ظالم لوگوں کے میل جول اور دنیا دار متکبر اور مغروروں کی بے جا آؤ بھگت اور تعظیم و تکریم سے ان کا دینی معاملہ خراب اور ضائع ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیا ہے وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود ۱۱: ۱۱۳)۔ یعنی ''ظالموں کے نزدیک نہ جاؤ تمہیں بھی ان کے ظلم کی آگ لگ جائے گی۔'' اور ہر بری صحبت کا اثر ہوتا ہے اور حدیث میں آیا ہے: مَنْ تَكَرَّمَ غَنِيًّا لِغِنَائِهٖ فَقَدْ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ۔ یعنی جو شخص کسی غنی اور دنیا دار آدمی کی محض دنیا کی خاطر عزت اور تواضع کرتا ہے اس کا دو تہائی دین اسی وقت چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض متقی اور پرہیزگار لوگوں کو ابتدا میں نمازِ تہجد کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور انہیں تلاوت، ذکر فکر اور اللہ اللہ کرنے میں بڑی لذت آتی ہے اور ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کا ذوق وشوق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ یک دم بے وجہ ان کے دل کا باطنی معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ نہ وہ پہلا سا ذوق وشوق رہتا ہے اور نہ عبادت اور ذکر فکر میں پہلی سی لذت آتی ہے۔ اس کی وجہ محض بڑے سیاہ دل اور ظالم لوگوں کی نزدیکی اور ان کی صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے رزق کا معاملہ پیچیدہ، مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اور اس معاملے میں بعض تو رجعت اور شکست کھا کر بازی ہار جاتے ہیں۔ اور مبتدی عوام لوگوں کے پہلے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض جو ثابت قدم اور مستقل مزاج ہوتے ہیں اور اپنے زہد و تقویٰ پر قائم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کچھ آزمائش اور امتحان کے بعد ایسے لوگوں پر حلال کی

روزی کے آسان غیبی بے حرج راستے کھول دیتا ہے۔ اور ایسی طرف سے روزی پہنچاتا ہے کہ کسی کو وہم اور گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور بعض دفعہ لوگوں کے دلوں میں ان کی نسبت حسنِ اعتقاد اور یقین و محبت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ دل و جان سے اس کی ہر طرح سے خدمت کرتے ہیں اور حکم بجالاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کسی نہ کسی طرح رزق کے جنجال سے فارغ البال کر دیتا ہے۔ اور پوری یکسوئی و یک جہتی اور فراغتِ قلبی سے اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر اور اس کے تصور میں محو اور منہمک ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا ان کی لونڈی بن کر ان کی خدمت بجالاتی ہے۔ اور ان کا دل اس سے خالی اور فارغ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست   آب اندر زیرِ کشتی پشتی ست

یعنی جس طرح پانی اگر کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو کشتی کی غرقابی اور ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے اور اگر پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کی امداد اور پشتی کا کام دے کر اسے اوپر اٹھاتا ہے۔ اسی طرح اس قسم کے متقی سالک کو دنیا نقصان نہیں پہنچاتی۔ بلکہ اس کی خدمت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس قسم کے متقی لوگوں کے حسبِ حال ہو جاتا ہے:
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط
(الطلاق ۶۵ : ۲ ۔ ۳)۔ (ترجمہ) ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے رزق کے معاملے میں تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی کا کوئی غیبی راستہ اور ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اور ایسی طرف سے اسے رزق اور روزی پہنچاتا ہے کہ جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔'' یہاں یہ مقولہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ''دست بکار و دل بیار''، یعنی ہاتھ کام میں لگا ہو اور دل یار میں۔ پنجابی میں بھی یہ کہاوت ہے ''ہتھ کار ول تے دل یار ول۔'' لیکن یہ مقولہ اس جگہ غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس کام میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے اس میں دل بھی مشغول ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت دل کے گھر میں دنیا کے خیالی کتے گھس جاتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر اور خیال کا فرشتہ دل کے صحن میں داخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ مقولہ اس طرح درست ہے کہ ''دست بیکار و دل بیار''۔ کہ ہاتھ کام سے فارغ ہو تب دل اللہ تعالیٰ سے مشغول ہوتا ہے۔

چوتھا گروہ ایسے برگزیدہ، مقدس، ممتاز، منتہی عارف لوگوں کا ہے جو دنیا میں خال خال ہیں۔ ان کا حال توکل کا ہے اور روزی کے لیے کسب اور طلب و تلاش سے یہ لوگ بالاتر ہیں اور یہ آیت ان کے حسبِ حال ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط
(الطلاق ۶۵ : ۳)۔ یعنی ''جو اللہ تعالیٰ پر تکیہ اور توکل کر لیتا ہے وہ اس کے ہر کام کے لیے کافی ہے اور کفیل ہو جاتا ہے۔'' ایسے عارف کامل مالک الملکی فقیروں کا تمام جہان پر حق ہوتا ہے اور جہاں سے جو چیز بھی ان کی خدمت میں از وجہ ناوجہ بطور تحفہ یا نذرانہ پیش کی جاتی ہے ان کے لیے حلال ہوتا ہے کیونکہ ان کی برکت سے آسمان سے بارشیں برستی ہیں اور زمین پر آبادیاں ہوتی ہیں۔ ان کے وجودِ مسعود کے طفیل جہان والوں سے ظاہری اور باطنی آفتیں، حادثے اور مصیبتیں ٹلتی اور رفع دفع ہوتی ہیں۔ اس لیے ہر آدمی کی کمائی میں ان کا حق اور حصہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی سالک نے کہا ہے۔

ہر کرا لقمہ بود نور از جلال   آنچہ داند مے خورد بروے حلال
مالک الملکی بود عارف فقیر   حق اُو بر کُل جہان حاکم امیر
(رومیؒ)

ویسے بھی وہ کسی طرح اسباب اور کسب کے محتاج نہیں ہوتے۔ کیوں کہ اول تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزّاقی کے فعل اور عمل کو باطنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ فرشتے اور ملائکہ ہر شخص کو رزق پہنچانے پر متعین ہیں۔ ان کی آنکھوں سے اسباب اور مادے کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ قدرت کے ہاتھ کو برہنہ اور اعلانیہ طور پر دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت رزق تقسیم کر رہا ہے۔ اور اسباب کی آستین محض ایک بہانہ اور عارضی چیز ہے۔ دوم وہ ہر چیز میں اپنی خداداد باطنی طاقت سے تصرف کرتے ہیں۔ اگر مٹی کو ہاتھ لگاتے ہیں تو اسے سونا بنا دیتے ہیں۔ اگر کسی خشک درخت سے میوہ طلب کرتے ہیں تو اسی وقت ہرا بھرا ہو کر بے وقت اور بے موسم پھل دے دیتا ہے۔ غرض دنیا کی مادیِ اسباب ان کے سامنے لونڈی کی طرح ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ یہ لوگ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے محتاج نہیں رہتے۔ ایسے لوگوں کے حق میں مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ہاں توکل کن مُجنباں پاؤ دست   رزقِ تو بر توزِ تو عاشق تر است

جو لوگ اس طرح کے متوکل صاحبِ حال ہوتے ہیں ان کے سینے باطنی دولتوں سے اور ان کے دل روحانی نعمتوں اور لذتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور وہ دنیوی تنگی اور فقر و فاقہ میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور فقر پر فخر کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلْفَقْرُ فَخْرِی''۔ ابنِ یمینؒ کے یہ ابیات ان کے حال کا پتہ دیتے ہیں۔

ابیات

نانِ جویں و خرقۂ پشمیں و آبِ شور — سی پارۂ کلام و حدیث پیغمبری
ہم نسخہ دو چار زعلمے کہ نافع است — دردیں نہ لغو بو علی وژاژ عنصری
تاریک کلبۂ کہ پے روشنی آن — بیہودہ ہمتے نہ برد شمع خاوری
بایک دو آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو — در پیش چشمِ ہمت شان ملک سنجری
این آن سعادت است کہ حسرت برد برآن — جویائے تختِ قیصر و ملکِ سکندری

بعض لوگوں کے دلوں میں شیطان نے دین کی نسبت عجیب قسم کی بدگمانیاں اور شکوک پیدا کر دیئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اہلِ مغرب کو بے دینی، لا مذہبیت، الحاد اور اللہ تعالیٰ کے عقیدے سے انحراف نے آسودہ حال اور مالا مال کر دیا ہے۔ اور اہلِ مشرق کو مذہب، دینداری اور خدا کے عقیدے اور خیال نے مفلس، محکوم اور کنگال بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ بے دینی، الحاد اور بداخلاقی کسی شخص کو فرداً فرداً یا کسی قوم کو مجموعی طور پر آسودہ حال اور صاحبِ اقبال بنا سکتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ، اس کی یاد، اطاعت اور خوش خلقی کسی کو مفلس اور کنگال کر سکتی ہے۔ بلکہ دنیا و آخرت کی آسودگی، آسائش ہمیشہ سے دینداری، نیک اطوار اور حسنِ اخلاق کے ساتھ مربوط اور وابستہ ہے۔ جس شخص یا جس قوم کو بھی دیکھو کہ اس نے دنیا میں ترقی کر کے اچھی پوزیشن حاصل کر لی ہے اور آسودہ حال اور مالا مال ہو گئی ہے تو اس شخص یا اس قوم کے اندر ابتدا میں راست بازی، دیانتداری، رحم دلی، اتفاق، حسنِ اخلاق اور اچھی عادات و صفات میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پائی جاتی ہو گی۔ جس کی بدولت اگر انہیں بسبب کفر و شرک دولتِ آخرت نہ سہی تو دنیا کی راحت، آسائش، بخت اور اقبال بطور نعم البدل حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ چیز انہیں دنیا میں مرفہ الحال اور مالا مال بنا دیتی ہے۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ بے دینی اور بداخلاقی کسی شخص یا کسی قوم کی آسودگی،

آسائش اور بخت و اقبال کا موجب اور باعث بن جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِیْ لَهُمْ ط اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ'' ○
(الاعراف ۷: ۱۸۱ - ۱۸۳)۔ (ترجمہ) ''اور ان لوگوں میں سے کہ پیدا کیا ہے، ہم نے واسطے بہشت کے ایک گروہ ہے کہ راہ دکھاتا ہے خلق کو ساتھ حق کے اور عدل اور انصاف کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے باوجود عدل و انصاف کے نشانیوں کو یعنی ہمارے پیغمبر ﷺ، اس کی کتاب اور دعوتِ حق کو جھٹلایا تو ہم دنیا میں انہیں اس طرح درجے اور ترقی عطا کریں گے کہ وہ اسے سمجھ نہیں سکیں گے۔ حالاں کہ یہ دنیوی ترقی انہیں زیادہ غافل کرنے کے لیے ایک ڈھیل اور مہلت ہے۔ اور یہ بات ان کے ساتھ ہماری آزمائش کی ایک زبردست چال ہے۔'' لہٰذا اگر تم کسی شخص یا کسی قوم کو دیکھو کہ باوجود کفر اور شرک یا بے دینی اور الحاد دنیا میں آسودہ، خوش حال اور صاحبِ اقبال ہے تو اس کا موجب اور باعث یا تو اس کی کوئی اپنی پوشیدہ خصلت اور عمدہ عادت ہو گی یا اس کے آبا و اجداد کی دینداری اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں سعی اور قربانی ہو گی جس کا معاوضہ اس طرح اسے دنیا میں مل رہا ہے۔ کیونکہ وہ بے چارہ آخرت کا اہل اور حقدار نہیں ہے۔ اُس کا معاوضہ اُسے چند روزہ فانی دنیا میں مل رہا ہے۔ سو یہ بات بالکل محال اور ناممکن ہے کہ کوئی شخص یا قوم صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور عملِ صالح کرے اور دنیا و آخرت میں کسی کی محتاج، دست نگر اور محکوم ہو جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان بھی نہیں کہ وہ اپنے خالص، مخلص اور فرماں بردار بندوں کو کافروں، مشرکوں اور نافرمان، ظالم اور بے دین لوگوں کا محتاج اور محکوم کرے۔ بے دینی و بداخلاقی اور ظلم و ستم کا انجام اور نتیجہ ہمیشہ اور ہر جگہ برا رہتا ہے۔ اور یہ جو بعض لوگ بعض دفعہ نیک، دین دار اور خوش اخلاق نظر آتے ہیں لیکن پھر بھی ان کی نیکی اور خوش اخلاقی یا تو محض رسمی رواجی، نمائشی یا محض ریا اور دکھلاوے کی صورت میں ہوتی ہے یا ان کی نیت میں فساد اور بگاڑ ہوتا ہے۔ اس واسطے ایسی نیکی اور خوش خلقی سے کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ یعنی اعمال کا حسن اور قبح نیت پر موقوف ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ

يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُم وَنِيَّاتِكُمْ ۔یعنی ''اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہارے ظاہری اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔'' ورنہ اگر نیت خالص سے کوئی بھی عمل کیا جائے اس پر اسی وقت فوری نتیجہ مترتب ہوتا ہے۔سو اعمال میں سے ایک دو اعمال کا یہاں تھوڑا سا ذکر کیا جاتا ہے جس سے اس کی کیفیت اور نیت کے سبب اس کے حسن وقبح پر روشنی پڑتی ہے۔اس میں سے ایک نماز ہے جو روزانہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔یعنی نماز مومن کی معراج کا درجہ رکھتی ہے۔اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ حی قیوم، اور شاہ رگ سے بندے کے نزدیک ہے۔کوئی جامد پتھر کا بت نہیں ہے۔بلکہ سمیع وبصیر اور کلیم ہے کہ بندہ اسے پکارے اور جواب نہ دے۔خدا کے ایسے خاص بندے ہیں کہ جس وقت وہ نماز کے اندر سجدے میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دفعہ خطاب ہوتا ہے:لَبَّیْکَ یَا عَبْدِیْ ۔یعنی اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔مانگ جو کچھ مانگتا ہے۔اور دو سجدوں کے درمیان قعدہ میں اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں داخل ہوتا ہے اور اس پر خاص تجلی ہوتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ٥ (العلق ۹۶ : ۱۹) ۔یعنی سجدہ کر اور میرے قریب ہو۔یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص چیدہ اور برگزیدہ محبوب بندوں کی نماز کا معاملہ ہے لیکن متوسط مؤمن متقی بھی اگر نماز کو اخلاص، نیک نیتی اور اچھی طرح سے ادا کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز کے اندر کچھ اشارتیں اور بشارتیں ملتی ہیں۔چنانچہ بعض کو نماز کے اندر لذت، حلاوت اور فرحت محسوس ہوتی ہے۔بعض کو رقت اور گریہ جاری ہو جاتا ہے۔کسی کی زبان ایسی میٹھی ہو جاتی ہے کہ گویا کسی نے منہ میں شہد گھول دیا ہے۔کسی کو نماز کے وقت ایک خاص قسم کی ریح اور خوشبو آنے لگتی ہے۔کسی کو رات کو نماز یا تہجد پڑھنے کے بعد اچھے خواب نظر آتے ہیں اور خواب میں نیک بشارتیں ملتی ہیں۔سب سے کمتر تاثیر نماز کی یہ ہے کہ نماز پڑھنے سے وجود سے ایک گونہ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔جسم ہلکا پھلکا اور دل بے وجہ خوشی اور اطمینان حاصل کرتا ہے۔اور اگر رات کو نماز رہ جائے اور پڑھی نہ جائے تو دل پریشان اور ملول رہتا ہے۔نیند اچھی نہیں آتی اور ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔اگر ان مذکورہ باتوں میں سے نمازی کو کچھ بھی

محسوس اور معلوم نہ ہو تو جانے کہ نماز صحیح اور درست ادا نہ ہوئی اور درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچی۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو اور سوال والتجا کرے۔اور وہ حی وقیوم اور قریب ومجیب جواب نہ دے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔جیسا کہ ارشاد ہے: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرۃ ۲ : ۱۵۲) ۔''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔'' قولہٗ تعالیٰ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط(المؤمن ۴۰ : ۶۰)۔''تم مجھ سے دعا مانگو اور مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور جواب دوں گا۔''

پس نمازی کو چاہیے کہ نماز کو صحیح اور درست کر کے پڑھے اور اپنی نیت کو خالص کرے اور نماز میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے اور اس طرح حضورِ دل سے نماز ادا کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔یا کم از کم اتنا خیال رکھے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور وہ عظیم الشان سرکار مجھے دیکھ رہی ہے۔قولہٗ تعالیٰ: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ الَّذِيْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ٥ (المؤمنون ۲۳ : ۱ ۔ ۲)۔یعنی ''وہ مومن ضرور چھٹکارا پا گئے جن کے دل پر نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی ہیبت چھا جاتی ہے۔'' نماز کی صحت پر چار شرائط ہیں: اول دل کا حضور، دوم خدا کے آگے عقل و شعور، سوم دل میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان ذات کی عظمت اور ہیبت، چہارم نماز کے ارکان کی حسنِ ادائیگی اور اس میں عاجزی اور فروتنی۔چنانچہ بغیر حضور نماز لاہی اور رواہی ہے اور بلاشعور عقل نماز دل کی سیاہی ہے۔بغیر خشوع نمازی کا دل خاطی یعنی گمراہ ہے اور بغیر خضوع وفروتنی نمازی جانی یعنی جفا کار ہے۔یعنی نماز اور اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے۔حدیث میں آیا ہے:اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ اللّٰهُ الْحِجَابَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ وَوَاجَهَهٗ لِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَقَامَتِ الْمَلٰئِكَةُ مِنْ الَّدُنَّ مَنْكِبَيْهِ اِلَی السَّمَآءِ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ وَيُؤْمِنُوْنَ عَلٰی دُعَائِهٖ رَيَسْتَنْثِرُوْنَ عَلَيْهِ الْاَنْوَارُ مِنْ عِنَانِ السَّمَآءِ اِلٰی مَفْرَقِ رَاْسِهٖ ۔ترجمہ: ''جب بندہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے اور اپنے درمیان حجاب اور پردے اٹھا دیتا ہے۔اور اپنی ذاتِ مقدس سے اس بندے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔اور نمازی کے دونوں کندھوں سے لے کر آسمان تک ملائکہ اور فرشتوں کے پرے اور صفیں قائم ہو جاتی ہیں جو بطور اعزاز وتکریم اس کے ارکانِ نماز میں اس کا تتبع اور

موافقت کرتے ہیں۔ اوراس کی دعا کے ساتھ آمین پکارتے ہیں۔ اور عنانِ آسمان سے اس کے سر پر جواہرِ انوارِ رحمت کے طشت نثار اور نچھاور کرتے ہیں۔ حضورِ دل سے نماز پڑھنے والے کی بعینہٖ یہی حالت ہوتی ہے''۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جلال احدیت جلّ جلالہٗ فرماتے ہیں کہ جب بندہ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہِ قدس کے فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ اے ملائکہ! یہ بندہ میری بارگاہ میں آیا ہے اور کچھ راز و نیاز اور آرزو و التجا کے اظہار کا ارادہ رکھتا ہے۔ اے ملائکہ! اس بندے اور میرے درمیان ذرا پردے اٹھا دو۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب پردے اور حجاب اٹھا دیتے ہیں۔ لیکن جس وقت بندہ نماز میں خطراتِ غیر اور خیالاتِ دنیوی کی طرف ملتفت اور متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خیال اور تصور سے اس کا دل خالی ہوتا ہے تو بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوتا ہے کہ اے ملائکہ! پردے واپس ڈال دو۔ اس کا دل میری طرف پیٹھ کیے ہوئے دنیا کی طرف رخ کیے ہوئے ہے۔ یہ بندہ میری بارگاہ میں کوئی نماز پڑھنے اور دعا و التجا کرنے نہیں آیا ہے۔ بلکہ میرے ساتھ ٹھٹھا اور مخول کرنے آیا ہے۔ اس وقت ایک فرشتہ منادی کے طور پر پکارتا ہے کہ کاش یہ نماز میں غیر کی طرف متوجہ اور التفات کرنے والا بندہ اس بات کو جانتا کہ یہ کس مقدس عظیم الشان سرکار کے حضور میں کھڑا ہے تو اس عالی شان شاہنشاہ سے منہ موڑ کر ادھر ادھر کی حقیر اور ناچیز مخلوق کی طرف ہرگز ملتفت اور متوجہ نہ ہوتا۔

کتاب عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نمازی جب نماز میں کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہتا ہے تو شیاطین جو اس کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کی آواز سن کر مارے خوف کے اطرافِ عالم میں ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس وقت بندے کے دل کی طرف تجلّی فرماتا ہے اور اس کے دل کی طرف نگاہ کرتا ہے۔ جب اس دل میں بغیر اپنی عظمت و جلال کے کچھ نہیں پاتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَا عَبْدِیْ صَدَقْتَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَمَا قُلْتَ یعنی اے بندے! تو اللہ اکبر کہنے میں صادق اور سچا ہے۔ جس طرح تو نے زبان سے ادا کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت تیرے دل میں سوائے میری عظمت اور جلال کے کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب بندہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت غیر اور ماسوا اللہ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی

! اگر کسی بندے کو تھپڑ مار کر بھگا دیا جائے اور وہ ۱۷ سو تک بدلہ پر قادر نہ ہو تو جب قدرت پائے گا واپس آ کر بدلہ لے گا۔

بارگاہ کی طرف سے اس بندے کی طرف خطاب پر عتاب ہوتا ہے کہ پرے دور ہو۔ تو اللہ اکبر کہنے میں سراسر جھوٹا اور منافق ہے۔ اس وقت شیاطین اطرافِ عالم سے واپس ہو کر اس کے دل پر دوبارہ اس طرح حملہ اور ہجوم کر کے آن پڑتے ہیں۔ جس طرح مکھیاں گندگی پر گرتی ہیں۔ اس وقت شیاطین اس کے دل کو نوچ نوچ کر کھاتے ہیں اور اپنا لقمہ بنا لیتے ہیں۔ سو نماز کی ادائیگی کے مختلف مرتبے اور درجے ہیں۔ اور نماز کی قبولیت، اجابت اور منظوری میں نیت، اخلاص اور حضوریٔ دل کو خاص دخل ہے۔ اور ہر عمل کا دار و مدار انسان کی نیت پر ہے۔

اب ایک نمازی کا ذکر اور حال سنیے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک خراسانی پٹھان کو بازار میں دیکھا جو کپڑا وغیرہ خریدنے آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے بٹوے کے اندر ہزاروں روپے کے نوٹ ہیں۔ یہ لوگ عموماً مسجدوں میں رات کو سویا کرتے ہیں۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے ہو لیا۔ رات کو وہ مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے بھی اس کے قریب نوٹوں کا بٹوہ اڑانے کی خاطر ڈیرہ جما لیا۔ وہ پٹھان اسی پہلو پر جس کی طرف جیب میں بٹوہ تھا سو گیا۔ ایسی حالت میں بٹوہ نکالنا اور اڑانا بہت مشکل تھا۔ میں سمجھا کہ کب تک اسی ایک پہلو کے بل لیٹا رہے گا۔ موسم سرما کی لمبی راتیں تھیں۔ اس مسجد میں چند اور مسافر بھی سوئے ہوئے تھے۔ میں نے نیند کے حملے سے بچنے اور اپنی نسبت لوگوں کے دلوں سے چوری چکاری کا خیال دور کرنے کی خاطر اس پٹھان کے پہلو میں نفل پڑھنا شروع کر دیئے۔ اور نماز کی رکعتوں پر رکعتیں پڑھنے لگ گیا کہ جب رات کو کسی وقت وہ پٹھان پہلو بدلے گا تو میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔ اور ہزاروں روپے کا بٹوا اڑا لوں گا۔ لیکن خدا کی شان کہ سخت جان پٹھان تمام رات اسی ایک پہلو پر لیٹا رہا اور میں نے بٹوے کی خاطر سینکڑوں رکعتیں پڑھ ڈالیں لیکن بٹوا اڑانے میں ناکام رہا۔

اب ایک ظاہر بین شخص اس نمازی کو دیکھتا تو وہ دل میں خیال کرتا کہ یہ تو بڑا زاہد عابد بلکہ اپنے وقت کا بایزیدؒ ہے۔ جس نے ساری رات نفلوں میں گذار دی ہے۔ لیکن خدا کے نزدیک ایسی رکعتوں اور نمازوں کی کیا قدر ہوگی جو محض بٹوے کی خاطر پڑھی گئی ہوں۔

غرض ہر عمل کا حسن و قبح اور رد و قبول عمل کرنے والے کی دلی نیت پر موقوف ہے۔

ایک دکاندار خوجے کی نسبت مشہور ہے کہ جب کبھی وہ کوئی گاہک بھول جاتا تھا یا کسی کے ذمے کوئی رقم یاد سے اتر جاتی تھی تو اسے یاد کرنے کے لیے دو رکعت نفل پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ چونکہ نماز میں شیطان بطور وسوسہ دنیا کی بھولی ہوئی باتیں یاد دلا دیتا ہے اس لیے اس خوجے کو وہ گاہک یا وہ رقم فوراً یاد آجاتی تھی۔ سو اس قسم کی نماز کا بدلہ آخرت میں الٹا خدا تعالیٰ کا قہر اور عذاب ہوگا۔ سو ہر عمل اور عبادت کا روحِ رواں اور اس کی جان عمل کرنے والے شخص کے دل کی نیت اور ارادہ ہوا کرتا ہے اور اسی سے عمل اور عبادت زندہ اور تابندہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجۂ قبولیت کو پہنچتے ہیں۔ اگر کوئی عمل، اطاعت اور عبادت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے ادا کیا جائے تو اس عمل سے دنیوی مرادیں اور آخرت کے درجات بھی خود بخود تبعاً عمل کرنے والے کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ لیکن دنیوی ارادے کی تبع میں دین حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص ایک مسجد میں آکر معتکف ہوگیا۔ اس مسجد کی آمدنی کافی تھی اور چونکہ اس مسجد کا سابق امام فوت ہوگیا تھا اور وہ عالم فاضل تو تھا ہی اس خیال سے مسجد میں قیام پذیر ہوگیا کہ شائد اسے امامت مل جائے اور مزید برآں دن کو روزہ رکھتا اور رات کو ساری رات نفل نوافل اس نیت اور ارادے سے پڑھتا تھا تا کہ اس طرح لوگوں اور خصوصاً مسجد کے متولی اور مقتدیوں کا حسنِ ظن اور خوش اعتقادی حاصل کر سکے اور وہ لوگ اسے مسجد کا امام بنالیں۔ اس حالت میں پورا ایک سال گذر گیا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور اس کی امامت کی مراد پوری نہ ہوئی۔ آخر اس نے ایک دن اپنے نفس سے محاسبہ کیا کہ اے نفس تو نے پورا ایک سال ایک دنیوی غرض کے لیے دن کو روزے رکھے اور بھوکا پیاسا رہا اور رات کو نمائشی نفلیں پڑھتا رہا۔ سال کی نیند حرام کی۔ اگر تو یہ کام محض اللہ کے لیے کرتا تو آج کسی درجے کو پہنچ جاتا۔ حیف ہے تیری اس دانش پر اور لعنت ہے تیری اس غلط روش پر۔ پس اسی خالص جذبے کے تحت سامان اٹھا کر مسجد سے نکلنے والا تھا کہ مسجد کا متولی اسے مسجد کے دروازے پر ملا اور اس سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جارہے ہیں۔ اس نے کہا کہ اپنے وطن جانے کا ارادہ ہے۔ مسجد کے متولی نے اسے کہا کہ بہتر ہے آپ کہیں نہ جائیں۔ مجھے ابھی گھر بیٹھے خیال گذرا کہ ہمارے مسجد کا پیش امام ڈیڑھ سال

سے فوت ہو چکا ہے۔ آپ نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں نہ آپ کو اس مسجد کا پیش امام مقرر کر دیا جائے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ ہماری مسجد کی امامت قبول فرمالیں۔ اس پر وہ معتکف آدمی چونک پڑا اور دل میں خیال کیا کہ مکمل ایک سال کے ریاکارانہ زہد و عبادت نے وہ کام نہ کیا جو ایک لحہ کے نیک فکر اور خالص ارادے نے کر دکھایا۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تمام عمر جو نیک عمل اور عبادت کروں گا اس میں کسی دنیوی اور نفسانی ارادے کو دخل نہ دوں گا اور آئندہ ہر فعل اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے لیے کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ شخص خاصانِ خدا اور مقربانِ مولا میں سے ہوگیا۔ سو ہر کام میں نیک نیت اور پاک ارادہ کامیابی کی کنجی ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے: نِيَّتُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ۔ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ یعنی جب انسان کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک وہ عمل نہیں کر چکتا اسے اپنی نیت اور ارادے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب عمل ادا کر لیتا ہے تو دل کا نیک ارادہ اور پاک خیال ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہر وقت اس کا دل خانہ کعبہ کے طواف اور روضۂ اقدس کی زیارت کے تصور اور خیال میں محو اور مصروف رہتا ہے۔ اور اسے دم دم میں اس پاک خیال اور نیک تصور کا اجر ملتا ہے۔ لیکن اگر وہ حج کو چلا جائے تو اس کا وہ نیک خیال ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ الٹا خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اپنے گھر اور وطن کے خیالات میں محو اور مصروف ہو جاتا ہے۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔

در کعبہ اگر دل سوئے غیر است ترا — ہم کعبہ کنشت و قبلہ دیر است ترا
گر دل بخدا وَ داخل بتکدہٖ — خوش باش کہ عاقبت بخیر است ترا

(ابوسعید ابوالخیر)

اب ذرا دوسرے بڑے عمل حج کا ذکر سنیے۔ بہت لوگ اس امید پر حرام کماتے اور طرح طرح کے گناہ کرتے ہیں کہ آخر عمر میں حج ادا کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ سے تمام گناہ بخشوالیں گے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی پاک مقدس، عادل اور سچی بارگاہ کو بھی ایک راشی اور ظالم حاکم کی عدالت اور کچہری سمجھ رکھا ہے۔ جہاں رشوت سے سب کام نکل آتے ہیں۔ چنانچہ زمانے کے بڑے بڑے ظالموں اور سرمایہ داروں کو دیکھا جاتا ہے کہ جن کی

تمام عمر رشوت خوری، زنا، لہو و لعب، لوٹ کھسوٹ، ظلم و ستم اور ہر طرح کے فسق و فجور میں گذر جاتی ہے۔ اور غریبوں مسکینوں کا خون چوس چوس کر لاکھوں روپیہ جمع کر لیتے ہیں۔ پھر آخر میں پچھلے گناہ بخشوانے کی خاطر یا لوگوں میں حاجی صاحب کہلوا کر عزت اور اعتبار پیدا کرنے کے لیے پھولوں کے انبار گلے میں ڈالے ہوئے بڑی دھوم دھام سے ہوائی جہاز پر چڑھ کر چند روز کے لیے حج کرنے چلے جاتے ہیں اور دل میں اتراتے ہیں کہ بس تمام عمر کے گناہ بخشوا آئے ہیں اور بڑا عمل کما لائے ہیں لیکن اس قسم کے حج کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ گوبر کی طرح ان کے منہ پر مارے گا اور ان پر بجائے ثواب کے اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب نازل ہوگا۔ آخرت کے سچے بازار میں اس قسم کے کھوٹے داموں سے کوئی مال اور متاع تو حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا عذاب اور وبال مول لیا جاتا ہے۔ اس صرافِ حقیقی کی بارگاہ میں محض خالص پاک مزکّی عمل کام آتا ہے۔ قولہ تعالیٰ: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝ (الکہف ۱۸: ۱۰۳-۱۰۶)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اے ہمارے نبی ﷺ کیا ہم ایسے لوگوں کا حال آپ ﷺ کو بتائیں جو عمل کمانے کے باوجود بہت گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے اور اپنے اعمال کے حساب کتاب اور سزا و جزا کے منکر رہے۔ پس ان کے سب اعمال ضائع اور برباد ہو گئے اور قیامت کے روز ان کے اعمال کے وزن کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ بلکہ سیدھے جہنم کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے کیونکہ دراصل وہ ہمارے منکر رہے اور ہمارے احکام اور پیغمبروں کا مذاق اڑاتے رہے۔'' اللہ تعالیٰ صرافِ حقیقی کی سچی بارگاہ میں کھوٹے اور جھوٹے اعمال پیش کرنا اور ان کے عوض انعام و اکرام کی امید رکھنا واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا اور مخول کرنا ہے۔ کسی شاعر نے اس بارے میں کیا اچھا کہا ہے۔

بہ زمین چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد   کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بحریم کعبہ رفتم ز درون ندا برآمد   تو برون چہ کار کردی کہ درونِ خانہ آئی

(عراقی)

حج بیت اللہ بڑا بھاری عمل ہے۔ اگر جملہ شرائط اور آداب سے ادا کیا جائے، حلال کی کمائی اس راستے میں خرچ کی جائے، نیت اور ارادہ خالص لوجہ اللہ ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرض کی ادائیگی اور اس کی رضامندی اور خوشنودی اور شعائر اللہ کی تعظیم مقصود ہو اس طرح اگر حج ادا کیا جائے تو واقعی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں اس سے واقع ہوئی ہیں وہ معاف ہو جاتی ہیں۔ مثلاً فریضہ نماز اور ماہِ رمضان کے روزے وغیرہ قضا اور فوت ہو گئے ہوں تو ان کی تلافی اور معافی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بیت اللہ کی ایک نماز لاکھ نماز کے برابر اور وہاں کا ایک روزہ لاکھ روزوں کے برابر درجہ رکھتا ہے لیکن حقوق العباد کسی بھی صورت میں حج ادا کرنے سے معاف نہیں ہوتے چاہے تمام عمر ہر سال حج ادا کرتا رہے۔ چنانچہ اگر کسی کے مال میں سے ایک پیسہ یا ایک حبہ ناجائز طریقے سے لیا ہے یا کسی مسلمان کو بے وجہ آزار یا دکھ پہنچایا ہے یا کسی طرح اس کی بے عزتی اور بے حرمتی کی ہے یہ چیزیں ہرگز معاف نہیں ہوتیں جب تک حق دار کو اس کا مال اور حق واپس نہ کر دیا جائے یا اسے بخشوا نہ لیا جائے چاہے تمام عمر حج ادا کرتا رہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی صحابی کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا اتفاق ہوتا تو جنازہ پڑھنے سے قبل حضور ﷺ دریافت فرماتے کہ اس شخص پر کسی کا قرض تو نہیں ہے۔ تو جب تک اس متوفی کے قرض کی ادائیگی نہ ہو جاتی تب تک آپ ﷺ اس کا جنازہ نہ پڑھتے۔ یہاں سے قیاس کر لیا جائے کہ حقوق العباد کی کس قدر بھاری اہمیت ہے۔ دنیا میں بہت لوگ اکثر رسمی رواجی طور پر حج ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حج سے واپس آتے ہیں تو ان کے اخلاق اور عادات بد سے بدتر ہو جاتے ہیں اور دنیا طلبی اور حرص کی آگ ان کے دلوں میں بہت سختی سے بھڑک اٹھتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے حج محض رسمی رواجی ہوتے ہیں جو درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچتے۔ نمائشی حجوں پر ہزاروں روپیہ خرچ کرآتے ہیں لیکن اس کے پڑوس میں ایک مسلمان بھوکا مر رہا ہوتا ہے اسے حسبۃً للہ ایک

لقمہ یا ایک پائی دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔ اب ہم یہاں دنیا میں ایک مقبول ترین حج کا واقعہ بیان کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔

کتاب تذکرۃ الاولیا میں عبداللہ بن مبارکؒ کا ذکر آیا ہے کہ وہ ایک دفعہ حج کرنے گئے تھے۔ جب حج ہو چکا اور آخری رات ہوئی تو اس بزرگ نے واقعہ میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہو کر خانہ کعبہ کی چھت پر آ بیٹھے ہیں۔ ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے پوچھا کہ اس دفعہ کتنے آدمی حج کرنے آئے ہیں۔ پہلے فرشتے نے جو اس کام پر مامور تھا اور حاجیوں کے حج کے ثواب کی پڑتال کرنے پر متعین تھا جواب دیا کہ اس دفعہ اتنے لاکھ اتنے ہزار اتنے سو آدمی حج کرنے آئے ہیں۔ پہلے فرشتے نے دوبارہ سوال کیا کہ اس دفعہ کون شخص حج کرنے میں اول نمبر پر آیا ہے اور سب سے زیادہ حج کا ثواب کمایا ہے۔ دوسرے متعین اور متعلق فرشتے نے جواب دیا کہ اس دفعہ شہر دمشق کے علی نامی شخص جس کے والد کا نام موفق ہے اور دمشق کے فلاں محلے کا رہنے والا ہے کا حج اس قدر مقبول اور منظور ہوا ہے کہ اگر اس کے حج کا ثواب ان آئے ہوئے تمام حاجیوں پر تقسیم کیا جائے تو یہ تمام حاجی بخشے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کا یہ مکالمہ سن کر وہ بزرگ خواب سے بیدار ہو گیا اور اس نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ ایسے برگزیدہ بزرگ کی زیارت کرنی چاہیے اور اس کے حج کی کیفیت معلوم کرنی چاہیے جس کا حج اس قدر مقبول اور منظور ہوا ہے۔ غرض وہ بزرگ حج سے سیدھا دمشق روانہ ہوا اور دمشق میں جا کر خواب والے پتے پر اس بزرگ علی نامی سے جا ملا اور اس سے اس کے حج ادا کرنے کی کیفیت دریافت کی۔ لیکن جس وقت اس پاک باز مردِ خدا علی نے اس بزرگ کو جواب دیا کہ میں تو اس دفعہ حج کرنے نہیں گیا تو اس بزرگ کو انتہائی حیرت ہوئی اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس نے خیال کیا کہ میرے خواب کا واقعہ کسی طرح جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ ممکن یہ شخص کسرِ نفسی کر کے اپنا حال چھپانے کی کوشش کرتا ہو۔ سو اس بزرگ نے اسے اپنے خواب کا واقعہ سنا کر کہا کہ میرے خواب کا واقعہ کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ اس پر وہ علی ابن الموفق بزرگ چونک اٹھا اور اس نے اپنے حج کا قصہ یوں بیان کیا کہ میں نے اس دفعہ حج پر جانے کا ارادہ کر لیا تھا اور تین ہزار درہم بطور زادِ راہ اور سفر خرچ جوڑ رکھے تھے۔ حج پر روانہ ہونے سے چند روز پہلے میری بیوی کسی کام کے لیے رات کو ہمارے

ہمسائے کی گھر کی دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی تو اسے اس ہمسائے کے گھر سے گوشت پکنے کی بو آئی۔ چونکہ میری بیوی کو حمل تھا لہٰذا گوشت کی اشتہا سے بے چین ہو گئی اور وضع حمل کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ بیوی نے مجھے آ کر کہا کہ ہمسائے کے گھر سے کچھ گوشت منگوا دو ورنہ اسقاطِ حمل کا خطرہ ہے۔ اور میں اپنے ہمسائے کے دروازے پر گیا اور اسے بلا کر اپنا مدعا ظاہر کیا۔ ہمسایہ بچارا میری بات سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ پہلے تو وہ ٹالنے لگا لیکن اس نے میری مجبوری اور معذوری کا حال سنا تو یوں گویا ہوا کہ جناب واقعی ہمارے گھر گوشت پک رہا ہے۔ لیکن وہ آپ لوگوں کے کھانے کا نہیں۔ کیونکہ آج تین روز سے میں اور میرے گھر والے فاقے سے ہیں۔ آج چونکہ ہماری آخری اضطرار کی حالت تھی، شہر سے باہر میں ایک مردہ مرغی اٹھا لایا اور اب رات کے اندھیرے میں اسے کھانے کے لیے بھون رہے ہیں۔ ہم چونکہ تین روز سے فاقے سے ہیں اس لیے یہ چیز ہمارے لیے حلال ہے۔ لیکن آپ کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ میں یہ سن کر دم بخود رہ گیا اور واپس آ کر اپنی بیوی کو سارا ماجرا سنایا جس کے سنتے ہی اس کا درد رفع ہو گیا۔ میں نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارا ایک مسلمان ہمسایہ اس قدر مفلسی اور تنگی کے دن گزار رہا ہے اور ہم اس کے حال سے غافل ہیں اور اس کی کچھ مدد نہیں کی۔ اب میری صلاح یہ ہے کہ تین ہزار درہم جو حج کی نیت سے جمع کر رکھے ہیں انہیں اپنے مسکین مسلمان ہمسائے کی امداد میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر آئندہ دیکھا جاوے گا۔ اگر قسمت میں حج ہے تو اس کا انتظام اللہ تعالیٰ فرما دے گا۔ فی الحال تو اس مسلمان مسکین کی دلجوئی اور امداد حج سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ میری بیوی بھی اس بات پر رضامند ہو گئی اور میں وہ تین ہزار درہم اٹھا کر اپنے ہمسائے کے پاس لے گیا اور اس کے حوالے کر دیئے کہ انہیں اپنی ضرورت میں خرچ کریں۔ شائد اللہ تعالیٰ صرافِ حقیقی کو میرا یہ حقیر عمل پسند آ گیا ہے اور اسے قبولیت اور منظوری کا شرف بخش دیا ہے اور آپ کے ذریعے مجھے اپنے پوشیدہ انعام و اکرام کی نوید اور بشارت سے سرفراز فرما دیا ہے۔ چنانچہ میرے اس بیان سے اس بزرگ حاجی کی تسلی ہو گئی اور اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ذات مقدس کے انوکھے کاموں سے ہم ہر دو حیران اور انگشت بدنداں رہ گئے۔

انسان کو چاہیے کہ عملِ صالح اختیار کرے اور عمل میں اخلاص اور نیت محض لوجہ اللہ رکھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دنیوی غرض، عزوجاہ اور شہرت وغیرہ شامل نہ کرے۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا قرب، اپنی غرض و غایت رکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ٥ (الکہف ۱۸ : ۱۱۰)۔ پس جس شخص کو اپنے رب کے دیدار کی امید ہو وہ نیک عمل اختیار کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی غیر مقصد کو شریک نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اثنائے جہاد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک کافر سے لڑائی ٹھن گئی۔ چنانچہ لڑتے لڑتے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کافر کو زمین پر گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور اسے قتل کرنے لیے خنجر نکالا۔ جب کافر نے حضرت علیؓ کو خنجر نکالتے دیکھ لیا اور دل میں سوچا کہ اب خاتمہ ہو رہا ہے تو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اس سے اور تو کچھ نہ ہو سکا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا جس سے حضرت علیؓ کو طیش آ گیا اور آپؓ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپؓ فوراً اس کافر کے سینے سے اتر کر الگ ہو گئے اور کافر اپنی تھوک کی اس خلافِ توقع اثر سے حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؓ اس نفسانی غصے سے اصلی حالت پر آئے تو اس کافر کو دوبارہ جب پکڑنے لگے تو کافر نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہوئی کہ ایک تھوک سے ڈر کر مجھے چھوڑ دیا اور اب دوبارہ پکڑنے لگے ہو۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ہم مسلمان محض اللہ اور اس کے دین کی خاطر تم لوگوں سے جنگ اور جہاد کرتے ہیں اور اسی خالص غصے اور جذبے کے تحت میں تم سے لڑ رہا تھا اور تمہیں گرا کر قتل کرنے لگا تھا۔ لیکن جس وقت تو نے میرے منہ پر تھوکا تو مجھے اپنی عزت اور نفس کی خاطر غصہ آ گیا اور یہ نفسانی غصہ اس ربانی غصے میں شریک ہو گیا اور میرے عملِ جہاد میں وہ سابق اخلاص اور صالحیت نہ رہی۔ اس لیے تمہیں چھوڑ دیا۔ اب جب کہ میرا نفسانی غصہ فرو ہو کر زائل ہو گیا اور از سرِ نو جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ عود کر آیا لہٰذا تجھے دوبارہ پکڑ لیا۔ اس پر وہ کافر حیرت سے دم بخود رہ گیا اور کہا کہ اے بندہ خدا! اگر تم راہِ خدا میں اس طرح کے خالص، مخلص اور صادق ہو تو تمہارا دین سچا ہے۔ مجھے اپنا دین پیش کرو۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ کافر مسلمان ہو گیا۔ یہ سابق مسلمانوں کے خالص، مخلص، بے ریا اور بے

غرض عملِ صالح کی ایک مثال ہے۔

غرض انسان کو ظاہری و باطنی، مادی و روحانی اور دینی و دنیوی جو بھی نعمت حاصل ہوتی ہے اس کا اصل باعث اور حقیقی موجب اللہ تعالیٰ کی عبادت، طاعت، نیک اخلاق اور اس کے پاک نام اور مقدس کلام کی برکات اور فیوضات ہوتی ہیں اور اس کے بغیر اور کوئی چیز باعثِ خیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام اور پاک کلام میں بڑے بھاری برکات اور عجیب تاثیرات ودیعت کر دی گئی ہیں۔ بشرطیکہ یہ کلماتِ طیبات پاک، لطیف جسم و جان اور باطنی لطیف زبان سے ادا کیے جائیں۔ چنانچہ ظاہری عنصری زبان سے ادا کرنے میں ظاہری بدن کے لیے اور باطنی قلبی زبان سے ادا کرنے سے باطنی لطیف اجسام یعنی نفس، قلب، روح، سرّ وغیرہ کے لیے باعثِ شفا اور رحمت ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنیٓ اسرآئیل ۱۷ : ۸۲)۔ (ترجمہ) ہم قرآن میں جو آیتیں نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے ظاہری اور باطنی شفا اور رحمت کا باعث ہوتی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کا تمام قرآن مع جملہ مختلف اسماو آیات ایک بڑا بھاری شفا خانہ ہے جن میں طرح طرح کی ظاہری اور باطنی امراض کے لیے تیر بہدف اور کارگر دوائیاں موجود ہیں۔ بشرطیکہ وہ پاک زبان اور طاہر جسم سے اس طرح ادا ہوں کہ ان میں وہ حقیقی اور اصلی نور یعنی وہ ازلی اور فضلی امر جو اس کا مبدأ فیض ہے جلوہ گر ہو۔ سو دنیا کی تمام جمادی، نباتی، معدنی اور حیوانی دوائیوں میں اصل شفا اور ازالۂ مرض کا موجب اس کا لطیف بخار، جوہر اور روح ہوتا ہے جو اس میں قدرت نے روزِ ازل سے ودیعت کر رکھی ہے اور وہ اس اسم اور تسبیح کا نور ہوتا ہے جو روزِ اوّل اور یومِ ازل سے اس چیز کا ظاہری اور باطنی ورد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ٥ (الجمعۃ ۶۲ : ۱)۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمانوں کے اندر ہے سب اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح پڑھتے ہیں اور دوسری جگہ آیا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنیٓ اسرآئیل ۱۷ : ۴۴)۔ اور کوئی ایسی چیز دنیا میں نہیں ہے جو اس کی تسبیح نہ پڑھتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو معلوم اور محسوس نہیں کرتے۔ غرض ہر دوائی

میں گرمی و سردی اور رطوبت و خشکی اور جملہ مفید ترقیاتی تاثیرات کا باعث اور موجب وہ کلمات طیبات اور اسما الٰہی ہوتے ہیں جو ان اشیا کا باطنی اور دائمی ورد ہوتا ہے۔ اور وہ اس دوائی کی جان اور روحِ رواں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مرورِ زمانہ سے کچھ عرصہ پڑا رہنے سے اس کا لطیف بخار اور جوہر اوکسائڈ ہو کر اڑ جاتا ہے اس کے بعد اس دوائی کے استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ غرض یہی کلماتِ طیبات اور اسمائے الٰہی جن کا نور دواؤں کی روحِ رواں اور باعثِ شفائے امراضِ جسم و جاں ہے اگر پاک زبان سے براہ راست اور بلاواسطہ طور پر پڑھی جائیں تو وہ ان دواؤں کی روح کی صورت اختیار کر کے باعثِ شفا امراض ہو جاتے ہیں۔

علاج ہومیوپیتھی کے موجد جرمنی کے مایہ ناز ڈاکٹر سموئیل ہانیمن اپنے علاج کے اصول میں لکھتے ہیں کہ مرض شروع میں اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے تمام جسم یا اس کے کسی عضو کی روحانی قوت کسی بیرونی زہریلی برقی قوت سے جو ہمارے چاروں طرف موجود ہے ماؤف ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ اثر ہمارے جسمِ کثیف میں بھی کسی خاص تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور ہمارا جسم اس سے متاثر ہو کر بیمار ہو جاتا ہے۔ سو ہر مرض کا آغاز روحانی ہوتا ہے اور دوائی کا روحانی اثر اسے زائل بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ خاص مفید ادویہ کو کثیف سے لطیف تر بنا بنا کر اور ہومیوپیتھی کے بنیادی اصول کے مطابق چھانٹ چھانٹ کر دینے سے مرض کا ازالہ کرتے ہیں۔ چنانچہ دوا کی بہت تھوڑی اور لطیف تر مقدار دی جاتی ہے۔ اور سیال دوا کو الکحل میں ملا کر ہلانے اور خشک دوا کو بار بار کھرل کرنے سے لطیف تر بنا بنا کر اس کی روحانی لطیف طاقت کو بڑھایا جاتا ہے۔ اس طرح اس کا لطیف جوہر موجبِ شفائے امراض بن جاتا ہے۔

مغربی طِبّ اور ڈاکٹری کو بھی علمِ سائنس کی موشگافیوں اور دقیق آرائیوں پر بہت ناز ہے کہ سائنس اور کیمسٹری کے ذریعے طِبّ اور ڈاکٹری کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے اور طرح طرح کے لمبے چوڑے دعوے پیش کیے جاتے ہیں کہ سائنس اور ڈاکٹری ایک دن دنیا سے تمام امراض کا قلع قمع کر دے گی اور مغرب کے بہت ڈاکٹر دن رات طولِ حیات اور بقائے شباب کے مسئلے پر سر کھپا رہے ہیں اور غدود کی تبدیلی اور ہارمون (HORMONE)

کے اجراء سے دوامِ حیات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور مادے کے بحرِ ظلمات میں آبِ حیات کی تلاش اور جستجو میں اندھوں کی طرح بے فائدہ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ غدود کی تبدیلی سے ہم انسان کو کبھی مرنے نہیں دیں گے اور اسے خضر کی طرح دائمی زندگی عطا کریں گے۔ لیکن ان کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ ابھی تک تو ان بچاروں نے کئی مہلک امراض مثلاً طاعون، ہیضہ، دق، سل، استسقاء، جذام، سرطان، دمہ اور ذیابیطس کے لیے بھی کوئی کارگر اور تیر بہدف دوا یا علاج پیش نہیں کیا۔ جب ہم یورپین بادشاہوں کو پچاس ساٹھ برس کی چھوٹی عمر میں دنیا کے تمام بڑے بڑے نامور ڈاکٹروں کے علاج معالجے اور سعی و کوشش کے باوجود معمولی امراض سے چند دنوں میں راہیٔ ملکِ عدم ہوتے دیکھتے ہیں تو اس الحادی دورِ جدید کی تمام باطل آرائی اور ہرزہ سرائی کا پول کھل جاتا ہے۔ حالانکہ بادشاہوں کی صحت اور بقائے زیست کی نگرانی کے لیے ماں کے پیٹ سے لے کر بڑھاپے تک ہر وقت اور ہر آن بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر تعینات رہتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے اور رہنے سہنے میں ہر طرح پوری پوری احتیاط برتی جاتی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی جاتی۔ لیکن پھر بھی ڈاکٹروں کی آنکھوں کے سامنے چند دنوں کے اندر معمولی امراض سے مر جاتے ہیں۔ اور دنیا کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹر اور معالج بے بسی کی حالت میں دیکھتے رہ جاتے ہیں اور وہ نہایت بے کسی کی حالت میں گذر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قوی، قاہر، قدرتی ہاتھ کو جو کام کرنا منظور ہوتا ہے مادے کی ضعیف آستین اسے روک نہیں سکتی۔ روح کا لطیف پرندہ قفسِ عنصری سے پرواز کر کے فضائے آسمانی میں پرواز کر رہا ہوتا ہے اور بچارے ڈاکٹر اور حکیم اس کے سائے کو زمین پر پکڑنے کی بے سود کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

اس کے خلاف روحانی طب کے ماہرین یعنی انبیا اور اولیا نے اپنے زمانے میں روحانی حکمت اور باطنی طب کے وہ محیر العقول کارنامے اور حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں کہ اگر ڈاکٹر اور اہلِ سائنس انہیں دیکھ پائیں تو انگشت بدنداں رہ جائیں۔ چنانچہ روحانی حکمت کے ذریعے پیغمبروں نے مردے جلائے۔ کوڑھی، جذامی، اندھوں، اپاہجوں، لولوں، لنگڑوں اور مجنونوں کو ہاتھ لگانے سے ایک دم میں اچھا اور تندرست کیا۔ تخلیقِ حیات کے

نہایت پیچیدہ اور دقیق مسئلے کے حل میں دانایانِ فرنگ کی عقلیں دنگ ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اور کیچڑ کے پرندے اپنے روحانی دم سے فضا میں اڑا کر آج سے دو ہزار سال پہلے تخلیقِ حیات کا حل پیش کر دیا تھا۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمام جن اور انس جمع ہو جائیں اور میری سب سے ناچیز اور حقیر مخلوق مکھی کی مثال بنانے کی کوشش کریں تو وہ ہرگز ایک مکھی نہیں بنا سکیں گے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا لے جائے تو تمام جن و انس اس سے وہ چیز واپس نہیں لے سکیں گے طالب اور مطلوب ہر دو میری قدرت کے سامنے عاجز و ناتواں ہیں۔ افسوس! کہ نادان انسان نے اللہ تعالیٰ کی قدر جیسا کہ چاہیے تھی، نہیں جانی اور اپنی تھوڑی سی مادی عقل اور حکمت پر اس قدر فریفتہ اور نازاں ہے کہ اپنے خالق اور مالک کو بھلا بیٹھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صحیح پتہ اور نشان کچھ اللہ والوں سے ہی ملتا ہے۔ اور ان خاصانِ خدا ہی کو کچھ اس پاک مقدس ذات کی شان اور قدر معلوم ہو سکتی ہے۔ اقبال مرحوم نے کیا اچھا کہا ہے:

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی — الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی — نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو — یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو — کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

آج کل کا مغرب زدہ کلامِ الٰہی کے شفائی اثرات کا قائل نہیں اور نہ ہی بزرگوں کے دم اور تعویذ کی معالجاتی افادیت کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ لوگ دوائی، علاج اور ڈاکٹروں کی فیسوں پر ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ لیکن روحانیوں کی دعا اور دم پر ایک پائی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بعض نادان دم، تعویذ اور کلامِ الٰہی کی شفائی افادیت کو نفسیاتی اثرات سے تعبیر کر کے اپنی کور باطنی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

میں نے ایک زمیندار کا ذکر سنا کہ اس کے ایک تازی کتے کی انگلی کی موہ خرگوش کے پیچھے دوڑنے سے نکل گئی۔ یہاں کے ایک سلوتری کے ذریعے علاج کرایا گیا لیکن کارگر ثابت نہ ہوا۔ آخر کتے کو ہوائی جہاز کے ذریعے علاج کے لیے ولایت بھیج دیا گیا۔ چنانچہ دو ہزار روپیہ آنے جانے کا خرچ آیا اور پانچ ہزار روپیہ وہاں کے ڈاکٹر کی فیس ادا کی گئی۔ تب

جا کر ملک صاحب کے کتے کی انگلی درست ہوئی۔ اگر کوئی خدا کا بندہ ان کو اللہ تعالیٰ کے کلام یا دعا یا خیرات صدقات وغیرہ کی طرف دلالت کرتا تو جھٹ بڑبڑا اٹھتے کہ یہ تو نرا شرک اور توہم ہے۔ ان دل کے اندھوں کو پتہ نہیں کہ جب ظاہری دوائیوں سے تمتع اور فائدہ اٹھانا جائز ہے تو باطنی روحانی دوائیوں اور علاج سے فائدہ اٹھانا تو بدرجہا بہتر اور انسب ہے۔ لیکن جن لوگوں کی کمائی حرام اور ظلم کی ہو وہ کیوں نہ کتے کی ایک انگلی کے علاج پر سات ہزار روپیہ خرچ کریں۔ خدا جانے اپنی جان کے علاج پر کس قدر روپیہ ضائع کرتے ہوں گے۔ لیکن اللہ کی راہ میں ایک پائی تک خرچ کرنا گوارا نہیں کر سکتے۔

تو نگران صلائے احسان نہ دہند — جز حالتِ تپ نان بہ فقیران نہ دہند
این طائفہ سوختنی ہمچون تنور — تا گرم نہ گردند بہ کس نان نہ دہند
(عمر خیام)

دنیا کے تمام علم الآفاق والانفس میں سے مذہب بہت بڑا راز ہے اور مذہب کے تمام معارف اور اسرار ایک موت کے سربستہ راز میں مخفی اور پنہاں ہیں۔ جس نے موت کے سرِّ عظیم کو کھول لیا اس نے گویا مذہب اور روحانیت کے تمام حقائق کو پا لیا۔

موت کی دو قسمیں ہیں: ایک موت ظاہری و جسمانی، دوم موت باطنی و روحانی جسے سُرخ موت بھی کہتے ہیں۔ جب عارف سالک نور اسم اللہ ذات کے ذریعے سے اسی زندگی ہی میں نفس کے حیوانی و شیطانی اخلاقِ ذمیمہ سے باہر آ کر ملکوتی صفاتِ حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے تو اس کا جثۂ قلب مرغِ لاہوتی کی طرح نفس کے بیضۂ ناسوتی کو توڑ کر صحیح سلامت طفلِ معنوی کی طرح باہر آ جاتا ہے۔ تو گویا بمقتضائے مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا موت سے پہلے معنوی طور پر مر جاتا ہے۔ ایسی موت مطلق مُراد اور کامل حیات ہے۔ ایسا عارف کامل زندہ دل آدمی جان کندن، مقامِ برزخ، قبر، حشر نشر، پل صراط اور دخولِ جنت کے تمام برزخی اور اخروی حالات اور مقامات کو زندگی میں طے کر لیتا ہے۔ ایسا عارف کامل اس روحانی جثّہ کے ذریعے روحانی اہل القبور اور جن ملائکہ تمام غیبی لطیف مخلوق سے ہم سخن اور ہم کلام ہو سکتا ہے۔ اور جب چاہے باطن میں روحانیوں سے ملاقات کر کے ان استفادہ کر سکتا ہے۔ اور چونکہ عارف کامل موت کے درمیانی برزخی پُل کو زندگی میں عبور کیے ہوئے

ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا عارف کامل موت کے بعد بھی اس مادی دنیا میں آ کر زندہ لوگوں سے جب چاہے ملاقات کر سکتا ہے اور فیض و برکت پہنچا سکتا ہے۔ غرض عارف کامل ظاہری موت سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کے نور سے ابد الآباد تک زندۂ جاوید ہو کر رہتا ہے۔

ہم پچھلے صفحوں میں قرآنی سورتوں کے ساتھ دعوت پڑھنے کے کچھ طور طریقے بیان کر آئے ہیں۔ اب یہاں کچھ تصورات اور علمِ دعوت کے مزید طریقے بیان کرتے ہیں۔ چونکہ نفسانی صاحبِ غرض لوگ ان دعوتوں کو اپنی نفسانی اور دنیوی اغراض و مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔ اس لیے ان باطنی کارگر ہتھیاروں پر باطنی روحانی افسروں کا کنٹرول رہتا ہے۔ جب تک ان باطنی افسروں سے کسی کے لیے کلام کے عمل کے بارے میں پرمٹ اور لائسنس جاری نہ ہو جائے اس کلام کا عمل جاری اور رواں نہیں ہوتا۔ اس طرح نااہل نفسانی لوگوں سے یہ ہتھیار محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ تمام دعوتوں اور عملوں کی کلید اور کنجی تصور اسم اللہ ذات اور تصور اسم محمد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جب تک کسی طالب کا وجود اسم اللہ ذات اور اسمِ محمد سرورِ کائنات صلعم میں طے نہ ہو جائے اور اِسمین کے نور سے طالب کا دل زندہ نہ ہو جائے طالب سے کوئی عمل اور دعوت جاری نہیں ہوتی۔ پس طالب کو چاہیے کہ ابتدائی خام نا تمام حالت میں دعوت پڑھنے کی جرأت نہ کرے۔ جب تک وجود کو پہلے تصورات کے ذریعے پختہ، زندہ اور تابندہ نہ کر لے۔ پس طالب کے وجود میں سات باطنی لطائف ہیں اور ان کے زندہ اور تابندہ و بیدار کرنے کے لیے یہ سات اسما بمنزلہ کلیدات اور کنجیوں کے ہیں۔ اسما یہ ہیں: اللّٰہ، للّٰہ، لہ، ھو، محمدؐ، فقر۔ اور ان چھ اسما کے حروف اٹھارہ ہیں۔ اور اٹھارہ ہزار مخلوقات ان اٹھارہ حروف کی قید و تسخیر اور تصرف میں ہے۔ ان اسما کی آبیاری کلمۂ طیب کے پڑھنے سے ہے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اسی کے مطابق حضرت سلطان العارفینؒ کا پنجابی بیت ہے۔ اور مرشدِ کامل بمنزلۂ مالی اور باغبان کے ہے اور آخر میں جب سالک عارف مقامِ منتہی کو پہنچ جاتا ہے تو کلمۂ طیب بھی نوری حروف سے اس کے اندر مرقوم اور منقش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتوں لطائف ان ساتوں کلمات کے انوار سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ ان کلمات کا نقش مرقوم وجود یہ ہے:

اَللّٰہُ	لِلّٰہ	لَہٗ
ھُوْ	مُحَمَّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	فقر
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ		

پس طالب کو چاہیے کہ پہلے پہل ان چھ اسما کا تصور کرے۔ یعنی فکر اور خیال کی انگلی سے ان اسما کو باری باری مرشد کی ہدایت اور تلقین کے مطابق اپنے اندر تحریر کرے۔ اور ساتھ ساتھ دل سے کلمۂ طیب پڑھتا رہے۔ کلمۂ طیب پڑھنے کے بھی طالب کی استعداد کے مطابق مختلف طریقے ہیں اور مذکورہ بالا اسما میں سے بعض اسما بعض طالبوں کے مزاج اور استعداد کے موافق ہوتے ہیں۔ اور طالب کے جسم میں بھی بعض خاص مقامات ہیں جہاں ان کا تصور آسان اور سہل ہوتا ہے۔ سو ان اسما کا انتخاب مُرشد مربی کا کام ہے۔ یا طالبِ صادق اپنی فراست اور بار بار مشق کے تجربے سے تصور کا کوئی آسان طریقہ اپنے لیے نکال لیتا ہے۔ ایسے کامل طالب کے معاملے میں مرشد بہت تردد نہیں کرتا۔ سو تصور کے لیے طالب ان چھ اسما کو اختیار کرے: اللّٰہ، لِلّٰہ، لَہٗ، ھُوْ، مُحَمَّدٌ، فقر۔ یعنی اپنے خیال میں شہادت کی انگلی کو قلم بنائے اور اسما مذکورہ بالا میں سے کسی اسم کو اپنے اندر مرقوم اور تحریر کرے اور ساتھ ہی دل سے کلمۂ طیب پڑھتا جائے اور اگر ساتھ ہی ذکرِ کلمۂ طیب میں پاس انفاس کا طریقہ اختیار کرے تو اور بہتر ہے۔ یعنی جب سانس اندر لے جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اور جب سانس باہر نکالے تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے۔ یا ابتدا میں صرف نفی اثبات پر اکتفا کرے۔ یعنی جب سانس اندر لے جائے تو لَآ اِلٰہَ کہے اور جب سانس باہر نکالے تو اِلَّا اللّٰہُ کہے۔ اس میں پہلے کی نسبت آسانی ہوتی ہے۔ اور اگر اس سے ذکر میں اور زیادہ آسانی چاہیے تو سانس اندر لے جانے کے وقت صرف اَللّٰہ کہے اور سانس باہر نکالتے وقت ھُوْ کہے اور اللہ ھو کے ذکر سے پاس انفاس کرے۔ اس طرح کا پاس انفاس بہت آسان رہتا ہے۔ سو اس طرح کے مشقِ تصور اور ذکرِ پاس انفاس سے جس وقت طالب کا باطن زندہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد طالب دعوت پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور دعوت کا عمل اس سے جاری اور رواں ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ تصور کرتے وقت حبسِ دم بھی بہت مفید پڑتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب آلتی پالتی مار کر مربع ہو کر قبلہ رخ بیٹھے جب کہ معدہ

طعام سے اور دل غیر ماسوئی خیالات اور تفکرات سے خالی ہو اور اسم اللہ ذات اور اسمِ حضرت سرورِ کائنات صلعم کا تصور اور مشق کرے۔ اور سانس اور دم کو بند کرے اور ایک دم میں جتنی دفعہ اسم پر تفکر کی انگلی پھر جائے اتنی دفعہ کلمۂ طیب یا اللہ ھو دل سے ادا کرے۔ اثنائے ذکر میں نہ زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے اور نہ سانس نکالے اور ہر بار وہ انگلیوں سے مشقِ تصور اور ذکر کی تعداد شمار کر کے اس سے بڑھاتا جائے۔ اس سے طالب بہت جلدی کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور یہ ذکر اور تصور کا بہترین طریقہ ہے۔ اس کے بعد اسمائے صفات یعنی نو دو نہ (۹۹) نام باری تعالیٰ کے تصورات اور دعوات کی نوبت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے صفات سالک سے جاری اور رواں ہوتے ہیں۔ جس وقت سالک کا وجود اسم اللہ ذات میں طے ہو جاتا ہے چونکہ تمام اسمائے صفات اسم اللہ ذات کی شاخیں اور اسی ذاتی اسم کا عکس ہیں لہٰذا طالب کا وجود ہر اسمِ صفاتی میں باری باری طے ہو جاتا ہے اور ہر اسم کے نور سے زندہ اور سیراب ہوتا ہے۔ اور ہر اسم کا نور اس کے باطنی طفل معنوی کی غذا بن جاتا ہے۔ اور سالک کے اندر تمام اسمائے صفات نوری حروف سے مرقوم ہو جاتے ہیں اور وہ تمام اسمائے صفات کا عامل بن جاتا ہے اور ہر اسم کا عمل سالک سے جاری اور رواں ہو جاتا ہے۔ کہنے کو تو یہ بات آسان معلوم ہوتی ہے لیکن عملاً یہ کام بہت مشکل اور دشوار بلکہ محال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر اسم کے عمل کے تحت ایک لازوال باطنی ولایت موجود ہے اور اس ولایت میں بے شمار مؤکلات متعین ہیں جو اس اسم کے خادم ہیں اور وہ سب اس عامل کی خدمت پر مامور ہو جاتے ہیں اور اس کا حکم بجا لاتے ہیں۔ ان اسما کو اگر زبانی طور پر پڑھا جائے یعنی ان کی دعوت دی جائے تو دعوت شروع کرنے سے پہلے هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ (الحشر ۵۹ : ۲۲) ضرور ایک دفعہ پڑھنا چاہئے۔ اور ہر اسم کے ساتھ حرفِ ندا یعنی 'یا' پڑھا جائے مثلاً اس طرح پڑھا جائے یَا اللّٰهُ، یَا رَحْمٰنُ، یَا رَحِیْمُ، یَا مَالِکُ، یَا قُدُّوْسُ الخ اور اگر ان اسما کا تصور کیا جائے تو پھر حرفِ ندا 'یا' لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ذیل میں ہم ان اسماء الحسنٰی کا نقشہ دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض خاص خاص اسما کی مختصر خاصیت اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بیان کرتے ہیں:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اَللّٰهُ	رَحْمٰنُ	رَحِیْمُ	مَلِكُ	قُدُّوْسُ	سَلَامُ	مُؤْمِنُ
مُهَیْمِنُ	عَزِیْزُ	جَبَّارُ	مُتَكَبِّرُ	خَالِقُ	بَارِئُ	مُصَوِّرُ
غَفَّارُ	قَهَّارُ	وَهَّابُ	رَزَّاقُ	فَتَّاحُ	عَلِیْمُ	قَابِضُ
بَاسِطُ	خَافِضُ	رَافِعُ	مُعِزُّ	مُذِلُّ	سَمِیْعُ	بَصِیْرُ
حَكَمُ	عَدْلُ	لَطِیْفُ	خَبِیْرُ	حَلِیْمُ	عَظِیْمُ	شَكُوْرُ
عَلِیُّ	كَبِیْرُ	حَافِظُ	مُقِیْتُ	حَسِیْبُ	جَلِیْلُ	كَرِیْمُ
رَقِیْبُ	مُجِیْبُ	وَاسِعُ	حَكِیْمُ	وُدُوْدُ	مَجِیْدُ	بَاعِثُ
شَهِیْدُ	حَقُّ	وَكِیْلُ	قَوِیُّ	مَتِیْنُ	وَلِیُّ	حَمِیْدُ
مُحْصِیُ	مُبْدِئُ	مُعِیْدُ	مُحْیِیُ بَرُّ	مُمِیْتُ	حَیُّ	قَیُّوْمُ
وَاجِدُ	اَحَدُ	صَمَدُ	وَاجِدُ	جَوَّادُ	قَادِرُ	مُقْتَدِرُ
مُقَدِّمُ	مُؤَخِّرُ	اَوَّلُ	اٰخِرُ	ظَاهِرُ	بَاطِنُ	وَالِیُ
مُتَعَالِیُ	تَوَّابُ	مُنْتَقِمُ	عَفُوُّ	رَؤُفُ	مٰلِكُ الْمُلْكِ	ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
مُقْسِطُ	جَامِعُ	غَنِیُّ	مُغْنِیُ	مَانِعُ	ضَارُّ	نَافِعُ
نُوْرُ	هَادِیُ	بَاقِیُ	وَارِثُ	رَشِیْدُ	صَبُوْرُ	صَادِقُ الْوَعْدِ

بعض عامل پڑھتے وقت ہر اسم پر الِ تعریف کا بڑھا دیتے ہیں جیسا کہ سورہ حشر کے آخری رکوع میں قرآن کے اندر اللہ تعالیٰ نے اسماء الحسنیٰ کا بیان فرمایا ہے۔ قولہٗ تعالیٰ: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ (الحشر ۵۹ : ۲۳) یعنی ہر اسم پر الؔ بڑھا کر اور سب کو ملا کر اس طرح پڑھتے ہیں اَللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الخ

ان اسما کے پڑھنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ہر اسم صفات کے ساتھ بطور امدادی اسم ذات ملا کر پڑھتے ہیں۔ اس سے اسم صفات کو اسم ذات کی مدد ملتی ہے اور اس کا عمل جلدی جاری ہو جاتا ہے۔ مثلاً یَااللّٰهُ یَا رَحْمٰنُ، یَااللّٰهُ یَا رَحِیْمُ، یَااللّٰهُ یَا مَلِکُ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ قولہٗ تعالیٰ: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل ۱۸ : ۱۱۰)۔ ان اسمائے صفات کے پڑھنے کے مختلف طور طریقے ہیں اور ہر اسم کی الگ خاصیت ہے۔ اور ان کے پڑھنے کے الگ اعداد ہیں۔ ان میں بعض اسما جلالی ہیں۔ ایسے اسما عداوت اور مقہوری و ہلاکتِ اعدا کے لیے بہت موثر ہیں۔ اور بعض اسما جمالی ہیں جو الفت اور محبت اور تسخیر کے کام میں بہت کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ بعض اسما کمالی ہیں ان سے دوسرے متفرق کام نکلتے ہیں جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ بعض لوگ اس قسم کے قیمتی اسرار کے اظہار میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ واقعی نااہل اور نالائقوں کے ہاتھ میں تلوار دینا یا انہیں خزانہ سونپنا خطرناک کام ہے۔ لیکن ہم نے یہاں جو کچھ بیان کیا ہے وہ دنیا میں نہایت قیمتی معلومات اور بیش بہا عملیات ہیں۔ ہر اسم کے الگ الگ حروفی اور عددی نقوش ہوتے ہیں۔ اگر وہ علم جفر کے قانون اور قاعدے کے موافق لکھے جائیں تو ان میں عجیب وغریب تاثیرات پائی جاتی ہیں۔ اور ان سے مشکلات میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسما کے مزاج جس طرح مختلف ہیں اسی طرح پڑھنے والوں کے مزاج بھی الگ ہیں۔ سو اگر کسی شخص کو مزاج کے موافق اسما مل جائیں اور ان اسما کا عمل اس سے جاری ہو جائے تو گویا اس شخص کو سعادتِ دارین اور کلیدِ گنج کونین حاصل ہوگئی ہے۔ کسی شخص نے بایزید بسطامیؒ سے سوال کیا کہ مہربانی کر کے مجھے اللہ تعالےٰ کا اسمِ اعظم یعنی بڑا

اسم بتادو۔ آپؒ نے فرمایا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم اصغر یعنی چھوٹا اسم بتادو تو میں تمہیں اسمِ اعظم بتادوں گا۔ غرض اللہ تعالیٰ کے تمام اسما بڑی شان والے اور اعظم ہیں بشرطیکہ پڑھنے والے کا وجود اور اس کی زبان پاک اور اعظم ہو تب اس اسم کا عمل جاری ہوتا ہے۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ تمام قرآن کریم ایک شجرِ طیبہ کی طرح ہے اور اس میں مختلف سورتیں آیتیں شاخوں اور ڈالیوں کی طرح ہیں اور ان میں اسماء الحسنیٰ پھلوں کی طرح ہیں اور اس تمام شاخ اور ٹہنی کی قدر و قیمت اس پھل کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس میں لگا ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اس تمام درخت سے حاصل ہوتا ہے اس ایک پھل اور شاخ سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ تمام قرآن سورۂ فاتحہ یعنی الحمد شریف میں مندرج ہے اور الحمد شریف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور بسم اللہ اسم اللہ میں مندرج، داخل اور شامل ہے۔ اور نیز سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی کی فضیلت سے احادیث کی کتابیں معمور ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ حدیث ہے کہ ملائکہ اور فرشتے جہاں کہیں آیت الکرسی لکھی ہوئی دیکھتے ہیں تو ادب اور تعظیم کی وجہ سے اس جگہ ہاتھ باندھ کر صف در صف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سو دین کے دانشمندوں اور داناؤں نے ان احادیث سے یہ راز منکشف کیا ہے کہ الحمد شریف اور بسم اللہ شریف کو شرافت اور کرامت ان تین اسمائے عظام اللہ، رحمٰن اور رحیم سے ہے۔ اور آیت الکرسی کو فضیلت ان دو اسما یعنی اسم حیی اور قیوم سے ہے۔ سو اگر ان اسمائے خمسہ کو یکجا کر کے ورد کیا جائے تو تمام قرآن کے فضائل اور تمام اسماء الحسنیٰ کی برکات اور فیوضات اس سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ سو وہ اسمائے خمسہ یہ ہیں: یَا اَللّٰهُ، یَا رَحْمٰنُ، یَا رَحِیْمُ، یَا حَیُّ، یَا قَیُّوْمُ۔ ان اسما کے پڑھنے میں عجیب وغریب برکات دیکھنے میں آئی ہیں۔ اگر طالب صدقِ دل اور ادب و احترام سے ان اسمائے عظام کو پڑھے گا تو یہ ورد اسے دنیا و آخرت میں بے نیاز اور لایحتاج بنا دے گا۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے روزانہ عشا کی نماز کے بعد پانچ سو دفعہ پڑھے اور پچھلے اسم یَا حَیُّ میں یا کی تشدید کی دل میں حبسِ دم کے ساتھ ضرب لگائے اور اسم یَاقَیُّوْم کو دماغ کے گنبد میں پوری گونج کے ساتھ ادا کرے۔ اس طرح کرنے سے ابتدا ہی میں ذاکر کے دل اور دماغ میں عجیب سرور

اور لذت پیدا ہوتی ہے اور رقت جاری ہوتی ہے اس ورد کو پڑھنے سے ابتدا میں مؤکلات خواب کے اندر ذاکر کو اس کے کاروبار کے متعلق طرح طرح کی بشارتیں دیتے ہیں۔ بعدہٗ نیم خواب و نیم بیداری میں اور آخر میں علانیہ بیداری کی حالت میں صاحبِ ورد کو مستقبل کے حالات سے کئی طریقوں سے آگاہی بخشتے ہیں اور اس کے ہر کام میں امداد اور معاونت کرتے ہیں۔ گاہے کسی کام کی کامیابی کا نقش پیش کرتے ہیں کبھی آواز اور الہام کے ذریعے اطلاع دیتے ہیں اور کسی وقت دل میں صحیح وہم اور خیال کے ذریعے اطمینان اور تسلی بخشتے ہیں۔ غرض اس ورد پر مواظبت کرنے والا دین اور دنیا میں کامیاب رہتا ہے۔ اور اس کی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پوری ہوتی رہتی ہیں۔

بعض بزرگانِ دین نے اسم یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ کو اسم اعظم بتایا ہے اور خالی اسے روزانہ ورد کرنے سے دارین میں کامیاب و کامران ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اسم یَا وَھَّابُ میں عجیب تاثیرات اور برکات دیکھی گئی ہیں۔ اس اسم کا ورد کرنے والا بخت اور تختِ سلیمانی میں حصہ دار ہوتا ہے۔ اس کی دعوت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی: قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝ (صٓ ۳۸: ۳۵)۔ مذکورہ بالا ہر دو اسم سعادتِ دارین کے لیے نہایت مؤثر اور کارگر ہیں۔ ان کے پڑھنے کی تعداد ایک ہزار ہے اور عشا کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا اسما کی نسبت حضرت محبوب سبحانی قطبِ ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز اپنے ایک قصیدے کے اندر ارشاد فرماتے ہیں:

اَلطَّلَبُ اَنْ تَکُوْنَ کَثِیْرُ مَالٍ   وَیَسْمَعُ مِنْکَ دُمْ فِیْ کُلِّ قَالٍ

وَمِنْ کُلِّ النِّسَاءِ تَرٰی وَرَاءٍ   تَسُرُّ بِہٖ وَمِنْ کُلِّ الرِّجَالِ

وَیَاتِیْکَ الْغِنٰی وَتَرٰی سَعِیْدًا   مَھَابًا مُکْرَمًا مِنْ کُلِّ وَالٍ

وَتَکْفِیْ کُلُّ حَادِثَۃٍ وَّ ضُرًّا   وَتَبْقٰی اٰمِنًا فِیْ کُلِّ حَالٍ

فَقُلْ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ اَلْفًا   مُکَمَّلَۃً عَلٰی عَدَدِ اللَّیَالِ

بِلَیْلٍ اَوْنَھَارٍ قَالَ فِیْھَا   ذَکَرْتَہٗ یَرْخَصُ کُلُّ غَالٍ

وَفِیْ ذِکْرِکَ یَا وَھَّابُ سِرٌّ   یُنَبِّئُکَ مَا تُرِیْدُ مِنَ السُّؤَالِ

وَتَکْبُرُ عِنْدَ کُلِّ النَّاسِ طُرًّا   وَتَقْبِضُ بِالْیَمِیْنِ وَ بِالشِّمَالِ

فَلَازِمْ مَاذَکَرْتُہٗ وَلَا تَدَعْہُ   فَتَفْضُلُ تَبْلُغُ الرُّتَبَ الْعَوَالِ

ان ابیات کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ اگر تو چاہے کہ تو بڑا مالدار بن جائے اور تمام لوگ مرد و زن اور چھوٹے بڑے تیری عزت اور تعظیم کریں اور تجھ سے پیار اور محبت کریں اور تو زمانے کے ہر بڑے حادثے اور آفتوں سے محفوظ اور مامون رہے تو تو یہ دو اسما یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ ہر روز ہزار دفعہ ورد کیا کر۔ اور اگر اسی طرح تو اسم یَا وَھَّابُ کا ورد کرے گا تو تو اس اسم کی برکت سے لوگوں میں بڑا معظم اور مکرم بن جاوے گا۔ اور تمام لوگ تیری خدمت پر مامور ہو جائیں گے اور تو ان سے دائیں بائیں ہر قسم کے نذرانے اور تحفے تحائف وصول کرے گا اور لایحتاج ہو جائے گا۔

اسم بُدُّوْح کا ذکر اکثر کتابوں میں آیا ہے اور حضرت سلطان العارفینؒ نے بھی اپنی کتابوں میں جا بجا اس اسم کا ذکر کیا ہے۔ اس اسم کی تاثیر بھی عجیب دیکھی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ علم جفر والوں کا اختراعی اسم ہے۔ یہ اسم اعداد زوج در زوج یعنی جوڑے دار ہے اور اس کے حروف کے عدد ب، د، و، ح (۲+۴+۶+۸) کل بیس عدد ہوتے ہیں اور اس اسم وَدُوْدُ کے حروف کی تعداد بھی بیس ہے اور یہ اسم محبت اور تسخیر کے واسطے بہت مؤثر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم توریت کا اسم اعظم ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سامری کے فتنے کے بعد جو بھگوڑے مصر سے بھاگ کر ہندوستان آ گئے تھے انہوں نے یہاں گوسالہ پرستی کو رواج دیا تھا اور یہ اسم بھی اس زمانے کے عامل اپنے ہمراہ مصر سے ہندوستان لے آئے تھے۔ اور بدھ مذہب کے بانی مبانی ساکی منی گوتم بدھ نے اس اسم بُدُّوح کے عمل کا طریقہ اس زمانے کے کسی عامل سے سیکھ لیا تھا اور اس اسم کی دعوت کو جنگل میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا جس سے ان پر اس اسم کا نور متجلی ہو گیا تھا اور اس اسم کے نور سے اس کا وجود منور ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے اسی نام کے مطابق اپنا نام بدھ رکھ لیا تھا اور اس کے ذریعے بہت خوارق ان سے ظاہر ہوئے اور اس کا طریقۂ دین اور مذہب اس زمانے میں خوب پھلا اور پھولا۔ اور چین، جاپان، برما، لنکا، تبت اور جنوبی ہندوستان میں

اس دین کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اس کے پڑھنے کے بے شمار طریقے ہیں اور اس کے روزانہ پڑھنے کی تعداد دو ہزار چار سو اڑسٹھ (۲۴۶۸) ہے۔ اس کے مثلث نقش بست در بست کو حبّ کے شائقین کیمیا کی طرح تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب حق نماء اردو میں اس اسم کا کچھ ذکر کر دیا ہے اور اس کے چند مثلث بست در بست نقوش بھی درج کر دیئے ہیں۔ جب کسی عامل سے اسم بدوح کا عمل جاری ہو جائے تو اس سے عجیب وغریب کرامات اور خوارق جاری ہو جاتے ہیں اور وہ تمام جہان کو گرویدہ بنا لیتا ہے۔ لیکن جائے کہ گنج است آنجا مار است۔ اس کا عمل جان جوکھوں کا کام ہے۔ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کوئی جانباز طالب اس عمل میں کامیاب ہوتا ہے۔

نیز ظاہری اور باطنی غنا اور کشائشِ رزق کے واسطے اسم یَاغَنِیُّ یَامُغْنِیُ بھی بہت موثر اور کارگر دیکھا گیا ہے۔ اسے بھی ہزار دفعہ پڑھا جاتا ہے اس کے پڑھنے سے انسان جلدی مستغنی اور لا یحتاج ہو جاتا ہے۔ عمل تسخیر کے لیے اسم یا سطیع بھی کیمیا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

قرآنی سورتوں کے عمل کے بارے میں ہم پچھلے صفحوں کے اندر بہت کچھ لکھ آئے ہیں۔ یہاں بھی کچھ درج کیے دیتے ہیں۔ لیکن سوائے کسی عامل کامل کی اجازت اور نگرانی کے بغیر کوئی عمل جاری نہیں ہوتا بلکہ الٹا پڑھنے والا رنج اور رجعت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

استغنا اور کشائشِ رزق کے معاملے میں سُورۃ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۔۔۔۔۔۔۔الخ کا روزانہ ایک سو دفعہ پڑھنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ سورۂ مزمل کی سب سے آسان زکوٰۃ یہ ہے کہ عروج ماہ میں خمیس کی رات یا دن کو مکمل خلوت کے اندر جلالی اور جمالی پرہیز کے ساتھ دو سو دفعہ پڑھنا شروع کرے اور ہر روز پڑھنے سے پہلے غسل کرے، پاک لباس پہنے اور خوشبو لگائے اور پانچ روز خلوت کے اندر ایک ہزار کی تعداد پوری کرے۔ اور ہر بار سورۂ مزمل شروع کرتے وقت اس سے پہلے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ پڑھے تاکہ رجعت سے محفوظ رہے۔ اس زکوٰۃ کے بعد کم از کم گیارہ دفعہ، متوسط اکیس دفعہ، زیادہ سے زیادہ اکتالیس دفعہ روزانہ ورد رکھے۔ اور اگر تہجد کے وقت پڑھے تو سونا ہے، طلوعِ آفتاب سے پہلے چاندی ہے اور بعد طلوع آفتاب تانبے کی قیمت رکھتا ہے۔ بعض لوگ تہجد کی ہر رکعت میں سورۂ

مزمل ایک بار پڑھتے ہیں۔ اس سے بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ بعض باہمت جوانمرد اور جفا کش طالب ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو تہجد کی گیارہ رکعتوں کے اندر ہر رکعت میں سورۂ یٰسٓ ایک بار اور آخری بارھویں رکعت میں سورۂ مزمل ایک بار پڑھ کر بعد، بیٹھ کر اکتالیس دفعہ سورۂ مزمل پڑھتے ہیں۔

تہجد پڑھنے کا سب سے آسان سہل لیکن بہت مفید طریقہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد آیت الکرسی ایک دفعہ اور قل شریف یعنی سورہ اخلاص تین بار پڑھے۔ اگر کوئی شخص قرآن کا حافظ ہے اور اسے کوئی بڑی بھاری مہم پیش آ گئی ہے کہ وہ کسی طرح حل نہیں ہوتی تو چاہیے کہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کی رات عروجِ ماہ میں ہر رات نفلوں کے اندر تمام قرآن ختم کرے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے غسل کرے اور دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر دوگانے میں ایک پارہ قرآن پڑھے یعنی ہر رکعت میں آدھ پارہ قرآن پڑھے۔ جب بیس رکعتیں اور دس پارے ختم کر ڈالے تو پھر دوسرا غسل کرے اور اسی طرح بیس رکعتوں میں دس پارے پڑھے۔ بعدۂ تیسرا غسل کر کے باقی دس پارے پڑھ کر تمام قرآن ختم کر ڈالے۔ اسی طرح تین راتیں متواتر یہ عمل کرے اس کی مشکل حل ہو جائے گی۔ لیکن ناجائز غیر شرعی فعل کے لیے یہ عمل ہرگز نہ کرے۔

سورۂ مزمل کا ایک نادر عمل اور دعوت اعظم ہے۔ جس شخص سے کسی طرح دعوت جاری اور رواں نہ ہو تو اسے چاہیے کہ آدھی رات کو جنگل میں جائے اور طہارت وغسل کرے اور دس بار درود شریف پڑھے۔ بعدۂ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اکتالیس دفعہ سورۂ مزمل شریف پڑھے اور سو دفعہ یا اللہ کہے اور سو دفعہ استغفر اللہ کہے اور سو دفعہ یا محمد فریاد رس کہے۔ یہ عمل سات رات متواتر کرے انشاء اللہ اس کی ہر مشکل آسان ہو گی اور اس کا دل زندہ ہو جائے گا اور اس کی دعوت کا عمل جاری اور رواں ہو جائے گا۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہونے کی ترکیب یہ ہے کہ جنگل میں کسی درخت کی شاخ سے رسی باندھ لے اور اسے پکڑ کر ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جائے یا اگر کوئی مکان ہو تو اس کی دیوار میں کیل گاڑ کر اور اس سے ڈوری لٹکا کر اسے ایک ہاتھ سے پکڑ لے اور ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جائے اور اگر کچھ بھی پاس نہ ہو تو ایک نیزہ باہر لے جا کر اسے زمین پر گاڑ دے اور اس کے سہارے ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جائے۔ بعض

لوگ ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر ایسا عمل کر لیتے ہیں۔ ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر قرآن پڑھنے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ متمثل اور یکتا ہونے میں تائید اور مدد ملتی ہے۔ اگرچہ حضرت سرور کائنات ﷺ یا صحابہ کبارؓ سے اس قسم کے عمل کا ثبوت نہیں ملتا اور اسے بدعتِ حسنہ کا درجہ دے سکتے ہیں۔ لیکن پچھلے بزرگانِ دین سے یہ عمل ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت محبوبِ سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ میں اپنے حجرے کا کنڈا رات کو پکڑ لیتا تھا اور ایک ٹانگ سے کھڑے ہو کر ایک رات میں تمام قرآن شریف ختم کر لیتا تھا۔ یہ عمل متواتر بارہ سال تک کرتا رہا ہوں اور حضرت امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت مشہور ہے کہ آپؒ نے بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر دو رکعت نفل یوں ادا کیے کہ پہلی رکعت میں بائیں ٹانگ پر دائیں ٹانگ رکھ کر آدھا قرآن ختم کر ڈالا اور دوسری میں دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ رکھ کر تمام قرآن ختم کر ڈالا۔ اور سجدہ میں روتے ہوئے عرض کیا کہ یَا رَبِّ مَاعَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ۔ یہ عمل اور اس قسم کے دوسرے کٹھن عمل پچھلے اولیائے کرام سے ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہدے ریاضت اور سعی کی کوئی حد نہیں۔

اسما الٰہی میں اسم یَاسَطِیْعُ کو تسخیرِ قلوب کے لیے مثل اکسیر شمار کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس اسم کے ہمراہ کچھ ملا کر پڑھتے ہیں جس سے عملِ تسخیر میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ پہلے عاملوں نے بعض اسما اور کلاموں کے ہمراہ مؤکلات کے نام لکھے ہیں جن کے ملانے سے کلام کافی لمبا ہوتا ہے اور مؤکلات بعض قیاسی بعض سماعی اور بعض علم جفر والوں کے اختراعی ہوتے ہیں۔ اور اکثر پرانی عبرانی اور سریانی زبانوں میں وضع کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی صحت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ایسے مؤکلات کے ملانے سے کلام کا اپنا اثر بھی کم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مؤکلات کے بغیر کلام کا پڑھنا بہتر ہے۔ بعض جنتر منتر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اسمائے الٰہی یا بسم اللہ شریف یا سورۂ فاتحہ یا کسی کلام طیبہ کا الٹا کیا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے کلاموں کے پڑھنے سے گو فوری فائدہ مترتب ہوتا ہے اور جن شیاطین اور سفلی ارواح کی حاضرات ہوتی ہے مگر ان کا پڑھنے والا ایمان سے خالی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آیا ہے: مَنْ قَرَأَ لْقُرْاٰنَ مَعْکُوْسًا وَقَعَ فِی النَّارِ مَعْکُوْسًا۔ یعنی جس نے قرآن کو الٹا پڑھا وہ دوزخ

کی آگ میں سر کے بل گرا۔ اسی قسم کا ایک کلام تبت کے جوگیوں اور لاماؤں میں بہت مشہور اور مروج ہے اور وہاں کا ہر سفلی عامل اس کی دعوت ضرور دیتا ہے۔ میں نے جب اس کا تجزیہ کر کے دیکھا تو وہ محمد بن آمنہ کی معکوس اور الٹی صورت ثابت ہوئی (ایسے الٹے کلاموں سے احتراز کرنا چاہیے)

عربی میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہِ الٰہی میں منظور و مقبول شدہ مجرب اور پیٹنٹ دعاؤں کا مجموعہ ہے جسے دعائے سیفی اور حرز یمانی یا حرز الصحابہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے پڑھنے میں بھی عجیب تاثیرات اور انوکھے برکات دیکھے گئے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین اس دعا کے حق میں فرماتے ہیں: ہرگز زبان عالم سیف نہ گردد تا آنکہ عامل دعاء سیفی نزد قبر اولیا اللہ نخواند۔ یعنی جب تک کوئی عامل دعائے سیفی کسی ولی کی قبر کے پاس نہ پڑھے اس کی زبان ہرگز سیف الرحمٰن یعنی اللہ کی تلوار نہیں بنتی۔ حضرت محبوب سبحانی جناب پیر دستگیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اس دعا کو بہت پڑھا ہے اور انہی سے اس کا عمل قادری خاندان میں چلا آتا ہے۔ یہ دعا سیفی ہم نے اپنی کتاب مخزن الاسرار میں درج کی ہے۔

ہم نے حال ہی میں ایک کتاب بنام ''مخزن الاسرار و سلطان الاوراد'' لکھ کر شائع کی ہے اس میں چند نہایت چیدہ اور مجرب اوراد درج کیے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تک بہترین وسائل ہیں۔ ان کے پڑھنے سے طالب جلدی عارف زندہ دل اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقرب، منظورِ نظر اور اس سے واصل ہو جاتا ہے۔ اس میں ایک فارسی کا رسالہ روحی ہے جو ہمارے روحانی مربی حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو قدس اللہ سرہ العزیز کی زبانِ حق ترجمان پر محبوبیت کے انتہائی مقام ناز میں جاری ہوا ہے جس میں اس کے رسالے کے پڑھنے والے کے لیے بہت محکم مواعید اور پختہ مواثیق فرمائے ہیں چنانچہ من جملہ ان مواعید کے ایک یہ ہے کہ ''الحق اگر ولی واصل کہ از رجعت عالم روحانی و یا عالم قدس شہود از درجۂ خود افتادہ باشد اگر توسل بایں کتاب مستطاب جوید آں را مرشدیست کامل، اگر او توسل نہ گرفت و راقم و اگر ما و ازنر سانیم مارا قسم و اگر طالب سلک سلوک معتصم و متمسک شود بجز د اعتصام عارف زندہ دل و روشن ضمیر سازم۔''

(ترجمہ) خدا کی قسم اگر کوئی واصل ولی جو عالم روحانی یا عالم قدس شہود سے رجعت کھا کر گر گیا ہو اگر وہ اس کتاب مستطاب کو اپنا وسیلہ بنائے تو اس کے لیے یہ کتاب مرشدِ کامل ثابت ہوگی۔ اور اگر وہ توسل نہ پکڑے تو اسے قسم۔ اگر ہم اسے اپنے مقام پر نہ پہنچائیں تو ہمیں قسم ہے۔ اور اگر سلک سالک باطنی کا طالب اس رسالہ کے پڑھنے پر ہمیشہ قائم رہے گا تو اسکے محض پڑھنے سے انشاء اللہ زندہ دل اور روشن ضمیر ہو جائے گا۔ یہ تین چار ورق کا چھوٹا سا رسالہ ہے۔ یہ رسالہ طالب مولیٰ کے لیے ایک بہترین اور آسان ترین وسیلہ ہے۔

دوم اس میں صلوٰۃ الکبریٰ ایک افضل اور اعلیٰ ترین درود شریف کا بہت چیدہ اور عمدہ مجموعہ ہے جسے حضرت محبوب سبحانی حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کے ساتھ واصل ہونے اور آپ ﷺ کے حضور میں داخل ہونے کے لیے ایک نہایت سہل اور آسان ترین وسیلہ ہے۔ یہ درود گنج سعادت دارین کی ایک نہایت کارگر کلید اور کامیاب کنجی ہے۔

سوم کتاب مذکور میں حضرت پیر محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ العزیز کے صحیح اور درست قصیدہ غوثیہ اور قصیدہ بازِ اشہب کو شامل کیا گیا ہے۔ اور کتاب مذکورہ مخزن الاسرار وسلطان الاوراد میں ان قصائد کا مکمل حال، ان کا ترجمہ اور شرح دی گئی ہے اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی دیا گیا ہے جو طالب مرید قادری کے لیے ایک غیر مترقبہ نعمت ہے۔ اور ساتھ ہی سلوکِ باطنی کے بے شمار نئے اچھوتے معارف و اسرار اور کامل اکمل بزرگانِ دین کے حالات درج کیے ہیں۔ جس کا مطالعہ طالب تشنہ کے لیے آبِ حیات کا حکم رکھتا ہے۔

اب ہم اخیر میں دعوت القبور کا طریقہ بیان کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ رات کو کسی بزرگ، ولی یا شہید یا غوث وقطب کی قبر پر جاوے اور اس روحانی اہلِ قبر پر مسنون طریقے سے سلام کہے۔ اس کے بعد اہلِ قبر کے حق میں فاتحہ درود پڑھے۔ اس کی ترتیب یہ ہے کہ اول درود شریف پھر فاتحہ یعنی الحمد شریف اور پھر درود شریف ایک بار پڑھے۔ اس کے بعد اخلاص یعنی قل شریف تین بار پڑھ کر اس کا ثواب روحانی کو بخشے۔ اس کے بعد قبر

کے اردگرد اذان یعنی بانگ پڑھے۔ جس طرح نماز کی بانگ پڑھی جاتی ہے۔ اور قبر کے سرہانے قبلہ کی طرف پھرتا ہوا بانگ پڑھے اور پھر سرہانے آ کر بانگ ختم کرے۔ بعدہٗ روحانی کو مخاطب کر کے کہے: یَا عَبْدُ اللّٰہِ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ اُمْدُدْنِی فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ روحانی فوراً حاضر ہو جائے گا۔ اس کے حاضر ہونے کی علامت یہ ہے کہ قبر میں جنبش پیدا ہوگی اور وہ ہلتی ہوئی معلوم ہوگی اور اس سے رعب وجلال ٹپکے گا۔ اور اس کے دیکھنے سے دہشت آنے لگے گی۔ بعدہٗ اہلِ دعوت کو چاہیے کہ قبر کے پاس بیٹھ کر دعوتِ قرآن شروع کرے اور جو کچھ یاد ہو پڑھے۔ قبر پر پڑھنے کے لیے سب سے بہتر دعوت سورۂ مزمل، سورۂ یٰسٓ، سورۂ ملک اور سورۂ انا فتحنا کی ہے۔ سب سے موزوں تر سورۂ مزمل کی دعوت ہے۔ چنانچہ قبر کے قریب بیٹھ کر سورۂ مزمل شریف گیارہ دفعہ پڑھے اور جس وقت روحانی کے متوجہ اور حاضر ہونے کی علامات اور آثار ظاہر ہوں تو اہلِ دعوت کو چاہیے کہ مراقبہ کر کے روحانی کی طرف متوجہ ہو یا وہاں قریب ہی لیٹ جائے اور روحانی فوراً حاضر ہو کر اسے مشکل کام کے حل ہونے کی بشارت اور اشارت فرمائے گا۔ روحانی کے حاضر ہونے کی علامات اور آثار یہ ہیں کہ یا تو پڑھنے والے کے دل میں رقت پیدا ہو جائے گی اور بے اختیار گریہ جاری ہو جائے گا۔ یا دائیں اور بائیں کان سے تن تن کی آواز آئے گی یا آنکھوں میں اہلِ دعوت کو نور کی چمک دے گا۔ یا روحانی اپنی خوشبو بخشے گا یا الہام اور آواز دے گا یا دلیل، خیال اور وہم صریح سے دل کو آگاہی دے گا۔ یا اہلِ دعوت کو اپنا وجود بڑا بھاری، وسیع اور وزنی معلوم ہوگا۔ ان علاماتِ مذکورہ میں سے جو بھی علامت ظاہر ہو تو جانے کہ روحانی حاضر ہو گیا ہے۔ اس وقت روحانی سے ملنے اور ملاقی ہونے کے لیے مراقبہ کرے یا وہاں قبر کے پاس لیٹ جائے۔ اگر ایک طرف دعوتِ قرآن پڑھنے سے روحانی حاضر نہ ہو تو دوسری طرف قبر کے پاس بیٹھ کر سورۂ مزمل گیارہ بار پڑھے۔ اگر پھر بھی حاضر نہ ہو تو قبر کی تیسری طرف سورۂ مزمل پڑھے اور آخر بار قبر کے پاؤں کی طرف گیارہ دفعہ سورۂ مزمل پڑھے۔ پاؤں کی طرف دعوت پڑھنے سے روحانی تنگ ہوتا ہے۔ اگر اہلِ دعوت عامل کامل ہے اور اسے کوئی اپنی یا اپنے خویش و اقارب کی بڑی سخت مشکل آن پڑی ہے تو ایسے وقت اہلِ دعوت قبر پر چڑھ کر دعوت پڑھے۔ اس وقت روحانی اسے برق براق سے تیز تر بزمِ نبوی ﷺ میں حاضر کر دے

گا۔ اور وہاں سے اس کی مشکل مہم اللہ تعالیٰ کے امر سے حل کرا دے گا۔ لیکن قبر پر چڑھ کر دعوت پڑھنا سخت خطرناک اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ اگر ایک طرف آگ کی بھڑکتی ہوئی بھٹی ہے اور دوسری طرف قبر ہے تو بہتر ہے کہ آگ میں کود پڑے۔ لیکن قبر پر قدم نہ رکھے۔ کیونکہ کہ آگ کا جلا ہوا ممکن ہے اچھا ہو جائے۔ لیکن قبر کا جلا ہوا کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ اس کا آزار لازوال ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو دنیا میں مرشدِ کامل نہ ملے تو کسی عارفِ کامل کی قبر اور روحانیت سے تعلق پیدا کرے۔ اس کی قبر کے پاس بار بار قرآن پڑھنے سے روحانی کیساتھ باطنی رشتہ اور رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور طالب سالک عارف زندہ دل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ مرشد را نیابد در جہان
از قبر عارف شود صاحبِ عیان

روحانی اہلِ قبر دو طرح پر اہلِ دعوت کی مدد کرتا ہے۔ اول اپنے برزخی مقام سے باہر آ کر اور اہلِ دعوت سے ملاقی ہوتا ہے اور اسے اپنے کام میں کامیابی کی بشارت پہنچاتا ہے۔ دوم روحانی اہلِ دعوت سے اتحاد پیدا کر کے اسے باطن میں اپنے برزخی مقام میں پہنچا دیتا ہے اور اسے اس کا کام حل ہوتا ہوا دکھا دیتا ہے۔ گاہے اہلِ دعوت کا کام روحانی حل کر دیتا ہے لیکن اہلِ دعوت کو معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کارفرما ہوتی ہے اور عالمِ امر میں ایک ادنیٰ روحانی کو بڑی روحانی طاقت اور باطنی قوت حاصل ہوتی ہے۔
ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (الجمعۃ ۶۲ : ۴)

ختم شد

یارب تو کریمی و رسولؐ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

منقبت

حضرت قبلہ فقیر نور محمد صاحب سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ

جو نام ہے عزت کے قابل وہ نام ہے نور محمد کا
جو کام پسند ہے مولا کو وہ کام ہے نور محمد کا
جس نے بھی لگایا ہونٹوں سے سرمست عشق رسول ہوا
کیا بادہ ہے نور محمد کا ، کیا جام ہے نور محمد کا
جن کو بھی عقیدت ہے، ان سے، اللہ کی قسم ان لوگوں پر
انعام ہے نور محمد کا، اکرام ہے نور محمد کا
اللہ کا ہاتھ کہیں جس کو وہ دستِ مبارک ہے ان کا
جو عرش بریں پہ پہنچتا ہے وہ گام ہے نور محمد کا
دنیا میں بھی خوشحال تھے وہ، عقبٰی میں بھی خوشحال ہیں وہ
کتنا اچھا، کتنا اعلیٰ انجام ہے نور محمد کا
جو کچھ بھی لکھا جو کچھ بھی کہا احکامِ حق کے مطابق تھا
ہر حرف ہر اک نقطہ کامل الہام ہے نور محمد کا

صاحبزادہ فقیر عبدالحمید سروری قادری، کلاچی شریف
ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں

ابیاتِ مصنفؒ

مکُن اے یار عیب پروازم　　بچّہ پاک بازِ شہبازم

مے بود ولدِ خاص سرِّ ابی　　بوئے باہوؒ شنوزِ آوازم

بے سرم سرِّ ہو ہمے جوئیم　　درپئے سرِّ یار سربازم

سرِّ ہُو یافتم من از باہوؒ　　نیست جُز یار محرمِ رازم

سرِّ ہُوؒ برسَرم سوار شُدہ　　اسپِ تازی مثال می تازم

شہسوار است برسَرم باہوؒ　　زیرِ آں شہر یار می نازم

گشت نورِ محمد ﷺ انجامم

بود نورِ محمد ﷺ آغازم

حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ

کی معرکہ آرا تصانیف

عرفان (حصّہ اوّل)

عرفان (حصّہ دوم)

عرفان (انگلش) (پارٹ ون)

عرفان (انگلش) (پارٹ ٹو)

مخزن الاسرار و سلطان الاوراد

حق نمائے (نور الھدیٰ شریف)

انوارِ سلطانی (ابیاتِ باھو) مع شرح

صاحبزادہ فقیر عبدالحمید سروری قادری کی تصانیف

حیاتِ سروری

الھامات

ترجمہ عقلِ بیدار مع شرح (تصنیفِ لطیف حضرت سلطان باھوؒ)

ملنے کا پتہ:

صاحبزادہ فقیر عبدالحمید سروری قادری

نوری دربار، کلاچی شریف

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان